وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○

جسے وسعتیں بھی نہ پاسکیں
وہ نبیؐ کا پاک مقام ہے

سیرت خیر العباد
صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ و تشریح و حواشی "زاد المعاد ابن قیم"

از قلم
مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب

ناشر
ادارہ مدنی دار التالیف بجنور (یوپی)

کتبہ عاصم

وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین
جسے وسعتیں بھی نہ پا سکیں
وہ نبی کا پاک مقام ہے

سیرت خیر العباد

حصہ دوم

ترجمہ و تشریح زاد المعاد از ابن قیم جوزی

از قلم
مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب

ناشر
ادارہ مدنی دار التالیف بجنور یو، پی

معذرت

سیرت خیر العباد کی دوسری قسط بہت کافی تاخیر سے شائع ہو رہی ہے جس کی وجہ وہ ناگفتہ بہ حالات ہیں کہ جنھوں نے میرے خرمن سکون کو جلا کر خاکستر کر دیا تھا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔ امید ہے کہ میرا یہ اجمالی عذر قبول کر لیا جائے گا

والسّلام

عزیز الرحمٰن غفرلہٗ

نام کتاب ---------- سیرت خیر العباد حصہ دوم

مترجم و محشی ---------- مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب

صفحات ---------- ۲۰۰

قیمت ---------- غیر مجلد ساڑھے تین روپے

اجرت سنہری جلد ---------- ڈیڑھ روپیہ

سن طباعت ---------- ۱۹۶۷ء

مطبوعہ ---------- مدینہ پریس بجنور

(عبد المنان خوشنویس بجنوری ثم سہارنپور)

فہرست عنوانات سیرت خیر العباد حصہ دوم

فہرست مضامین حواشی

بقیہ صفحہ ۶ بحمد للہ آپ نے پوری کر دی۔ آپ نے ترجمہ اور خصوصیت سے حواشی میں مسلک حنفیہ کو بدلائل واضح کر کے زاد المعاد کو حنفی مسلک میں ڈھال دیا کئی بار سفر حضر میں پڑھ چکا ہوں مگر بقول خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ سیری نہیں ہوتی ؎

سو بار تو دیکھا انھیں سیری نہیں ہوتی — حسرت ہے یہی دیکھتے پھر ایک نظر ہم

اس دور فسق فجور میں یہ کتاب مشعل ہدایت ہے آپ نے اسکو قسط وار شائع کر کے مسلمانوں کیلئے اسکا موقع بھی فراہم کر دیا کہ وہ بآسانی کتاب مذکور کو حاصل کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔ کتاب تعریف سے بے نیاز ہے۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار گوید۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت خیر العباد کیا ہے ؟

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی

"سیرت خیر العباد" کا کافی حصہ میں نے اسی سفر میں پڑھا تھا۔ میرا تاثر یہ ہے کہ زاد المعاد اسلامی کتب خانہ کی بہت اہم کتابوں میں ہے۔ مصنف کی شخصیت بھی مسلّم عظیم شخصیتوں میں سے ہے، یا تو کتاب کا صرف ترجمہ ہو وہ بھی بجائے خود ایک بڑا کام ہے اور اگر نوٹ لکھے جائیں تو اسکے لئے زیادہ وقت اور بہت زیادہ محنت کرنی ہوگی۔

گرامی نامہ کا جواب کل ہی لکھا تھا اس میں "سیرت خیر العباد" کے بارے میں اپنا تاثر لکھدیا تھا۔ آج محض اتفاق سے کتابوں کو ترتیب سے رکھتے وقت اسکا وہ نسخہ سامنے آگیا تو تقریباً آدھ گھنٹہ جستہ جستہ اس پر ابھی نظر ڈالی۔ اس جستہ جستہ نظر کی بنا پر میرا تاثر یہ ہے کہ کل کے خط میں جو لکھا گیا ہے وہ صحیح تاثر نہیں ہے معلوم نہیں کیوں میرے ذہن میں وہ تاثر محفوظ رہا۔ کہ آپ کا قلم بہت رواں چلتا ہے اور اس صورت میں تحقیق کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ بہرحال آج جو جستہ جستہ اس پر نظر ڈالی تو یہ عرض کرنا ضروری سمجھا کہ میرے اس تاثر کو ذہن یا حافظہ کی غلطی کا نتیجہ سمجھا جائے۔ میری طرف سے کارڈ کے اس حصہ کو قلم زد کر دیا جائے۔ البتہ یہ محسوس ہوا کہ کتابت طباعت بہت معمولی ہے کتاب کی عظمت کا بھی تقاضہ ہے کہ حسن منظر بھی ہو اس کی کوشش فرمائی جائے۔ زاد المعاد کا قابل اعتماد ترجمہ ہی فی نفسہٖ بہت بڑا کام ہے اور بڑی خدمت ہے اللہ تعالیٰ اتمام کی توفیق دے مقبولیت اور نافعیت عطا فرمائے آمین۔

مولانا شکیل احمد قاسمی شاہ آباد

"سیرت خیر العباد" موصول ہوئی واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب بے شمار مباحث کا مجموعہ ہے اور اپنے موضوع پر حاوی ہے۔ ترجمہ کا انداز بڑا دل نشین ہے۔ اور علامہ کے مدلات پر نقد و تبصرہ سے کتاب کی افادیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اور مسلک احناف کی وضاحت مع دلیل جو حاشیہ کی صورت میں ہے ایک مستقل اور الگ ہی حیثیت کی مالک ہے۔

مولانا محمد عمر صاحب مدراس

آج ظہر سے پہلے وی۔ پی وصول کرلیا اب مغرب کے بعد معروضہ لکھ رہا ہوں جناب کے مساعی مشکور ہوں اور دینی تالیفات اور شرعی خدمات میں خدا تعالیٰ برکت دے۔ کتاب زاد المعاد کے ترجمہ اور تشریح و حواشی نے اس کی افادیت بڑھادی واقعی اگر مولف علامہؒ موجود ہوتے تو مخالفت نہ فرماتے جناب نے ان کے مسلک کو غلط نہیں بتلایا علیٰ بصیرت تعدیل کی ہے اور جمع بین الاقوال۔ اور اپنے مسلک کی تشریح لائق تعریف ہے خدا کرے پوری کتاب اسی اسلوب کے ساتھ

حکیم قاضی محمود صاحب نماڑ

آپ کا ارسال کردہ وی پی ملا مطالعہ کیا ماشاء اللہ ترجمہ کا حق ادا کر دیا نیز فٹ نوٹ دیکر کم استعداد ناظرین کو تذبذب سے بچالیا۔ کتاب کی کتابت شایان شان ہے۔ دوسرا حصہ تیار ہوتے ہی مجلد وی۔ پی ارسال فرمائیں۔

مولانا محمد شعیب صاحب لکھنؤ

"سیرت خیر العباد" کا پہلا حصہ موصول ہوا پڑھ کر بیحد مسرت ہوئی سیرت کی یہ بلند پایہ کتاب جس توضیح و تشریح کی محتاج تھی وہ (باقی ص۵ پر)

بارہواں باب

قعدۂ اخیرہ اور اسکی دعائیں

بیٹھنے کا طریقہ حضور صلعم جب تشہد میں بیٹھتے تو دائیں ہاتھ کو داہنی ران پر رکھتے اور تین انگلیوں کو ملا لیتے اور انگشت شہادت کو کھڑا کر لیتے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تین انگلیوں کو مٹھی کی طرح) باندھ لیتے (تاکہ حلقہ بن جائے) اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھ لیتے تھے۔

امام مسلم نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور صلعم دائیں ہاتھ کی کہنی تک ہاتھ کو دائیں ران پر رکھتے اور ہاتھ کی دو انگلیوں سے حلقہ بناتے اور ایک انگلی کو اٹھاتے میں نے حضور صلعم کی انگشت شہادت کو دیکھا ہے کہ آپ اس کو حرکت دیتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں بھی حلقہ بنانے کا ذکر ہے۔

غرضکہ یہ تمام روایات بالکل ایک ہی ہیں۔ جس روایت میں تین انگلیوں کو بند کرنے کا ذکر ہے اس میں بیچ کی انگلی حلقہ بنانے میں داخل رکھی ہے اور صرف انگشت شہادت کو علیحدہ رکھا ہے اور جن حضرات نے بیچ کی انگلی کو داخل نہیں کیا انھوں نے حلقہ دوسری انگلیوں سے بنایا ہے۔ اس طرح ۵۳ کی گنتی بنانیوالے نشان میں بیچ کی انگلی داخل ماننی پڑے گی۔

بعض فضلاء نے اعتراض کیا ہے کہ اگر انگلیوں پر ۵۳ کی گنتی کے نشان پر حلقہ بنایا جاتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں پائی جاتی کیونکہ ۵۳ کا نشان قائم کرنے کی صورت میں خنصر کا بنصر کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اس اعتراض کا جواب بعض فضلاء نے اس طرح دیا ہے کہ تین انگلیوں کی دو حالت ہیں ایک تو وہ جو حدیث شریف میں مذکور ہے یعنی تین انگلیوں کو انگوٹھے کیساتھ ملا کر حلقہ بنانا۔ دوسری حالت نوایجاد ہے جسکو اہل حساب نے شروع کیا ہے[1]۔

حضور صلعم ذراعین کو رانوں پر رکھتے تھے اور کہنیوں کو ران سے علیحدہ نہیں رکھتے تھے بلکہ ملا لیتے تھے (اور انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھتے تھے) ایسے ہی رکوع اور سجدہ میں انگلیوں کا رخ قبلہ کی

---

[1] جو صاحب انگلیوں کے نشانات سے واقف نہ ہوں ان کو کسی عالم سے دریافت کر لینا چاہئے وہ سمجھا دیں گے کہ ۵۳ کی گنتی کس طرح پوری ہوتی ہے اور اسوقت ہاتھ کی ہیئت کیا ہوتی ہے۔

طرف کو رکھتے تھے اور ہر دو رکعات کے بعد التحیات پڑھا کرتے تھے۔

نماز میں دعا پڑھنے کا مقام

نماز میں سات جگہ ایسی ہیں جہاں حضور صلعم دعا پڑھا کرتے تھے (۱) تکبیر تحریمہ کے بعد (جیساکہ سبحانک اللّٰھم پڑھی جاتی ہے) (۲) رکوع سے پہلے اور قرأت سے فارغ ہونے کے بعد یعنی وتروں میں دعائے قنوت۔ اور اگر صحیح ثابت ہو جائے تو صبح کی نماز میں رکوع سے پہلے قنوت نازلہ لیکن اس مسئلہ میں کلام ہے یعنی یہ چیز صحیح طور پر ثابت نہیں ہے۔ (۳) رکوع کے بعد قومہ میں۔ چنانچہ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت ہے:۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ	حضور صلعم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع
وسلم اذا رفع راسہٗ من الرکوع	اللّٰہ لمن حمدہ اللّٰھم ربنا لک حمد فرماتے (اور
قال سمع اللّٰہ لمن حمدہ اللّٰھم	اس کے ساتھ یہ دعا بھی پڑھتے تھے)

ربنا لک الحمد ملأ السمٰوٰت وملأ الارض وملأ ما شئت من شیٔ بعد اللّٰھم طھرنی بالثلج والبرد والماء البارد اللّٰھم طھرنی من الذنوب و الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الوسخ۔

(۴) رکوع میں آپ یہ دعا پڑھتے تھے سبحانک اللّٰھم ربنا وبحمدک اللّٰھم اغفرلی۔

(۵) سجدہ۔ اس میں بھی آپ اکثر دعا مانگا کرتے تھے (۶) دونوں سجدوں کے درمیان (۷) تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے اس کے لئے آپ نے حدیث ابی ہریرہ اور حدیث فضالہ بن عبید میں حکم فرمایا ہے اور ایسے ہی سجدہ میں بھی دعا کے لئے امر فرمایا ہے[۱]۔

نماز کے بعد دعا

نماز سے فارغ ہونے کے بعد قبلہ کی طرف منہ کر کے یا مقتدیوں کی طرف کو متوجہ ہو کر دعا مانگنے کی آپ کی عادت نہیں تھی اس طرح دعا مانگنا کسی صحیح یا حسن سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے[۲] اور صبح وعصر کی نماز کے بعد اس طرح دعا مانگنے کی تخصیص سو آپ نے

---

[۱] علامہ گذشتہ سطور میں تحریر فرما چکے ہیں کہ یہ سب دعائیں آپ نوافل خصوصاً تہجد کے نوافل میں پڑھا کرتے تھے۔

نماز کے بعد دعا

[۲] یہ مسئلہ بظاہر تو بہت معمولی معلوم ہوتا ہے لیکن ہے بہت اہم علامہ نے بعد الصلوٰۃ دعا کا بالکل انکار کر دیا ہے اور نہایت قوت کے ساتھ کلام کیا ہے اسلئے ہمیں بھی ذرا تفصیل سے کام لینا پڑ رہا ہے۔ یاد رہے اس جگہ دو باتیں ہیں اول نماز کے بعد اور خصوصاً فرائض کے بعد دعا مانگنا دوسرے مروجہ طریقہ پر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جہانتک پہلے جزو کا تعلق ہے اسکے متعلق امام ترمذی نے اپنی جامع میں ایک حسن حدیث بروایت حضرت ابی امامۃ رضؓ نقل کی ہے:۔

قیل لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم — حضور صلعم سے دریافت کیا گیا کہ کونسی دعا۔ (باقی آئندہ)

ایسا کبھی نہیں کیا اور نہ خلفاء راشدین نے ہی ایسا کیا اور نہ اس کیلئے حکم فرمایا ہاں اس دعا کو بعض حضرات نے مستحسن قرار دیا ہے اور وہ بھی اسوجہ سے کہ ان دونوں نمازوں کے بعد سنتیں نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

عام طور سے جو دعائیں آپ سے منقول ہیں وہ سب نماز کے اندر کی دعائیں ہیں اور دراصل یہ نمازی کے حال کے مطابق بھی ہے کیونکہ وہ جب تک نماز میں ہوتا ہے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس سے ہم کلام ہوتا ہے لیکن جب نمازی سلام پھیر دیتا ہے تو اس کی یہ سب کیفیت ختم ہو جاتی ہے

گذشتہ سے پیوستہ

ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخر و دبر الصلوات المکتوبات	زیادہ سنی جاتی ہے فرمایا اخیر رات کے درمیان میں اور فرض نمازوں کے بعد

اس حدیث کو صاحب مشکوٰۃ نے فصل ثانی میں اور امام نووی نے ریاض الصالحین میں نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ جو دعا کی نفی کرتے ہیں ان کا قول مردود ہے بلکہ حضور صلعم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کہ مجھے ہر نماز کے بعد دعا مانگنا پسند ہے حافظ صاحب فرماتے ہیں اس حدیث کو ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے اسی طرح حضرت ابو بکرہؓ کی حدیث ہے جس میں دعا کے الفاظ نقل کرنے کے بعد مذکور ہے

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدعوا بھن دبر کل صلوٰۃ	حضور ہر نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعہ دعا مانگا کرتے تھے۔

یہ حدیث ترمذی، نسائی، ابو داؤد میں موجود ہے حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اسی طرح طبرانی نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں

الدعا بعد المکتوبۃ افضل من الدعا بعد النافلۃ	فرض کے بعد دعا مانگنا نفل کے بعد دعا مانگنے سے افضل ہے

امام نووی نے فرمایا ہے کہ نماز کے بعد دعا مانگنے کے متعلق میں نے شرح مہذب میں تیس سے زیادہ صحیح حدیث ذکر کی ہیں اسی طرح امام بخاری نے ادب المفرد میں بھی اس قسم کی حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔ بہر حال ان دلائل سے ابن قیم کا دعویٰ تو غلط ہو گیا جو انھوں نے کیا تھا ان ہی دلائل کو دیکھتے ہوئے حنابلہ نے ابن قیم کے اس قول کی تاویل کی ہے اور کہا ہے کہ علامہ نے قبلہ کی طرف کو منہ کر کے سلام کے بعد دعا مانگنے کے دستور سے انکار کیا ہے لیکن نمازیوں کی طرف کو منہ کر کے دعا مانگنے سے انکار نہیں ہے اس کے بعد دوسرا مسئلہ کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا تو اس کے بارے میں بھی متعدد حدیثیں موجود ہیں ایک حدیث ابو داؤد اور ترمذی میں بروایت سلمان رضؓ موجود ہے احیاء العلوم میں حضرت عمر رضؓ کی .... حدیث موجود ہے اگرچہ ترمذی نے اسکو غریب کہا ہے اسی طرح حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت بھی ہے۔ غرضکہ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے اور ثابت ہے ایسا نہیں ہے جیسا کہ علامہ نے فرمایا ہے ملاحظہ فرمایئے بذل صفحہ ۳۵۱ ج ۲ فتح الملہم صفحہ ۱۲۵ ج ۲

نماز عیدین کے بعد دعا

اسی ضمن میں نماز عیدین کی دعا کے متعلق ایک مسئلہ سامنے آتا ہے۔ آیا خطبہ کے بعد دعا مانگنا چاہیے یا عیدین کی نماز کے بعد؟ علامہ عبدالحئی فرنگی محلی نے ان دونوں کا انکار کیا ہے مولانا عبدالشکور فرنگی محلی نے فرمایا ہے دعا مانگنے سے دعا مانگنا افضل ہے بہر حال صراحۃً اس مسئلہ میں کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری البتہ فضیلت دعا کے متعلق عام احادیث بعد صلوٰۃ عیدین کو بھی شامل ہیں (جیسا کہ مندرجہ بالا چند احادیث سے ظاہر ہے) بعض حضرات نے بخاری شریف کی حدیث ام عطیہ رضؓ فلیشھدن جماعۃ المسلمین و دعوتھم سے (باقی آئندہ)

لہٰذا خیال فرمائیں جب تک نماز میں رہا جائے اس وقت تک تو دعا نہ مانگی جائے حالانکہ قرب کا وقت وہی ہے اور جب نماز سے فارغ ہو جائیں اس وقت دعا مانگی جائے۔

علاوہ ازیں اس جگہ ایک لطیف نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ جب نمازی نماز سے فارغ ہوتا ہے تو وہ اذکار مشروعہ (تکبیر، تہلیل، تسبیح، تحمید) کرتا ہے تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ درود شریف پڑھے اور اس کے بعد جو جی میں آئے دعا مانگے۔ یہ دعا اس عبادت (اذکار) کے بعد کی دعا کے نام سے تو یاد کی جاسکتی ہے لیکن اس کو دعا بعد الصلوٰۃ کا نام نہیں دیا جاسکتا۔ بہرحال جو بھی حمد و ثنا اور درود شریف کے بعد دعا مانگے گا وہ دعا قبول ہوگی۔ چنانچہ حضرت فضالہ بن عبید کی حدیث ہے۔

اذا صلی احدکم فلیبدأ بحمد اللہ	تم میں سے جب کوئی دعا مانگے تو پہلے حمد و
والثناء علیہ ویصلی علی النبی صلی	ثنا کرے پھر درود شریف پڑھے پھر جو جی
اللہ علیہ وسلم ثم لیدع بما شاء	چاہے دعا مانگے۔

امام ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔

سلام پھیرنے کا بیان

اس کے بعد حضور صلعم داہنی طرف کو سلام پھیرتے ہوئے فرماتے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" اور اسی طرح بائیں طرف کو سلام پھیرتے۔ یہی آپ کی

گذشتہ سے پیوستہ

استدلال کیا ہے لیکن میرے نزدیک یہ استدلال ناقص ہے کیونکہ اس میں محل دعا متعین نہیں ہے ہاں مندرجہ بالا احادیث سے استدلال درست ہے پھر انکار کے لئے کوئی دلیل نہیں اور عدم ذکر سے عدم ثبوت لازم نہیں آتا اس کے علاوہ بعض حضرات نے دعا بعد الصلوٰۃ کیلئے آیت مبارکہ اذا فرغت فانصب سے بھی استدلال کیا ہے حضرت ابن عباس، قتادہ، ضحاک کلبی نے فرمایا ہے:۔

اذا فرغت من الصلوٰۃ المکتوبۃ او	یعنی جب آپ فرض یا مطلقاً کسی بھی نماز سے فارغ
مطلق الصلوٰۃ فانصب الی ربک فی الدعا	ہوں تو دعا میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوں یعنی
وارغب الیہ فی المسئلۃ یعنی قبل	قبل سلام بعد تشہد یا بعد سلام۔

السلام بعد التشہد او بعد السلام ۱ھ مظہری صـ۲۹۴ ج ۱۰

مطلب یہ ہے کہ آیت مبارکہ سے دونوں دعائیں مراد ہو سکتی ہیں سلام سے پہلی دعا اور سلام کے بعد کی دعا غرضکہ نمازوں کے بعد دعا کے متعلق بکثرت احادیث و آثار صراحۃً موجود ہیں ان ہی سے بعد صلوٰۃ عید بھی اشارۃً یا دلالۃً یا اقتضاءً ثابت ہے البتہ خطبہ کے بعد دعا مانگنے کے متعلق اتنا اشارہ بھی موجود نہیں ہے۔

ہمارے اکابر میں سے حضرت تھانوی نے امداد الفتاویٰ میں اسی رائے کو پسند فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

عادت شریفہ تھی جس کو تقریباً پندرہ صحابیوں رضؓ نے روایت کیا ہے مثلاً عبداللہ بن مسعود رضؓ حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت سہل بن سعد الساعدی رضؓ حضرت وائل بن حجر رضؓ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ حضرت حذیفہ بن یمان رضؓ حضرت عمار بن یاسر رضؓ حضرت ابن عمر رضؓ حضرت جابر بن سمرۃ رضؓ حضرت براء بن عازب رضؓ حضرت ابو مالک اشعری رضؓ حضرت طلق بن علی رضؓ حضرت اوس رضؓ حضرت ابو رمثہ رضؓ حضرت عدی ابن عمیرۃ رضؓ۔

حضور صلعم سے یہ روایت بھی ہے کہ ایک مرتبہ سامنے[1] کی طرف کو بھی سلام کہتے تھے لیکن یہ فصل کسی صحیح اور جید سند سے ثابت نہیں ہے ہاں ایک حدیث حضرت عائشہ رضؓ کی ہے کہ

انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یسلم تسلیمۃ واحدۃ السلام علیکم یرفع بہا صوتہ حتی یوقظنا	ایک سلام آپ "السلام علیکم" بلند آواز سے کہتے تھے تاکہ ہم بیدار ہو جائیں۔

یہ حدیث معلول ہے اگرچہ سنن میں موجود ہے اور رات کی نماز کے بارے میں ہے اور وہ حضرات جنہوں نے دو سلام کے متعلق روایات نقل کی ہیں ان سب کی بنا مشاہدہ پر ہے اور فرض و نفل سب کے لئے ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی یہ حدیث صرف ایک سلام کے لئے ہے اور وہ بھی ایسا سلام تھا جس سے وہ بیدار ہو جاتی تھیں[2]۔ دوسرے سلام کے متعلق ان کا سکوت ہے۔ ان کے سکوت کو دوسرے صحابہ کی نقل پر فوقیت حاصل نہیں ہو سکتی جن کی تعداد بھی کثیر ہے اور اکثر صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر نے ایک سلام کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ ایک سلام کی حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ حضرت عائشہ رضؓ حضرت انس رضؓ نے روایت کی ہے لیکن یہ سب احادیث معلول ہیں۔ اہل علم حضرات نے ان احادیث کو صحیح قرار نہیں دیا ہے۔ اس کے بعد علامہ ابن عبدالبر نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کی حدیث کی علت بھی بیان کر دی ہے کہ

ھذا وھم وغلط	یہ وہم ہے اور غلط ہے۔

ہاں صحیح حدیث یہ ہے کہ آپ ایک مرتبہ دائیں طرف کو سلام پھیرتے اور ایک مرتبہ بائیں طرف کو سلام پھیرتے اس کے بعد علامہ ابن عبدالبر نے حضرت ابن مبارک کی سند عن مصعب بن ثابت عن اسماعیل محمد بن سعد عن عامر بن سعد عن ابیہ

قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسلم عن یمینہ وعن	فرمایا میں نے حضور صلعم کو دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے دیکھا ہے حد یہ ہے کہ گویا

---

[1] امام ملک کا یہی مسلک ہے[2] اسی سے ثابت ہے کہ یہ سلام تہجد کی نماز میں صرف بیدار کرنے کے لئے تھا اس جزوی واقعہ سے قاعدہ کلیہ نہیں بن سکتا کہ نماز میں تین سلام ہوتے ہیں۔

شمالہ حتی کانی انظر الی صفحۃ خدہ ؂	اب بھی میں آپ کے رخسار مبارک کو دیکھ رہا ہوں ؂

زہری کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلعم سے یہ حدیث نہیں سنی اس پر اسماعیل بن محمد نے ان سے کہا کیا آپ نے حضور صلعم سے پوری حدیث سنی ہے فرمایا نہیں۔ پھر پوچھا نصف حدیث سنی فرمایا نہیں۔ اس پر اسماعیل رح نے کہا اچھا تو۔ آپ اس حدیث کو اس آدھی حدیث میں شمار کر لیں جو نہیں سنی۔

علامہ ابن البر نے حضرت عائشہ صدیقہ رض کی حدیث کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس حدیث کو سوائے زہیر بن محمد کے کسی نے بھی متصل نہیں بیان کیا اور زہیر بن محمد ضعیف ہیں اور بیان حدیث میں بہت غلطیاں کرتے ہیں اسی وجہ سے محدثین ان کی حدیث کو قبول نہیں کرتے یحیٰی بن معین نے اس حدیث کے بارے میں بیان کیا ہے کہ اس حدیث کے راوی عمرو بن ابی سلمۃ اور زہیر بن محمد دونوں ضعیف ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر نے حضرت انس رض کی حدیث کے متعلق ارشاد فرمایا کہ یہ حدیث ابو ایوب السختیانی کی سند سے ہے اور انھوں نے حضرت انس رض سے اس حدیث کو نہیں سنا ہاں حضرت حسن رض سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ :۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و ابابکر و عمر رضی اللہ عنہما کانوا یسلمون تسلیمۃ واحدۃ	حضور صلعم اور حضرت ابو بکر رض عمر رض ایک ہی سلام پھیرا کرتے تھے۔

بہرحال اس قول کی تائید میں اہل مدینہ کے عمل کے سوا اور کچھ نہیں ہے جس کے متعلق ان حضرات کا دعویٰ ہے کہ یہ عمل اکابر سے متوارث ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ جس کو دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ایک ایسا عمل جو دن میں چند بار ہوتا ہو اس کی تمام فقہاء مخالفت کریں۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ راوی کو غلطی ہوئی پھر اسی غلط حدیث پر عمل ہونا شروع ہو گیا۔

صحیح بات یہ ہے کہ وہ صحیح احادیث جو حضور صلعم سے ثابت ہیں ان کو ایک شہر کے لوگوں کے عمل سے رد نہیں کیا جا سکتا پھر یہ بات کہ دوسری احادیث اکابر مدینہ نے روایت کی ہیں اور ان پر ان کے عمل کا استمرار بھی رہا ہے اور موجودہ اہل مدینہ کا عمل حضرات خلفائے راشدین رض کے بعد وجود میں آیا ہے اس میں حضور صلعم اور خلفاء کے عمل سے تو استناد کیا جا سکتا ہے لیکن دوسروں کے عمل سے استناد نہیں کیا جا سکتا۔

؂ مطلب یہ ہے کہ آپ سلام پھیرنے میں پورے چہرے کو اس قدر پھیرتے تھے کہ مقتدی آپ کے رخسار مبارک کو دیکھ لیتے تھے۔

نماز کی دعائیں حضور صلعم نماز میں یہ دعا مانگا کرتے تھے :۔

اللّٰھم انی اعوذ بک من عذاب القبر و اعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال و من فتنۃ المحیاء و الممات اللّٰھم انی اعوذ بک من المأثم و المغرم۔

اللّٰھم اغفر لی ذنبی و وسع لی فی داری و بارک لی فیما رزقتنی. اللّٰھم اسئلک الثبات فی الامر و العزیمۃ علی الرشد و اسئلک شکر نعمتک و حسن عبادتک و اسئلک قلباً سلیماً و لساناً صادقاً و اسئلک من خیر ما تعلم و اعوذ بک من شر ما تعلم و استغفرک لما تعلم۔ اور سجدہ میں یہ دعا کرتے :۔

رب اعط نفسی تقواھا و زکھا انت خیر من زکھا انت ولیھا و مولٰھا۔

یہ مذکور ہو چکا ہے کہ ان میں سے بعض دعائیں آپ رکوع، سجدہ، قومہ وغیرہ میں بھی پڑھا کرتے تھے۔

دعا کے الفاظ حضور صلعم نماز میں جو دعائیں پڑھتے تھے وہ سب واحد کے صیغے ہیں جیسے رب اغفر لی وارحمنی اسی طرح اور جتنی دعائیں آپ سے محفوظ ہیں ان سب کا یہی حال ہے ایسے ہی نماز کی ابتدائی دعا اللھم اغسلنی من الخطایا الخ علاوہ ازیں امام احمد نے حضرت ثوبان کی روایت اس طرح نقل کی ہے :۔

لا یوم عبد قوماً فیخص نفسہٗ	جو آدمی کسی قوم کی امامت کرائے اور دعا میں
بدعوۃ فان فعل فقد خانھم	اپنے کو مخصوص کرلے اس نے خیانت کی ہے۔

ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حدیث " اللھم باعد بینی و بین خطایای الخ ذکر کرنے کے بعد کہا ہے کہ حدیث لا یوم عبد الخ موضوع ہے. منشا یہ ہے کہ ابن خزیمہ نے جس حدیث کو نقل کیا ہے اس میں الفاظ مفرد ہیں اور اس دوسری حدیث میں جمع کے صیغے ہیں پھر یہ حدیث موضوع بھی ہے۔[1]

علامہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ ابن تیمیہ سے سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا یہ حدیث (لا یوم عبد الخ) امام کے لئے ہے کہ وہ جس طرح دعا قنوت میں جمع کے صیغے بول کر مقتدیوں کو بھی دعا میں شریک رکھتا ہے اسی طرح اس دعا میں بھی شریک رکھتا ہے اس لئے یہ حدیث موضوع نہیں ہے ..... ابن خزیمہ کی جرح غلط ہے۔

نماز میں مختلف افعال حضور صلعم جب نماز میں کھڑے ہوتے تو سر کو جھکائے رکھتے تھے. امام احمد نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلعم تشہد میں انگلی کے اشارے پر نظر رکھتے تھے۔

[1] آداب دعا میں سے یہ بھی ہے کہ اگر اجتماع یا جماعت کیساتھ دعا کیجائے تو جمع کے الفاظ استعمال کرنا چاہیئے مثلاً ہم، ہمارے، ہمارے لئے، ہم کو وغیرہ اور اگر تنہا دعا کیجائے تو مفرد الفاظ بولنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ابن خزیمہ نے حدیث کے موضوع ہونیکا جو دعوی کیا تھا اسکو ابن تیمیہ نے رد کر دیا. بات وہی صحیح ہے جو علامہ ابن تیمیہ نے کہی ہے۔

یہ حدیث بھی گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے نماز میں ٹھنڈک اور راحت رکھدی تھی یعنی آپ کو نماز پڑھ کر جس قدر فرحت حاصل ہوتی تھی اتنی فرحت کسی دوسرے کام سے نہیں چنانچہ آپ حضرت بلال رضؓ سے فرمایا کرتے تھے۔

یا بلال ارحنا بالصلوٰۃ — بلال! نماز کے ذریعہ ہمیں راحت دو۔

اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ — نماز میں میرے لئے آنکھ کی ٹھنڈک رکھدی گئی ہے

باوجود ان تمام چیزوں کے آپ حالت صلوٰۃ میں مقتدیوں وغیرہ کی حالت سے بے خبر نہیں رہتے تھے حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا قرب بدرجہ اکمل حاصل ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے نماز شروع کی پیچھے سے کسی کے بچے کے رونے کی آواز گوش مبارک میں آئی آپ نے فوراً نماز میں تخفیف کردی۔ اسی طرح ایک دفعہ آپ نے ایک سوار کو جاسوس مقرر فرماکر بھیجا۔ اور جدھر سے اس کو واپس آنا تھا ادھر کو آپ حالت صلوٰۃ میں بار بار گوشہ چشم سے دیکھ لیتے تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ فرض نماز پڑھتے ہوئے بھی اپنے کندھے پر اپنی نواسی امامہ بنت ابی العاص کو بٹھا رکھا تھا۔ جب آپ رکوع اور سجدہ میں جاتے تو اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو اٹھالیتے ایسے ہی آپ نماز پڑھتے رہتے تھے کہ حضرت حسن رضؓ یا حضرت حسین رضؓ آجاتے اور آپ کی پشت پر سوار ہوجاتے آپ انکے گرنے کے خوف سے سجدہ کو طویل کردیتے تھے۔ ایسے ہی آپ حجرہ بند کئے نماز پڑھتے ہوتے تھے کہ بعض دفعہ حضرت عائشہ آجاتیں آپ کواڑ کھولدیتے اور پھر نماز میں لگ جاتے [1]

نماز میں عمل کثیر

[1] اس باب میں بہت سی باتیں ایسی ملینگی جن سے اجنبیت سی معلوم ہوگی اسلئے اس میں قدرے تفصیل کی ضرورت ہے اسکے علاوہ اس جگہ ایک بات اور قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ علامہ کی یہ کتاب "زاد المعاد" سیرت کی کتاب ہے اسلئے اس میں ان تمام چیزوں کا ذکر ہوجانا نہایت ضروری ہے جو حضور صلعم کی طرف منسوب ہیں یہ ایک علیحدہ چیز ہے کہ ان میں سے کتنی چیزیں منسوخ ہوئیں اور کتنی چیزیں علیٰ حالہ باقی رہیں اور کتنی چیزوں میں فرض اور نفل کی تخصیص ہے۔ راوی نے تو حضور صلعم کی ۶۳ سالہ حیات میں جب کبھی جو کچھ دیکھا یا سنا اسکو نقل کردیا۔ اب یہ سیرت نگار کا فرض ہے کہ وہ ان چیزوں کو نقل کرتے وقت تقدم اور تاخر اور زمانہ کا لحاظ رکھتے ہوئے بیان کرے۔

غزوہ بدر کے بعد تک نماز میں ایسی بہت سی چیزوں کی اجازت رہی جو بعد کو منسوخ ہوگئیں مثلاً سلام کرلینا سلام کا جواب دیدینا۔ اصلاح صلوٰۃ کی غرض سے بات چیت کرلینا (جیسا کہ قصہ ذوالیدین میں ہے) لیکن غزوہ بدر کے بعد ان تمام چیزوں کو منسوخ کردیا گیا اسلئے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ راوی نے جو حدیث نقل کی ہے وہ زمانہ منسوخ کی حدیث تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ حدیث ہمارے لئے قابل عمل نہ ہوگی۔ بہرحال ناسخ و منسوخ کا لحاظ اور فرض و نفل کا اعتبار ضرور کرنا پڑیگا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی لحاظ کرنا پڑیگا کہ ایک فعل حضور صلعم کرتے ہیں مگر ان کی توجہ میں فرق نہیں آتا اگر ہم اسی فعل کو کرنے لگیں تو ہماری توجہ باقی نہیں رہ سکتی اسلئے حضور صلعم کے افعال پر ہم اپنے افعال کو قیاس کریں تو یہ خرابی کی بات ہے ؎ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر۔

(باقی آئندہ)

ایسے ہی آپ نماز پڑھتے ہوتے اور کوئی آنے والا آکر آپ کو سلام کرتا تو آپ اشارے سے اس کا جواب دیدیتے تھے۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلعم نے مجھے کسی کام سے بھیجا۔ جب میں آیا تو آپ نماز میں مشغول تھے اسی حالت میں

گذشتہ سے پیوستہ مگر علامہ کا عجیب معاملہ ہے کہ وہ صرف اپنا مدعا ثابت کرنیکے لئے ایسی باتیں کرتے ہیں کہ کوئی انکو غلط بھی نہ کہہ سکے اور بات بھی غلط کہہ جائیں یہ یقیناً ٹیڑھی بات ہے لہٰذا معلوم ہونا چاہیئے اس عنوان کے تحت جسقدر واقعات مذکور ہیں ان میں سے بیشتر نفل کے متعلق ہیں اسی طرح ان میں سے کچھ منسوخ ہیں اور کچھ منسوخ نہیں ہیں۔ اس تمہید کے بعد یہ چیز بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ جو افعال منسوخ نہیں ہیں وہ عمل کثیر ہیں یا نہیں اگر عمل کثیر ہیں تو نماز فاسد ہوجائیگی اور اگر عمل کثیر نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی اسکے لئے عمل کثیر کی تعریف ہونا ضروری ہے عمل کثیر کی جامع ترین اور احسن ترین تعریف یہ ہے کہ

مالا یشك بسببه الناظر من بعید فی فاعله انه لیس فیها — درمختار صـ۲۹۱

جسکی وجہ سے دور سے دیکھنے والے کو فاعل کے متعلق یہ شک نہ ہو کہ وہ نماز میں نہیں ہے۔

اب ان مثالوں پر غور کرنا چاہیئے کہ جو علامہ نے زاد المعاد میں تحریر فرمائی ہیں مثلاً حضرت امامۃ بنت زینب کی مثال امام مالک نے اس عمل کے منسوخ ہونیکا دعویٰ کیا ہے صاحب درمختار نے بھی یہی فرمایا ہے کہ واقعہ مسلم شریف کی مندرجہ ذیل حدیث سے منسوخ العمل ہے

ان فی الصلوٰۃ لشغلا — نماز میں خود ایک مشغولیت ہے

اس میں ان چیزوں کی گنجائش نہیں ہے۔

لیکن صاحب ردالمحتار اور دیگر علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے اور نہ مفسد صلوٰۃ ہے اسوجہ سے کہ اولاً تو یہ نفل ہیں ہوا دوسرے اس میں عمل کثیر نہیں ہے کیونکہ ایک بچہ جب آکر چپٹ جائے تو کیا کیا جائے بچہ آگیا اسکو بٹھالیا اور پھر آہستہ سے اسکو علیحدہ کردیا۔ لامع الدراری صـ۲۰۲ ج ۱

اسی طرح حضرت حسن رضؓ والے واقعہ میں بھی عمل کثیر نہیں ہے صرف سجدہ کا طویل ہونا معلوم ہو رہا ہے اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ حضرت عائشہؓ کے واقعہ سے بھی عمل کثیر نہیں پایا جاتا کیونکہ حجرے اتنے بڑے نہیں تھے کہ جن میں چلنے کی ضرورت پیش آئے بلکہ حجرہ چھوٹا تھا آپ نے ہاتھ لمبا کرکے کھولدیا اور اگر ایک دو قدم چل بھی لئے ہوں تو یہ عمل کثیر میں داخل نہیں ایک دو قدم ضرورۃً آگے یا پیچھے کو چلا جاسکتا ہے۔

نماز میں سلام اور اشارہ ابھی گذشتہ سطور میں عرض کیا جاچکا ہے نماز میں پہلے سلام کرنا اس کا جواب دینا جائز تھا پھر بعد میں منسوخ ہوگیا ہے مسلم شریف میں یہ حدیث موجود ہے

ان هذه الصلوٰۃ لا یصلح فیها من کلام الناس — نماز میں انسانوں کے کلام کی گنجائش نہیں ہے۔

لہٰذا سلام کا جواب، چھینک کا جواب کلام الناس میں داخل ہے اسلئے مفسد صلوٰۃ ہے البتہ اگر سلام کا جواب انگلی یا ہاتھ کے اشارہ سے دیدیا جائے تو جائز ہے صاحب درمختار نے بیان کیا ہے۔

رد السلام بلسانه لا بیده بل یکره — صـ۵۴۴ ج ۱

یعنی مفسدات صلوٰۃ میں زبان سے سلام کا جواب دینا بھی داخل۔ ہاتھ سے جواب دینا مفسد صلوٰۃ نہیں بلکہ مکروہ ہے

صاحب ردالمحتار علامہ شامی نے بیان کیا ہے کہ حضور صلعم کے یہ افعال بیان جواز کے لئے ہیں اسلئے آپکے حق میں کراہیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا الخ ردالمحتار صـ۵۴۴ ج ۱

فسلمت علیہ فاشار الیّ — میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے میری طرف اشارہ کر دیا

اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں :۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یشیر فی الصلوٰۃ — آپ نماز پڑھتے ہوئے اشارہ کر دیتے تھے۔

اس حدیث کو امام احمد نے ذکر کیا ہے۔ حضرت صہیب فرماتے ہیں :۔

مررت برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یصلی فسلمت علیہ فرد اشارۃ — آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ میں حاضر ہوا اور میں نے سلام کیا تو آپ نے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔

راوی نے بیان کیا ہے میرا خیال ہے کہ آپ نے انگلی سے جواب دیا تھا۔ یہ حدیث سنن اور مسند احمد میں موجود ہے۔ حضرت ابن عمر رضؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور صلعم قبا تشریف لے گئے اور وہاں نماز پڑھنے لگے۔ اتفاق سے حضرات انصار رضؓ بھی آ گئے۔ انھوں نے آکر آپ کو سلام کیا۔ میں نے حضرت بلال رضؓ سے دریافت کیا کہ جس وقت ان حضرات نے حضور صلعم کو سلام کیا تو آپ نے کس طرح جواب دیا تھا۔ حضرت بلال رضؓ نے جواب دیا اس طرح! اس حدیث کے ایک راوی جعفر ابن عون نے ہاتھ سے بتلایا کہ آپکی ہتھیلی کا رخ نیچے کی طرف تھا اور اس کی پشت اوپر کی طرف تھی (جس طرح لوگوں کو بٹھانے کے لئے اشارہ کیا جاتا ہے)

یہ حدیث سنن میں موجود ہے امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ جب میں حبشہ سے آیا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے سر سے اشارہ فرما دیا۔[1] اس حدیث کو امام بیہقی نے نقل کیا ہے لیکن ان سب کے علاوہ ابو غطفان کی حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اشار فی صلاتہ اشارۃ تفھم عنہ فلیعد صلاتہ — آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے نماز میں کوئی ایسا اشارہ کیا کہ جس کا کچھ مفہوم ہو تو اسکو اپنی نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے۔

یہ حدیث باطل ہے اس کو دار قطنی نے ذکر کیا ہے دار قطنی نے کہا ہے کہ مجھ سے ابن ابی داؤد نے فرمایا

---

[1] ابھی گزر چکا ہے اشارہ سے سلام کا جواب دینا جائز ہے امام طحاوی نے بیان فرمایا ہے کہ حضور صلعم نے نماز سے فارغ ہونیکے بعد حضرت ابن مسعود رضؓ کے سلام کا جواب دیا تھا۔ اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر زبان سے سلام کا جواب دیدینا مستحب ہے، رد المحتار ج۱ ص۴۲۵۔ یہ حدیث مفصلاً جمع الفوائد میں موجود ہے۔

ابو غطفان ایک مجہول آدمی ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ آپ نماز میں اشارہ کر دیتے تھے ان روایات کو حضرت انس رض حضرت جابر رض وغیرہ حضرات نے نقل کیا ہے۔

ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رض سامنے لیٹی ہوئی ہیں اور آپ نے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ جب آپ سجدہ کرتے تو حضرت عائشہ صدیقہ رض کے پیروں کو دبا دیتے تو وہ پیروں کو سکوڑ لیتیں اور جب آپ کھڑے ہو جاتے تو وہ پیروں کو ویسے ہی پھیلا لیتیں[۱]

ایسا بھی اتفاق ہوا ہے کہ نماز پڑھتے میں شیطان آگیا تاکہ آپ کی نماز خراب کرا دے آپ نے اسکا گلا اسقدر گھونٹا کہ اس کا تھوک آپ کے دست مبارک پر گر پڑا[۲]۔ آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر اس طرح نماز پڑھی ہے کہ رکوع تو اسی پر کر لیتے تھے اور جب سجدہ کا وقت آتا تو آپ نیچے اتر آتے اور زمین پر سجدہ کرتے تھے پھر منبر پر کھڑے ہو جاتے۔

ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نماز پڑھتے ہوتے کہ بکری کا بچہ آجاتا چنانچہ آپ اسکو اسقدر ہٹاتے کہ دیوار کے بالکل قریب ہو جاتا اور وہ آپ کے پیچھے کو نکل بھاگتا[۳]۔ ایسا بھی ہوتا کہ آپ نماز پڑھتے ہوتے کہ بنی عبد المطلب کی دو بچیاں لڑتی ہوئی آجاتیں آپ ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتے۔ امام احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ دونوں بچیاں آپ کے گھٹنوں کو آکر پکڑ لیتیں پھر آپ یا تو ان دونوں کو پکڑ لیتے یا علیحدہ کر دیتے[۴]

ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نماز پڑھتے ہوتے اور کوئی لڑکا آپ کے سامنے سے ہو کر گذرتا تو آپ اس کو

---

[۱] اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی اسلئے کہ یہ عمل کثیر نہیں ہے پھر اس حدیث سے حنفیہ کا مسلک ثابت ہے کہ عورت کو چھو دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا امام شافعی صاحب اسکو ناقض وضو قرار دیتے ہیں۔

شیطان کا گرفتار ہونا

[۲] علامہ نے یہ روایت مسند امام احمد سے نقل کی ہے جسکی تفصیل یہ ہے حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ایک دفعہ (حالت صلوٰۃ میں) شیطان آیا میں نے اسکو پکڑ لیا اور اس کا گلا گھونٹنا شروع کیا یہانتک کہ اسکا تھوک میرے ہاتھ پر گر پڑا۔ یہ حدیث منقطع ہے لیکن اسی کے بالمقابل مسلم اور نسائی کی حدیث ہے حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ ایکدفعہ نماز پڑھتے ہوئے آپ نے فرمایا "اعوذ باللہ منک" اور پھر تین مرتبہ فرمایا تجھ پر خدا کی لعنت۔ اسکے بعد آپ نے کسی چیز کے پکڑنے کو ہاتھ پھیلایا۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ شیطان دوزخ کی آگ لیکر آیا تھا تاکہ میرے چہرے پر ڈالدے اسی وجہ سے میں نے اس پر لعنت کی اگر مجھے حضرت سلیمان ع کی دعا یاد نہ آجاتی تو میں اسکو پکڑ لیتا اور باندھ دیتا اور پھر مدینہ کے لڑکے اسکے ساتھ کھیلتے۔ علامہ نے مذکورہ حدیث کو غالباً اس وجہ سے بیان کیا ہے کہ حضور صلعم نے شیطان کا گلا دونوں ہاتھوں سے گھونٹا ہوگا لیکن باوجود اسکے آپ کی نماز فاسد نہیں ہوئی، علامہ کے قیاس پر غور کیا جائے کہ رسول ص کے افعال کو لیتے اور پر قیاس کرتے ہیں علاوہ ازیں مسلم شریف کی روایت میں بھی تو صرف ایک ہاتھ کا ذکر ہے اور ایک ہاتھ سے کوئی عمل کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی[۳] کسی چیز کو ہٹانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

[۴] گذشتہ سطور میں تفصیل گذر چکی ہے۔

ہاتھ سے اشارہ کرکے ہٹا دیتے تھے اور وہ چلا جاتا ایسے ہی کوئی بچی آجاتی اور آپ اس کو اشارے سے ہٹا دیتے اور وہ ہٹ جاتی۔

یہ تمام حدیثیں امام احمد نے نقل فرمائی ہیں اور سنن میں ایک حدیث ہے کہ آپ نماز پڑھتے میں پھونک بھی مار دیتے تھے[1] اس حدیث کو امام احمد نے بھی نقل کیا ہے لیکن اس حدیث میں کلام ہے وہ یہ کہ اس حدیث کی کوئی اصلیت نہیں ہے اس کو سعید نے حضرت ابن عباس رضؓ کی سند سے نقل کیا ہے۔ بالفرض یہ صحیح بھی ہے تو یہ حضرت ابن عباس رضؓ کا قول ہے[2]۔

آپ نماز میں روتے بھی تھے اور کھنکار بھی دیتے تھے[3] حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلعم سے ایک خاص وقت میں ملاقات کیا کرتا تھا جب میں آتا تو آپ نماز پڑھتے ہوتے۔ میں آتا اور اجازت طلب کرتا تو آپ کھانس دیتے تھے۔ اس روایت کو نسائی نے ذکر کیا ہے لیکن امام احمد کی روایت کے یہ الفاظ ہیں:۔

کان لی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدخلان باللیل و النہار وکنت اذا دخلت علیہ و ھو یصلی تنحنح	حضور صلعم کے پاس میرے جانے کے دن اور رات میں دو وقت تھے۔ جب میں آتا تو آپ نماز پڑھتے ہوتے اور کھانس دیتے تھے (تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔

امام احمد نے اس حدیث پر عمل کیا ہے چنانچہ وہ کھانس دیتے تھے۔ ان کے نزدیک کھانسنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

آپ ننگے پیر بھی نماز پڑھتے تھے اور جوتا پہن کر بھی[4] حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ فرماتے ہیں کہ:۔

---

[1] نماز کی حالت میں پھونک مارنا مکروہ ہے صورت اس کی یہ ہے کہ سجدہ کی جگہ کو صاف کرنے کے لئے پھونک مار کر صاف کرنا۔ اگر ضرورت ہو تو ایک دو مرتبہ ہاتھ سے صاف کرنے کی اجازت ہے حضور صلعم نے سجدہ میں پھونک مارنے کو منع فرمایا ہے آپ نے ایک غلام کو بھی ہدایت فرمائی تھی یا افلح ترب وجھک یعنی اے افلح اپنے چہرے کو خاک آلودہ کر (ترمذی) اس جگہ اگر آپ نے کیا ہے تو بیان جواز کے لئے اور اس کے متعلق گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے۔

[2] اگر حضرت ابن عباس رضؓ کا قول ہے تب بھی جواب ہو گا جو اوپر گذر چکا ہے مگر ابن عباس رضؓ نے تو نقل حکایت کی ہے اور نقل حکایت کو علامہ نہایت شدومد کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ [3] دوزخ اور خدا کے خوف سے رونا محبوب ہے ضرورۃً کھانسنے کی اجازت ہے تاکہ آنے والے یا ملاقاتی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس وقت نماز میں ہیں۔

جوتا پہن کر نماز پڑھنا

[4] اس جگہ قدرے تمہید کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اسوقت جوتے آجکل کی طرح نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ خفین اور جوتوں میں اسقدر فرق ہوتا تھا کہ خفین پورے پنجے کو ٹخنوں تک ڈھک لیتے تھے اور جوتے میں صرف تلے کی جگہ چمڑا ہوتا جسکو انگلیوں میں اٹکانے کیلئے اوپر کی جانب تسمہ وغیرہ لگا لیتے تھے مطلب یہ کہ جس طرح خفین پہنے ہوئے پیر کی انگلیاں زمین پر متمکن رہتی ہیں اسی طرح جوتے میں بھی زمین سے لگی ہوتی تھیں آجکل کے جوتوں کی طرح (باقی آئندہ)

وامرنا بالصلوٰۃ بالنعل مخالفۃ للیھود — حضور صلعم نے یہودیوں کی مخالفت میں ہمیں جوتے کیساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

آپ نے ایک کپڑے میں بھی نماز پڑھی ہے اور دو کپڑوں میں بھی اور یہی اکثر ہوتا تھا۔[۱]

گزشتہ سے پیوستہ نہیں کہ جن کا سول ہی کافی بڑا ہوتا جسکی وجہ سے انگلیاں زمین سے جدا رہتی ہیں اور سجدہ کیحالت میں فرض ہے کہ انگلیاں زمین سے متصل رہیں اگر قدم کو زمین سے اٹھالیا اور زمین سے اس کا تعلق باقی نہ رہا تو نماز نہ ہوگی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس وقت مسجد نبوی کا فرش آجکل کی مساجد کی طرح نہیں تھا بلکہ زمین تھی جس پر باریک کنکریاں بچھی ہوئی تھیں۔ تیسرے یہ کہ ان کے جوتے اور خفین نجاست میں ملوث نہیں رہتے تھے آجکل تو جوتوں کا نجاست سے محفوظ رہنا ناممکن ہے۔ ان وجوہات کو سامنے رکھنے کے بعد اب حدیث پر غور کر لیا جائے طبرانی کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔

صلوا فی نعالکم ولا تشبھوا بالیھود (جمع الفوائد) — جوتوں میں نماز پڑھو اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہود عبادت کے وقت جوتا پہننے کو خلاف ادب سمجھتے تھے اور اسلام میں احسن ثیاب اور اچھی ہیئت میں نماز کو ادا کرنا مستحسن قرار دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ انسانی لباس میں جوتے کو بھی اہمیت حاصل ہے۔ اس تمام پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ شامی نے تتارخانیہ کے فتوے

صلوٰۃ فی النعل والخف الطاھرین افضلُ مخالفۃ للیھود۔ ردالمحتار — جوتے اور خف اگر پاک ہوں تو یہودیوں کی مخالفت کے لئے ان میں نماز افضل ہے۔

لیکن بقول علامہ شبیر احمد عثمانی رح کہ اس وقت عام طور پر جوتا پہن کر مساجد میں داخل ہو جانا سوئے ادب نہیں سمجھا جاتا تھا مگر آج یہ سوء ادب ہے اگر اس کی اجازت بھی دیدی جائے تو مساجد میں خوب فسادات ہونگے کیونکہ یہ ہمارے عرف کے خلاف ہے لیکن اس سے بھی زیادہ عمدہ بات شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے فرمائی ہے وہ یہ کہ حضور صلعم نے یہودیوں کی مخالفت کی وجہ سے اجازت فرمائی تھی اور آجکل نصاریٰ جوتا پہن کر عبادت کرتے ہیں اسلئے ہمیں انکی مخالفت میں ننگے پیر نماز پڑھنا چاہیئے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (بذل المجہود باب الصلوٰۃ متنعلاً و فتح الملہم ج ۲)

[۱] نماز میں ستر عورت تک جسم ڈھانپنا شرط ہے اور بقیہ جسم کا ڈھانپنا مسنون ہے اسکی قید نہیں ہے کہ ایک طویل و عریض کپڑے سے جسم ڈھانپ لیا جائے یا دو سے۔ دو کپڑوں کی صورت میں ایک تہبند ہوتا تھا اور ایک چادر۔

تیرہواں باب

قنوت اور اسکا وقت

قنوت فجر کا بیان

آپ نے صبح کی نماز میں بعد رکوع کے ایک مہینہ تک دعا قنوت پڑھی اور اس کے بعد ترک کردی بلا شک آپ نے ہمیشہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھی یہ بات محالات میں سے ہے کہ آپ تعدیل ارکان بھی کرتے ہوں اور دعائے قنوت. اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت وتولنی فیمن تولیت الخ بھی پڑھتے ہوں (کیونکہ اس صورت میں تعدیل باقی نہیں رہ سکتی ہے حالانکہ تعدیل ارکان آپ سے کثرت سے منقول ہے اگر ایسا ہمیشہ کیا جاتا تو حضرات صحابہ رضؓ ضرور اس کو نقل کرتے اور تعدیل بعد الرکوع کو بیان نہ کرتے. کیا یہ ہوسکتا ہے کہ حضورؐ جہراً قنوت پڑھیں اور حضرات صحابہ رضؓ آمین آمین کہتے ہوں اور ایسا تا وصال کیا ہو اور (ایسے کثیر عمل) کو امت نے یاد بھی نہ رکھا ہو بلکہ جمہور صحابہ نے اس کو بھلا دیا ہو (جب ہی تو اختلاف منقول ہے ورنہ ایسی مشہور چیز میں اختلاف چہ معنی دارد؟ اختلاف کا وجود ہونا خود اس کی دلیل ہے کہ یہ عمل دائمی نہیں ہوا بلکہ عارضی طور پر ہوا اور اسی کو حضرات صحابہ رضؓ نے نقل کردیا حدیہ کہ حضرات صحابہ میں سے ایسے بھی موجود ہیں جنھوں نے صبح کی نماز میں پابندی کیساتھ دعا قنوت پڑھنے کو بدعت قرار دیا ہے جیسا کہ سعید بن طارق اشجعی کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے والد محترم سے عرض کیا کہ آپ نے حضور صلعم، حضرت ابوبکر صدیق رضؓ، حضرت عمر رضؓ، حضرت عثمان رضؓ، حضرت علی رضؓ کے پیچھے یہاں اور کوفہ میں پانچ سال تک نماز پڑھی کیا وہ صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے؟ تو جواب دیا

ای بنی محدث	اے بیٹے یہ بدعت ہے۔

اس حدیث کو اصحاب سنن اور امام احمد نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ دار قطنی نے بھی سعید بن جبیر رضؓ سے روایت نقل کی ہے انھوں نے فرمایا:۔

اشھد انی سمعت ابن عباس یقول ان القنوت فی الفجر بدعة	میں قسمیہ کہتا ہوں کہ میں نے ابن عباس کو یہ فرماتے سنا ہے کہ فجر کی نماز میں قنوت پڑھنا بدعت ہے

امام بیہقی نے ابی مجلز سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں:۔

صلیت مع ابن عمر صلوٰۃ الصبح فلم یقنت — میں نے ابن عمر کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی انہوں نے دعائے قنوت نہیں پڑھی۔

میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے دعائے قنوت کیوں نہیں پڑھی تو فرمایا میں نے صحابہؓ میں سے کسی کو یہ عمل کرتے نہیں دیکھا بہرحال ایک ظاہر بات ہے کہ اگر حضور صلعم ہر صبح اس کو پڑھا کرتے تو تمام صحابہؓ اس کو ضرور نقل کرتے جیساکہ قرأت جہری اور اس میں تعداد آیات۔ اگر بھول نے ہی کا معاملہ تھا تو پھر اسکو بھی بھول گئے ہوتے (لہٰذا اس سے صاف ظاہر ہے کہ جب ایک چیز کو نقل کرتے ہیں اور دوسری کو نہیں تو وہ بدعت ہے یا کسی امر عارضی کی وجہ سے وقتی طور پر عمل میں آئی اور ختم ہوگئی) اسی دلیل سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ آپ نے دائماً جہراً بسم اللہ کو کبھی نہیں پڑھا[۱]۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو جہراً تسمیہ پڑھنا بھی اسی کثرت کیساتھ منقول ہوا ہوتا جس کثرت کے ساتھ تعداد رکعات، تعداد سجدہ، تسبیحات، جہر اخفا، مواضع ارکان، ترتیب ارکان منقول ہے لیکن انصاف کی بات جس کو منصف عالم پسند کریں گے یہی ہے کہ آپ نے جہر بھی کیا اور سر بھی اسی طرح دعائے قنوت پڑھی ضرور مگر اس کو ترک کر دیا۔ آپ کا سراً تسمیہ پڑھنا جہراً سے زیادہ ہے[۲]۔ اسی طرح ترک قنوت، فعل قنوت سے زیادہ ہے۔

دعائے قنوت پڑھنے کی وجہ

آپ نے مصائب اور دشواریوں کے وقت مسلمانوں کی نصرت اور کفار و مشرکین کی ہزیمت کے لئے دعائے قنوت پڑھی ہے اور جب آپ کی دعا کی برکت سے مسلمانوں کے اوپر سے مصائب و آلام کے بادل چھٹ گئے اور کفار و مشرکین تائب ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے تو آپ نے دعائے قنوت کو ترک کر دیا۔ بدیں وجہ دعائے قنوت صرف نماز فجر کے ساتھ ہی مخصوص نہ رہی بلکہ مغرب میں بھی آپ نے دعائے قنوت پڑھی ہے چنانچہ امام بخاری نے حضرت انسؓ اور امام مسلم نے حضرت براء بن عازب اور امام احمد نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ

قال قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہراً متتابعاً فی الظہر والعصر والمغرب والعشاء والفجر فی دبر کل صلوٰۃ اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من الرکعۃ الآخیرۃ یدعو علی حی بنی سلیم وعلی رعل — حضور صلعم نے ایک مہینہ تک مسلسل پانچوں وقت ہر نماز کے بعد قنوت پڑھی ہے۔ جب آپ آخری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو آپ اس دعا میں قبائل بنی سلیم و علی ذکوان، عصیہ کے لئے بددعا کرتے۔ آپ کے پیچھے جو ہوتے وہ آمین آمین کہتے جاتے تھے۔

---

[۱] حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔ [۲] اگر آپ نے کبھی جہراً تسمیہ کو پڑھا تو وہ پڑھنا تعلیماً تھا یعنی امت کو بتلانا تھا کہ نماز میں تسمیہ بھی پڑھی جاتی ہے اسکا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ نماز میں جہر تسمیہ پڑھنا مسنون یا ضروری ہے۔

وذکوان عصیۃ و یومن من خلفہ

ابوداؤد نے بیان کیا ہے کہ صرف مصائب کے وقت ہی دعائے قنوت پڑھنے کی آپ کو عادت تھی۔ اسکے خلاف نہیں اور پھر یہ صبح کی نماز کے لئے ہی مخصوص نہیں تھی بلکہ صبح کی نماز میں چونکہ طویل قیام ہوتا ہے اور یہ قبولیت دعا کا بھی وقت ہے اور قیام لیل سے بھی اس کو قرب حاصل ہے علاوہ ازیں یہ نماز قرآن پاک میں الصلوٰۃ المشہودہ کے نام سے بھی یاد کی گئی ہے کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ ہوتی ہے اور دن رات کے فرشتوں کے اجتماع کا بھی وقت ہے اس کے بعد حضرت ابو فدیک کی روایت کا معاملہ باقی ہے جسمیں حضرت ابوہریرہ رضؓ نے بیان فرمایا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع راسہ من الرکوع من صلوٰۃ الصبح فی الرکعۃ الثانیۃ	حضور صلعم جب صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھ اٹھاتے اور اس میں یہ دعا پڑھتے اللھم اہدنی فیمن ہدیت الخ

یرفع یدیہ فیھا فیدعو بھذا الدعا اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت الخ

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو ہمیں اس کی ضرورت سے انکار نہیں ہے لیکن اس حدیث کے ایک راوی (عبداللہ) مجروح ہیں اگرچہ امام احمد نے ان کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جس کی سند یہ ہے عن احمد بن عبداللہ المزنی حدثنا یوسف بن موسیٰ حدثنا احمد بن صالح حدثنا ابن ابی فدیک الخ۔ اس حدیث کو بروایت حضرت ابوہریرہ رضؓ بھی نقل کیا ہے۔ حضرت ابی ہریرہ رضؓ فرماتے ہیں:۔

واللہ لانا اقربکم صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	قسم خدا کی میں نماز کے اعتبار سے تم لوگوں کی بہ نسبت حضور صلعم سے قریب تر ہوں۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضؓ صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ حضور صلعم نے ایسا کیا اور پھر اس کو ترک کر دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ نے اتباع سنت اور حب رسول کے جذبہ میں لوگوں کو یہ بتلانا ضروری سمجھا۔ ہاں یہ بات زیادتی کی ہے جیسا کہ اہل کوفہ نوازل کے وقت بھی قنوت فجر کو مکروہ ہی نہیں بلکہ بدعت اور منسوخ قرار دیدیتے ہیں [۱]

اس معاملہ میں محدثین کا مسلک معتدل ہے اور در اصل ان حضرات کو حدیث کا شعور بھی زیادہ ہوتا ہے [۲]

---

[۱] ابن قیم نے اس جگہ بے پرکا کوا بنایا ہے حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلعم نے صبح کی نماز میں دعائے قنوت کبھی نہیں پڑھی مگر ایک ماہ، نہ اس سے پہلے آپکو پڑھتے دیکھا گیا اور نہ بعد میں الخ (مسند امام اعظم) مشائخ احناف دوام کو بدعت یا مکروہ کہتے ہیں۔ تفصیلی کلام آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں [۲] محدثین کرام تو الفاظ حدیث سے بحث کرتے ہیں نہ کہ مسائل حدیث سے یہ مقام تو فقہا کا ہے اور سراج المحدثین امام اعمش نے تو یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ہم عطار ہیں (باقی آئندہ)

اسی وجہ سے وہ قنوت اور ترک قنوت دونوں کو سنت قرار دیتے ہیں اور اہل کوفہ کی طرح اس کو بدعت یا منسوخ یا مکروہ قرار نہیں دیتے ہیں۔

ہاں یہ اعتدال کی بات ہے کہ موقع و محل کا لحاظ رکھا جائے اور ثنا و دعا میں فرق کیا جائے حضور صلعم نے اس دعائے قنوت میں ثنا اور دعا دونوں چیزیں جمع فرما دی ہیں اس لئے جب کبھی امام جہر کرے (تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے) تو اس میں مضائقہ نہیں چنانچہ حضرت عمرؓ نے بعض دفعہ سبحانک اللھم وبحمدک میں بھی جہر کیا ہے اسی طرح حضرت ابن عباسؓ نے جنازے کی نماز میں سورۂ فاتحہ جہراً پڑھی ہے تاکہ لوگوں کو اس کا مسنون ہونا معلوم ہو جائے[1]۔

بہر حال ان چیزوں میں یہ ایسا اختلاف ہے جس سے روگردانی مناسب نہیں ہے مثلاً رفع یدین، ترک رفع یدین، تشہد کی قسمیں، اذان کے الفاظ، اقامت کے الفاظ، افعال حج میں، افراد، تمتع، قران وغیرہ امور میں اختلاف کی نوعیت اسی قسم کی ہے۔

یہاں ہم نے اس مسئلہ کو محض اس وجہ سے ذکر کر دیا ہے کہ ہماری کتاب کا موضوع ہی یہ ہے کہ تلاش و جستجو کر کے ہم ان تمام چیزوں کو بیان کر دیں جن کو حضور صلعم نے کیا ہے۔ اب رہی یہ چیز کہ وہ فعل اب بھی جائز ہے یا نہیں اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے مقصود صرف بیان سیرت ہے لہٰذا جب ہم نے یہ عرض کر دیا کہ حضور صلعم کی عادت شریفہ فجر میں قنوت پڑھنے کی اور بسم اللہ میں جہر کرنے کی نہیں تھی تو اس گذارش سے مسئلہ کی دوسری شق کا مکروہ ہونا یا بدعت ہونا لازم نہیں آتا۔

حدیث ابی جعفر پر تنقید

ابو جعفر رازی کی حدیث جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

ما زال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقنت فی الفجر حتی فارق الدنیا

حضور صلعم نے تاحیات صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی ہے۔

گذشتہ سے پیوستہ

اور تم لوگ اطبار ہو"، یہ خطاب ان کا امام ابو یوسف سے تھا اگر محدثین کے اس مقام کو دیکھا جائے گا تو عجیب عجیب چیزیں سامنے آئیں گی اس میں کیا حرج ہے اگر یہ کہہ دیا جائے کہ محدثین کرام الفاظ حدیث، سند حدیث کے محافظ ہیں استنباط مسائل فقہا کا کام ہے؟ اگر محدثین معنی حدیث میں بھی باشعور تھے تو ان کا مسلک کہاں چلا گیا صرف فقہائے اربعہ ہی کا مسلک کیوں باقی رہا؟

[1] امام شافعی کا یہی مسلک ہے امام اعظم رضؓ فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ جنازہ کی نماز میں پڑھنا مسنون نہیں ہے کیوں کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء رواہ ابوداود یعنی جب تم صلوٰۃ جنازہ پڑھو تو اس میں خالص میت کیلئے دعا کرو۔ یہی حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ کا مسلک ہے۔

عمدۃ الرعایۃ صفحہ ۲۵۳ ج ۱۔

ابوجعفر کو امام احمد نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن مدینی نے کہا ہے کہ وہ خلط ملط کر دیتے ہیں ابوذرعہ نے کہا ہے ان کو بیان حدیث میں وہم ہو جاتا ہے۔ ابن حبان نے کہا ہے کہ مناکیر بیان کرنے کی ان کو عادت ہے علامہ ابن تیمیہ نے مجھ سے بیان فرمایا کہ اس حدیث اور مندرجہ ذیل حدیث کے اسناد ایک ہی ہیں اخا اخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذريتهم۔ یہ ابی بن کعب کی ایک طویل حدیث میں مذکور ہے۔

كان روح عيسى عليه السلام من تلك الارواح التي اخذ عليها العهد والميثاق في زمن آدم فارسل تلك الروح الى مريم عليها السلام حين انتبذت من اهلها مكاناً شرقياً فارسله الله تعالى في صورة بشر فتمثل لها بشراً سوياً قال فحملت الذي يخاطبها فدخل من فيها وهذا غلط محض فان الذي ارسل

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح بھی ان ارواح میں تھی جن سے حضرت آدمؑ کے زمانے میں عہد لیا گیا اس نے اس روح کو حضرت مریم کی طرف اس وقت بھیجا کہ جب وہ اپنے متعلقین سے علیحدہ ہو کر مکان شرقی میں جا بیٹھی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے اسی روح کو بشر کی صورت میں بھیجا اور وہ روح حضرت مریمؑ کے سامنے ایک تام خلقت انسان کی شکل میں متمثل ہوئی۔ اسی سے وہ حاملہ ہوئیں اور اسی روح نے ان سے خطاب کیا اور یہ روح حضرت مریمؑ کے منہ کے راستے سے داخل ہوئی۔ یہ روایت غلط محض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی طرف فرشتہ کو بھیجا تھا چنانچہ اس فرشتہ نے حاضر ہو کر عرض کیا۔

انما انا رسول ربك لاهب لك غلاماً زكياً

میں تیرے رب کا قاصد ہوں تاکہ تجھے ایک ستھرا لڑکا عطا کروں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے متمثل ہو کر بات چیت نہیں کی تھی۔[1]

بشراً سویاً کی تفسیر [1] ۱۹۶۳ء کے اوائل میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی کتاب "اسلام اور مغربیت" کی بعض عبارات اخبارات میں زیر بحث آئی تھی۔ مہتمم صاحب نے اپنی اس کتاب میں ایک جگہ تحریر فرمایا تھا کہ "تخیل اور وجدان کی حد سے گزر کر یہ ایک ثابت شدہ حقیقت منکشف ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمثالی ابن محمد صلعم ہیں" ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس وقت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اخبارات میں سے مدینہ بجنور، دعوت دہلی، بیباک سہارنپور، ندائے ملت لکھنؤ، صدق جدید وغیرہ نے اس پر کافی لے دے کی تھی۔ راقم الحروف نے بھی اس وقت کچھ لکھا تھا۔

حضرت مہتمم صاحب کو آیۃ مبارکہ کے الفاظ بشراً سویاً کی تعبیر میں مغالطہ ہوا۔ ۔ ۔ مفسرین نے اس لفظ کے معنی تام الخلقت انسان مراد لئے ہیں اور تام الخلقت میں حضور صلعم انسانوں کی اکمل ترین صورت ہیں اسلئے حضرت جبرئیلؑ آئے (باقی آئندہ)

یہ روایت ذکر کرنے سے ابو جعفر کے متعلق یہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ بہت زیادہ منکر روایات بیان کرتے ہیں اسی وجہ سے اہل حدیث ان کی اس روایت کو نہیں قبول کرتے جس میں یہ منفرد ہوتے ہیں۔ اگر ابو جعفر رازی کی مذکورہ روایت صحیح بھی ہو تو اس میں قنوت مقررہ کے لئے ادنیٰ سا بھی اشارہ نہیں ہے اس لئے کہ قنوت کا اطلاق چند چیزوں پر ہوتا ہے مثلاً قیام، سکوت، دوام عبادت، دعا، تسبیح، خضوع حق سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:۔

۱۔ ولہ من فی السمٰوٰت والارض و کل لہ قانتون	اسی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور سب اسی کے تابع ہیں۔

دوسرا ارشاد گرامی ہے:۔

۲۔ أمن ھو قانت اٰناء اللیل ساجداً و قائماً	کیا وہ شخص جو رات کی ساعتوں میں عبادت گذار ہو سجدہ کرنیوالا ہو اور قیام کرنے والا ہو۔

تیسرا ارشاد گرامی ہے:۔

۳۔ صدقت بکلمات ربھا وکتبہ وکانت من القانتین	جسنے اپنے رب کے کلمات کی اور اسکی کتابوں کی تصدیق کی اور اطاعت گذاروں میں سے ہوا۔

حضور صلعم کا ارشاد گرامی ہے:۔

گذشتہ سے پیوستہ

صورت میں ظاہر ہوئے، ہتمم صاحب نے تام اور اتمیت میں فرق نہیں کیا جس سے غرض یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت مریم ؑ کے سامنے انسانی صورت میں آئے ان کو دیکھ کر یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ انسان کے علاوہ کوئی اور مخلوق ہیں لیکن جب قرآن پاک اور احادیث اس سے خاموش ہیں کہ اس وقت حضرت جبرئیل ع کس صورت میں تھے ؟ تو کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ آیت کے ایسے معنی پہناوے جس سے اسلامی عقیدے پر ضرب پڑتی ہو اور انبیاء علیہم السلام کی ذات گرامی مجروح ہوتی ہو۔

بالفرض اگر حضرت جبرئیل علیہ السلام اس وقت شبیہ احمد صلعم میں تھے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلعم کے علاوہ کسی دوسرے کو بھی مثل احمد بنایا ہے حالانکہ حق تعالیٰ شانہ نے مثل احمد پیدا ہی نہیں کیا اسی وجہ سے کسی کو بھی ان کے تمثل کا اختیار نہیں دیا گیا اس کے علاوہ بقول حضرت ہتمم صاحب حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور صلعم کے تمثالی ابن اللہ ہیں تو ان کی والدہ آپ کی تمثالی بیوی ہوئیں اور مذکورہ روایت کے الفاظ میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے تمثالی شوہر بھی ہوئے۔ نعوذ باللہ منہا۔ تاہم مفسرین کو ان نکات کے بیان کرتے وقت ....

.... حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ کے اصول حدیث، ملا علی قاری، کی موضوعات کبیر اور اسی طرح ابن جوزی وغیرہ کی چیزوں کو دیکھ لیا جائے تو کم از کم خیالات میں گرہ بندی نہ ہو سکے گی۔

۴. افضل الصلوٰۃ طول القنوت — افضل ترین نماز طویل قیام والی ہوتی ہے

حضرت زید بن ارقم ارشاد فرماتے ہیں کہ جس وقت یہ آیۃ مبارکہ نازل ہوئی۔

۵. قوموا للّٰہ قانتین — اللہ کے لئے ساکت ہو کر کھڑے ہو جاؤ

ہم کو سکوت کے لئے حکم دیا گیا اور بحالت صلوٰۃ بات چیت سے روک دیا گیا۔ اور حضرت انس رضؓ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ حضور صلعم نے رکوع کے بعد یہ دعائے قنوت "اللھم اہدنی فیمن ہدیت" بلند آواز سے پڑھی ہے اور جبکہ اس جگہ ثنا پڑھنا بھی قنوت میں شامل ہے اور دعائے قنوت پڑھنا بھی قنوت میں شامل ہے اور طویل قیام بھی قنوت میں شمار ہوتا ہے تو یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ حضرت انس رضؓ کی مراد یہی دعائے معین ہے اور دوسرے اقسامِ قنوت مراد نہیں ہیں پھر یہ کہنا بھی دشوار ہے کہ قنوت معین صرف فجر کے لئے مخصوص ہے دوسرے اوقات کے لئے نہیں اور یہ کہنا بھی ممکن نہیں ہے کہ اس میں صرف کافروں کے لئے بددعا کی جاتی تھی اور مکہ میں محصور کمزور مسلمانوں کے لئے دعا نہیں تھی جب ان تمام چیزوں میں سے کوئی چیز معین نہیں ہے تو قطعیت کے ساتھ صرف قنوت معروفہ کی تخصیص بلادلیل ہے اور حضرت انس رضؓ نے تو یہ ارشاد فرمایا ہے۔

انہ کان یقنت شہرا ثم ترکہ — آپ نے ایک مہینہ تک قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے جس دعا کے اوپر آپ نے پابندی نہیں فرمائی ہے وہ قنوتِ معروفہ تھی اس کے علاوہ حضرت ابوبکر رضؓ، حضرت عمر رضؓ، حضرت عثمان رضؓ، حضرت علی رضؓ حضرت براء بن عازب رضؓ، حضرت ابوہریرہ رضؓ، حضرت ابن عباس رضؓ، حضرت ابوموسیٰ رضؓ، حضرت انس رضؓ، وغیرہ حضرات کے قنوت پڑھنے کا معاملہ تو اس کے چند جوابات ہیں۔

پہلا جواب پہلا جواب تو یہ ہے جس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضؓ نے خبر دی کہ "حضور صلعم فجر اور مغرب میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔" اس سے معلوم ہوا کہ قنوت صرف فجر کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ ایسے ہی حضرت براء بن عازب رضؓ نے ذکر کیا ہے جس سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ قنوت فجر کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ قنوت مغرب منسوخ ہے تو اہل کوفہ یہ کہہ دیں گے کہ (دائما) قنوت فجر.... منسوخ ہے کسی دلیل سے یہ ممکن نہیں ہے کہ قنوت مغرب کو تو منسوخ قرار دیا جائے اور قنوت فجر کا حکم علی حالہ رکھا جائے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ قنوت مغرب کی حیثیت تو قنوت نازلہ کی ہے یعنی وہ نوازل اور مصائب کے اوقات ہی میں پڑھی جاتی ہے اور قنوت فجر کی یہ حیثیت نہیں ہے تو اس جواب سے اہل حدیث مطمئن

نہیں ہیں کیونکہ وہ دونوں کو ایک ہی درجہ میں رکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قنوت فجر بھی قنوت نازلہ ہی ہے کیونکہ مثبتین حضرات کے یہاں سب سے زیادہ قوی دلیل حضرت انس رضؓ کی روایت ہے وہ بیان فرماتے ہیں۔

قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہراً یدعو علی حی من احیاء العرب	حضور صلعم نے ایک مہینہ قنوت پڑھی جس میں آپ نے عرب کے قبائل میں سے بعض کے لئے بد دعا کی۔

دوسرا جواب شبابہ نے عن قیس بن الربیع عن عاصم بن سلیمان روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت انس رضؓ سے عرض کیا کہ کچھ حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضور صلعم نے ہمیشہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی ہے تو آپ نے فرمایا:۔

کذبوا انما قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہراً واحداً	وہ جھوٹے ہیں حضور صلعم نے تو صرف ایک مہینہ قنوت پڑھی ہے۔

اس روایت کی سند میں قیس بن ربیع کو اگرچہ یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن دوسرے حضرات نے ان کی توثیق کی ہے پھر وہ ابو جعفر رازی سے کمتر نہیں ہیں لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ابو جعفر رازی تو قابل استناد رہیں اور یہ قابل استناد نہ قرار دیئے جائیں پھر ابو جعفر رازی کی تضعیف کرنے والے بکثرت ہیں اور قیس بن ربیع کی تضعیف صرف یحییٰ بن معین نے کی ہے اور یحییٰ بن معین نے بھی ان کے بارے میں کوئی زیادہ سنگین بات نہیں کہی بلکہ یہ فرمایا ہے:۔

لا یکتب حدیثہ کان یحدث بالحدیث عن عبیدۃ	وہ حدیث نہیں لکھتے تھے اور وہ حدیث کی روایت عبیدہ سے کرتے ہیں۔

اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے راوی کی حدیث کو رد کر دیا جائے۔

تیسرا جواب حضرت انس رضؓ نے فرمایا ہے کہ حضرات صحابہ رضؓ قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے اور حضور صلعم کے قنوت پڑھنے کا معاملہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلعم نے ستر قراء صحابہ رضؓ کو کسی ضرورت سے بھیجا تھا۔ راستہ میں قبیلہ بنی سلیم، رعل، ذکوان نے بیر معونہ کے پاس ان سے مزاحمت کی۔ حضرات صحابہ رضؓ نے ان سے کہا کہ ہم تمہارے قبائل پر حملہ کرنے نہیں آئے ہیں بلکہ ہم تو حضور صلعم کے ایک کام سے جا رہے ہیں۔ مگر ان کا عذر نہ سنا گیا اور ان کو شہید کر دیا گیا جب اس حال کی اطلاع حضور صلعم کو ہوئی تو آپ نے ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں ان کفار کے لئے بد دعا کی۔ قنوت نازلہ کی یہ ابتداء ہے۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضور صلعم کی عادت شریفہ ہمیشہ دعائے قنوت پڑھنے کی نہیں تھی اور حضرت انس رضؓ کے قول سے ابتداء دعائے قنوت اور پھر اس کو ایک مہینہ کے بعد ترک کر دینا سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ یہ قنوت نازلہ تھی اور اس کا درجہ ویسا ہی ہے جیسا کہ قنوت عشا کا درجہ ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضؓ راوی ہیں۔

قنت فی صلوٰۃ العتمۃ شھرا یقول فی قنوتہ اللھم انج الولید بن الولید الخ	حضور صلعم نے ایک مہینہ تک عشا میں قنوت پڑھی جس میں آپ نے یہ دعا پڑھی الخ

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایسا ہوا کہ آپ نے اس کو نہیں پڑھا میں نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا جن کے لئے دعا کی تھی وہ آگئے ہیں۔

غرضکہ قنوت فجر کا بھی یہی حال ہے وہ ایک ضرورت کی وجہ سے پڑھی گئی اسی کے متعلق حضرت انس رضؓ نے ایک مہینہ کا وقت بیان فرمایا ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی ایک مہینہ کی مدت معلوم ہو رہی ہے اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں، اس سے پیشتر حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلعم نے ایک مہینہ تک پانچوں وقت دعائے قنوت پڑھی۔ جس کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے جسکو ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

طبرانی نے اپنی معجم میں محمد بن انس کی روایت اس طرح ذکر کی ہے، حدثنا مطرف بن طریف عن الجہم عن البراء بن عازب۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یصلی صلوٰۃ مکتوبۃ الا قنت فیھا	حضور صلعم جو بھی فرض نماز پڑھتے اس میں قنوت ضرور پڑھتے تھے۔

طبرانی نے کہا ہے اس روایت کو محمد بن انس کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں اگرچہ اس حدیث کی سند کمزور ہے مگر حدیث صحیح ہے اس لئے کہ قنوت، سے مراد دعائے قنوت ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے پانچوں وقت میں دعا قنوت پڑھی ہے۔ اس طرح ہمیں اس حدیث کی صحت میں شک نہیں ہے۔

چوتھا جواب حضرت انس رضؓ کی حدیث مختلف طریق سے اپنی مراد کو ظاہر کرتی ہے اور ان میں آپس میں کوئی تضاد اور تناقض نہیں ہے چنانچہ عاصم احول نے جب حضرت انس رضؓ سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ وہ قبل رکوع پڑھی جاتی تھی یا بعد رکوع؟ تو فرمایا قبل رکوع۔ اس پر انھوں نے پھر کہا کہ مجھے تو یہ بتلایا گیا ہے کہ آپ نے بعد رکوع پڑھی ہے تو حضرت انس رضؓ نے جواب دیا یہ غلط ہے میں نے تو یہ کہا تھا

قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کہ حضور صلعم نے ایک مہینہ تک بعد رکوع

بعد الرکوع شہرًا　　　　　　　　　　　قنوت پڑھی۔

محدثین کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس روایت میں عاصم احول منفرد ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے رواۃ نے جو حضرت انس رضہ کی روایت بیان کی ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ محدثین نے یہ بھی کہا ہے عاصم احول معتبر ہیں صرف اتنا ہے کہ قنوت کی دو جگہوں میں انھوں نے دیگر رواۃ سے اختلاف کیا ہے اور یہ تو ہو ہی جاتا ہے کہ کبھی حافظ حدیث کو بھی دھوکہ لگ جاتا ہے اور معتبر و ثقہ آدمی سے بھی چوک ہو جاتی ہے۔

عاصم کی حدیث پر تنقید

محدثین نے عاصم احول کی روایت کی ایک علت امام احمد سے بھی منقول کی ہے امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ کسی نے حضرت انس رضہ کی حدیث میں سوائے عاصم کے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضور صلعم نے قبل رکوع قنوت پڑھی یا بعد رکوع؟ تو امام احمد نے فرمایا کہ بجز عاصم کے مجھے کوئی ایسا راوی معلوم نہیں جس نے یہ بیان کیا ہے۔ عاصم نے تمام رواۃ کے خلاف بیان کیا ہے، چنانچہ ہشام نے بواسطہ قتادہ اور الیتمی نے بواسطہ ابی مجلز حضرت انس رضہ سے روایت کیا ہے کہ

قنت بعد الرکوع　　　　　　　　　　　حضور صلعم نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی

اور ایوب نے بواسطہ محمد ذکر کیا ہے کہ میں نے اور حنظلۃ السدوسی نے حضرت انس رضہ سے سوال کیا تو انھوں نے مجھے چار وجہ بتلائیں۔ لیکن امام عاصم نے صرف وہی بیان فرمایا جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ جب یہ کہا گیا کہ پھر عاصم سے کس نے ایسا روایت کیا تو جواب ملا ابو معاویہ وغیرہ نے ذکر کر دیا ہوگا۔ جب ابو عبداللہ سے اس کی تصدیق چاہی تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت انس رضہ کی روایت میں "بعد الرکوع" کا لفظ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضہ کی روایت میں "قبل الرکوع" کا لفظ ہے۔ ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ بعد الرکوع تو قنوت فجر کے لئے ہے اور قبل الرکوع وتر کے لئے ہے اس طرح اصحاب نبی صلعم کے فعل کا تضاد ختم ہو جاتا ہے۔

یہ بھی تعجب کی بات ہے کہ اس حدیث (جس کی صحت پر اتفاق ہے اور جس کے رواۃ بھی ثقہ اور حافظ ہیں) میں علت تلاش کی جائے اور حدیث ابو جعفر رازی قیس بن الربیع عمرو بن ایوب، عمرو بن عبید، دینار، جابر الجعفی کو قابل استناد قرار دیا جائے، جبکہ ان راویوں کے مسلک کا بھی پتہ نہیں اور سند میں بھی اضطراب موجود ہے۔

ابن قیم کا فیصلہ

بتوفیق حق سبحانہ تعالیٰ میں (ابن قیم) کہتا ہوں کہ حضرت انس رضہ کی تمام حدیثیں صحیح ہیں جن میں بالکل تناقض نہیں ہے۔ رہا دعائے قنوت کا مسئلہ تو جن روایات

میں قبل رکوع مذکور ہے وہ اور قنوت ہے اور جن میں بعد رکوع مذکور ہے وہ اور ہے۔

چنانچہ جنھوں نے قبل الرکوع بیان کیا ہے تو اس سے قرأۃ کے لئے طویل قیام کرنا مراد لیا ہے اسی کے متعلق حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے افضل الصلوٰۃ طول القنوت یعنی افضل ترین نماز طویل قیام والی ہوتی ہے اور جنھوں نے "بعد رکوع" ذکر کیا ہے اس سے دعا کے لئے طویل قیام کرنا مراد ہے جیسا کہ حضور صلعم نے ایک مہینہ تک کیا اور اسی پر آپ نے اصرار فرمایا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا اس کی تفصیل بخاری و مسلم کی روایت میں اس طرح موجود ہے:۔

حضرت انس رضی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو حضور صلعم جیسی نماز پڑھاتا ہوں (راوی کا بیان ہے کہ حضرت انس رضی نے جیسی کیفیت بیان فرمائی ہے وہ ایسی ہی نماز پڑھا کرتے تھے) مگر افسوس کہ تم لوگوں کو ویسی نماز پڑھتے نہیں دیکھتا ہوں۔ حضور صلعم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے اور اتنی دیر کھڑے رہتے کہ یہ سوچنا پڑتا تھا کہ آپ کہیں بھول تو نہیں گئے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے تو اتنی دیر ٹھہرے رہتے کہ پھر یہی خیال ہونے لگتا تھا۔

یہی وہ قنوت ہے کہ جس پر آپ نے مداومت فرمائی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقفہ میں آپ خاموش نہیں رہتے تھے بلکہ خدا کی حمد و ثنا کرتے رہتے تھے یہی طویل قیام برائے دعا و ثنا ہے۔ اب رہا قنوت کا معاملہ تو وہ آپ نے صرف ایک مہینہ تک پڑھی اور وہ بھی ایک خاص مقصد سے یعنی کافروں کے لئے بد دعا کرنے کے لئے اور مکہ میں مقید کمزور مسلمانوں کے لئے دعا کرنے کے واسطے پڑھی تھی۔

اب رہا قنوت کا فجر کے لئے مخصوص ہونا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ سائل نے قنوت فجر کے متعلق سوال کیا تو مجیب نے ویسا ہی جواب دیدیا (اور یہ حقیقت ہے کہ آپ نے فجر میں قنوت پڑھی اس سے انکار کس طرح ہو سکتا ہے) اس کے علاوہ حضور صلعم صبح کی نماز میں ساٹھ آیتوں سے لیکر سو آیات تلاوت فرماتے تھے یعنی یہ نماز دیگر نمازوں کے مقابلہ میں زیادہ طویل ہوتی تھی۔ حضرت براء بن عازب رضی بیان فرماتے ہیں:۔

رکوعہ وسجودہ واعتدالہ وقیامہ متقاربا — آپ کا رکوع سجدہ اعتدال قریب قریب ہوتا تھا۔

آپ فجر کی نماز میں رکوع کے بعد اتنی تطویل فرماتے تھے کہ دیگر نمازوں میں اسقدر نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس وقت آپ اپنے رب سے دعا کرتے تھے یا اس کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے۔ اگر اس کا نام قنوت ہے تو ہم اس میں شک نہیں کرتے اور اس کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ آپ نے ایسا پابندی کے ساتھ کیا لیکن جہاں تک قنوت

معروف (اللہم اہدنی فیمن ہدیت) کا معاملہ ہے کہ آپ اور آپ کے صحابہ نے اس کو پابندی سے پڑھا ہے تو اس میں ہمیں اختلاف ہے اور اس کے متعلق ہم وہی بات کہیں گے جو کہہ چکے ہیں زیادہ سے زیادہ اس پر ہم سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک حدیث مسند اور سنن میں موجود ہے جس میں حضرت حسن رضؓ سے منقول ہے کہ

علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ	حضور صلعم نے مجھے چند کلمات سکھائے جن
وسلم کلمات اقولھن فی قنوت	کو میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں وہ یہ
الوتر اللھم اھدنی فیمن ھدیت الخ	اللہم اہدنی فیمن ہدیت الخ

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث احسن ہے. اگرچہ امام بیہقی کی روایت میں تھوڑا اضافہ اور ہے وہ یہ کہ ولا یذل من والیت ولا یعز من عادیت تاہم اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت انس رضؓ کی مراد بھی قنوت بعد الرکوع سے یہی دعا ہے اور اس سے ثنا باری مراد ہے اس طرح تمام احادیث میں موافقت ہو جائے گی[له] واللہ اعلم

خلاصہ بحث اور ہمارا فیصلہ

له شروع سے لیکر آخر تک علامہ صاف صاف بات کرتے چلے آئے ہیں لیکن آخر میں آکر نہ معلوم انکو کیا ہو گیا کہ الجھ گئے. اگر علامہ کے شروع کے بیان اور زورِ قلم کو دیکھا جائے اور آخر کے ان چند جملوں کو دیکھا جائے تو ان حضرات کی تنقید پر یقین ہو جاتا ہے جنھوں نے انکے متعلق فرمایا ہے "ان کا علم انکی عقل سے زیادہ ہے" کتنی بڑی حیرت کی بات ہے کہ اتنا بڑا انسان ایک ہی مسئلہ میں گھبرا گھبرا کر بات کر رہا ہے عیاں راچہ بیاں.

خیر علامہ نے جو کچھ بیان کیا اس کا خلاصہ اور حنفی مکتب فکر اس جگہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ علامہ کا پیدا کردہ الجھاؤ تو کسی طرح دور ہو.

اس مسئلہ میں امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ قنوت فی الفجر دائماً مسنون ہے اور امام احمد اور امام اعظم کا مسلک یہ ہے کہ یہ ایک وقتی چیز تھی ہاں اب بھی اگر کبھی ایسا موقعہ پیش آجائے تو نوازل اور مصائب کے وقت قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے محاربہ کے وقت پڑھی اسی طرح حضرت عمر رضؓ نے بھی پڑھی اور حضرت علی رضؓ نے حضرت امیر معاویہ کے خلاف اور حضرت امیر معاویہ نے حضرت علی رضؓ کے خلاف اسکو پڑھا. بہرحال قنوت نازلہ ایک وقتی دعا ہے دائمی نہیں.

امام مالک، امام شافعی صاحب کے نزدیک دلیل حضرت انس رضؓ کی روایت بروایت ابی جعفر رازی ہے بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت ہے جسکی سند میں عبداللہ بن سعید المعتبری ہیں. ابوجعفر رازی کی حدیث پر کافی تنقید ہو چکی ہے.

امام صاحب کی دلیل حضرت ابن مسعود رضؓ کی وہ روایت ہے جسکو اسی باب کے گذشتہ حاشیہ میں درج کیا جا چکا ہے اس حدیث کو ابن ابی شیبہ، بزار، طبرانی نے بھی ذکر کیا ہے پھر حضرت ابن مسعود رضؓ کی شخصیت ایسی عظیم القدر ہے کہ انکے پلے کے بہت ہی کم ہونگے. دوسری روایت ابن عمر رضؓ کی ہے جسکو امام بیہقی نے ذکر کیا ہے.

"راوی کہتے ہیں کہ میں نے فجر کی نماز ابن عمر رضؓ کے پیچھے پڑھی انھوں نے دعائے قنوت نہیں پڑھی میں نے کہا کہ آپ... دعائے قنوت نہیں پڑھتے. فرمایا مجھے کسی صحابی کا ایسا عمل یاد نہیں."

ابن ابی شیبہ، سعید بن جبیر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضؓ صبح کی نماز میں دعائے قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے شعبی نے کہا ہے عبداللہ بن عمر رضؓ قنوت نہیں پڑھتے تھے اگر حضرت عمر رضؓ پڑھتے تو یہ بھی پڑھتے.

(باقی آگے)

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ محمد بن حسن، اسود بن یزید سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ دو سال تک سفر حضر میں رہا وہ دعائے قنوت نہیں پڑھتے تھے۔ ابی مالک سعد بن طارق اشجعی کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلعم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کے پیچھے نماز پڑھی ان میں سے کسی نے بھی فجر میں قنوت نہیں پڑھی۔

ابو جعفر رازی کے متعلق اوپر ہی گزر چکا ہے زیادہ سے زیادہ بخاری شریف کی روایت ہے جس میں عبداللہ بن سعید مقبری ہیں۔ اسکے بارے میں اسقدر عرض ہے کہ مقبری بہت سے حضرات کے یہاں مستند نہیں ہیں اسکے علاوہ اس حدیث کے معارض بھی موجود ہیں، اب اگر یہ کہا جائے کہ ابن مسعودؓ کی روایت مسند امام اعظم میں ہے ہم اس کو معتبر نہیں مانتے تو اس کے متعلق بھی عرض ہے۔ (کشف الستر، بذل المجہود سے ملخص)

مسند امام اعظمؓ کا مرتبہ محدث محمد بن جعفر کتانی مالکی اپنی کتاب الرسالہ المستطرفہ میں فرماتے ہیں:۔
"صحاح ستہ، مسند ابی حنیفہ، موطا امام مالک، مسند شافعی، مسند احمد یہ ائمہ اربعہ کی کتابیں ہیں ان میں بھی پہلے کی چھ کتابیں ملانے سے دس کتابیں پوری ہو جاتی ہیں جو اسلام کی بنیادی کتابیں ہیں۔" صہ ۱۷ طبع بیروت

امام شعرانی میزان الکبریٰ میں بیان فرماتے ہیں:۔
"وہ تمام رواۃ جو امام ابو حنیفہ اور حضور صلعم کے درمیان ہیں سب کے سب عادل ثقہ اور برگزیدہ ہیں (پھر فرماتے ہیں) امام اعظم کی تینوں مسندوں کی تمام حدیثیں صحیح ہیں الخ" صہ ۶۲ ج ۱

اس مختصر کوشش کے بعد یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ قنوت فی الفجر کوئی دائمی چیز نہیں ہے بلکہ حالات، ضرورت، وقت سے اس کا تعلق ہے آج بھی اگر خدانخواستہ ضرورت پیش آئے تو اس کی مشروعیت بدستور موجود ہے۔ رہی ابن قیم کی آخری رائے (دعا، ثنا کہہ کر اعتدال فی الرکوع میں اسکو شامل کر دینا) وہ خود پہلی رائے کے خلاف ہے۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖

چودھواں باب

سجدہ سہو کا بیان

سجدہ سہو کا ثبوت

حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے:-

انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی

میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں جس طرح تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں لہذا جب مجھے بھول لگ جائے تو یاد دلا دیا کرو۔

حضور صلعم سے نماز میں سہو ہو جانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت تھی اور دین کو مکمل کرنا تھا تاکہ جب امت کو نماز میں سہو ہو جائے تو وہ آپ کے اسوۂ حسنہ کی اقتدا کر لے۔ چنانچہ حضور صلعم کے سہو کے اوپر امت کے سہو کے احکامات متفرع ہیں اور یہ قیامت تک کے لئے امت کے واسطے ایک دستور ہدایت ہے۔

ایک دفعہ حضور صلعم چار رکعت والی نماز میں دو رکعت کے بعد بلا قعدہ کئے ہوئے کھڑے ہو گئے جب نماز پوری ہو گئی تو آپ نے دو سجدے کئے اور یہ دونوں سجدے سلام سے پہلے کئے اور اس کے بعد سلام پھیر دیا۔ اس سے فقہا نے یہ قاعدہ بنا لیا ہے۔

سجدہ سہو کا وقت

ان من ترک شیئاً من اجزاء الصلوٰۃ التی لیست بارکان سہوا سجد لہ قبل السلام

جب کسی نے نماز کا کوئی ایسا جزو جو رکن نہیں ہے سہواً چھوڑ دیا اس کو سلام سے پہلے سجدہ کرنا چاہیئے۔

اسی سے بعض نے یہ بھی مستنبط کیا ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب نماز کی کوئی چیز ترک کر دی ہو اور نماز کے کسی دوسرے جزو کو شروع کر دیا ہو اور یاد آنے پر متروک کی طرف رجوع نہ کیا ہو تو اس لئے حضور صلعم

سجدہ سہو

[1] حنفیہ کے نزدیک زیادتی یا نقصان کی صورت میں سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے زیادتی سے مراد جنس صلوٰۃ کی قبیل سے زیادتی ہے مثلاً ایک رکوع کی بجائے دو رکوع کر لئے اور نقصان سے مراد غیر فرض ہے یعنی اگر واجبات میں سے کوئی چیز ترک کر دی تو سجدہ سہو واجب ہوگا ان دونوں سے نتیجۃً تاخیر واجب اور تاخیر فرض بھی نکل آتی ہے۔ زیر نظر مسئلہ میں علامہ نے فرمایا ہے کہ یاد آنے پر متروک کی طرف رجوع نہ کیا ہو۔ اس سے (باقی آئندہ)

کے ساتھ ایسے ہی پیش آیا تھا بخاری و مسلم میں حضرت بحینہ کی حدیث ہے۔

انہ صلی اللہ علیہ وسلم قام من اثنتین من الظھر ولم یجلس بینھما فلما قضی صلوتہ سجد سجدتین ثم سلم بعد ذلک	حضور صلعم ظہر کی نماز میں بغیر بیٹھے ہوئے دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہو گئے جب نماز پوری کر چکے تو آپ نے دو سجدے کئے اور اس کے بعد سلام پھیرا

دوسری روایت میں اتنا اضافہ اور ہے۔

یکبر فی کل سجدۃ وھو جالس قبل ان یسلم	آپ نے بیٹھ کر ہر سجدہ کو تکبیر کہہ کر سلام سے پہلے ادا کیا۔

اس کے علاوہ امام احمد کی مسند میں حضرت ابن علاقہ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ ہمیں حضرت مغیرہ بن شعبہ نے نماز پڑھائی.... جب وہ دو رکعت پڑھ چکے تو قعدہ میں نہیں بیٹھے بلکہ سیدھے کھڑے ہو گئے لوگوں نے سبحان اللہ کہہ کر ان کو بٹھلانا چاہا مگر وہ نہیں بیٹھے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو سلام پھیرا اور دو سجدے کئے۔

ثم سلم وقال ھکذا صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	پھر سلام پھیرا اور فرمایا حضور صلعم نے ایسا ہی کیا تھا[1]

امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام بیہقی نے عبدالرحمٰن بن شماسہ مہری کی حدیث اس طرح ذکر کی ہے کہ "ایک مرتبہ عقبہ بن عامر جہنی نے ہمیں نماز پڑھائی اور درمیان کا جلسہ کئے بغیر کھڑے ہو گئے تو لوگوں نے سبحان اللہ کہا مگر وہ نہیں بیٹھے جب نماز ختم کے قریب ہوئی تو

سجد سجدتین وھو جالس فلما سلم قال انی سمعتکم انفا تقولون سبحان اللہ لکیما اجلس لکن السنۃ التی صنعت[2]	انھوں نے بیٹھ کر ہی دو سجدے کئے اور سلام کے بعد فرمایا تم لوگوں نے بٹھلانے کیلئے سبحان اللہ کہا لیکن سنت یہی ہے جو میں نے کیا ہے۔

حدیث بحینہ پر تبصرہ حضرت بحینہ کی حدیث تین وجہ سے زیادہ عمدہ ہے اول یہ کہ حدیث مغیرہ سے یہ حدیث زیادہ صحیح ہے دوم اس سے زیادہ صریح ہے کیونکہ

گذشتہ سے پیوستہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر متروک کی طرف رجوع کر لیا تو نماز نہ ہوگی علامہ کا یہ قول درست نہیں ہے نماز ہو جائے گی البتہ اسکو خلاف سنت ضرور کہا جائے گا۔

[1] حضرت مغیرہ کی یہ حدیث سادات حنفیہ کا مستدل ہے [2] امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت مغیرہ نے فعل رسول کو نقل کیا ہے ممکن ہے اس میں حضور صلعم نے دو مرتبہ سجدہ کیا ہو ایک سلام سے پہلے اور دوسرا سلام کے بعد۔ ہاں حدیث بجینہ اور حدیث مغیرہ میں مشاہدہ میں اشتراک ہے یعنی دونوں نے اپنا مشاہدہ ہی نقل کیا ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے حضرت مغیرہ ایک سلام کو بھول گئے ہوں[1]۔

حضور صلعم کے سہو کا بیان

حضور صلعم نے ایک مرتبہ عشا یا ظہر یا عصر کسی ایک نماز میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا اس کے بعد

ثم تکلم، ثم اتمها ثم سلم ثم سجد سجدتین بعد السلام[2]

آپ نے کچھ بات چیت کی اسکے بعد (یاد دلانے پر) نماز کو پورا کیا پھر ایک طرف کو سلام پھیرا اور پھر دو سجدے سلام کے بعد کیے۔

امام ابوداؤد و ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلعم نے ایک دن صحابہ کو نماز پڑھائی۔

فسجد سجدتین ثم تشهد ثم سلم

آپ نے دو سجدے کیے پھر تشہد کیا پھر سلام پھیرا۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن، غریب ہے۔ ایسے ہی ایک دن آپ نے نماز پڑھی اور درمیان میں سلام پھیر کر آپ چلے گئے تھے حالانکہ نماز کی ایک رکعت باقی رہ گئی تھی چنانچہ طلحۃ بن عبید اللہ نے عرض کیا حضور ! آپ کو بھول ہو گئی ہے چنانچہ آپ فوراً ہی مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت بلال رضہ کو

حدیث مغیرہ پر تبصرہ

[1] ملاحظہ فرمائیں حضرت مغیرہ بن شعبہ کی صحت کے بعد علامہ نے انہیں کیسے کیسے کیڑے نکالے ہیں وہ یہ بھول گئے کہ احتمال تو حضرت بجینہ کی حدیث میں بھی نکالا جا سکتا ہے دوسرے حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت مغیرہ بن شعبہ دونوں حضور صلعم کے خادم خاص ہیں اور حضور صلعم کے فعل کی حکایت کر رہے ہیں اور وہ نقل حکایت کو علامہ پہلے ہی قوی کہہ چکے ہیں اب میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت بجینہ کی حدیث کے بارے میں جو دعویٰ کیا وہ غلط ہے کیونکہ "قبل سلام" کا اضافہ یہ امام زہری کا مقولہ ہے امام ابوداؤد کی یہی رائے ہے اس کے علاوہ حدیث مغیرہ بن شعبہ کے متابع اس کثرت سے ہیں کہ اتنی کثرت سے حدیث بجینہ کے متابع موجود نہیں ہیں اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب فعل رسول اور قول رسول میں تعارض ہو تو قول کو ترجیح دی جاتی ہے چنانچہ ارشاد گرامی ہے لکل سهو سجدتان بعد السلام یعنی ہر سہو کے لئے بعد سلام کے دو سجدے ہیں۔ اس روایت کو ابن ماجہ اور ابو داؤد نے لیا ہے اس حدیث کے ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہیں ان کے بارے میں بیہقی نے کہا ہے کہ یہ قوی نہیں ہیں لیکن امام تنقید جناب یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور فرمایا ہے کہ شام میں امام اوزاعی سعید بن عبد العزیز کے بعد اسماعیل بن عیاش سے زیادہ کوئی حافظ حدیث نہیں تھا (فتح القدیر ص۲۱۳ ج ۱)۔ اس کے علاوہ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ جن احادیث میں "قبل تسلیم" کا لفظ ہے اس سے مراد سلام برائے اخراج صلوٰۃ مراد ہے اور جن میں "بعد سلام" کا لفظ ہے اس میں سجدہ سہو کیلئے سلام مراد ہے اس طرح دونوں قسم کی روایات میں مطابقت ہو جاتی ہے اور علامہ تو مطابقت حدیث کے بہت عاشق ہیں مگر یہاں چونکہ ان کے مسلک کے خلاف ہوتا تھا اس لئے یہاں مطابقت حدیث کو نظر انداز کر دیا۔
(بذل المجہود ص۱۲۵ ج ۲)

[2] یہ حدیث امام ابو حنیفہ کے مسلک کے مطابق ہے۔

حکم دیا انھوں نے اقامت کہی پھر آپ نے لوگوں کو دوبارہ نماز پڑھائی۔ اس حدیث کو امام احمد نے ذکر کیا ہے۔
ایسے ہی ایک دن آپ نے لوگوں کو ظہر کی نماز میں پانچ رکعتیں پڑھادیں جب آپ سے کہا گیا۔

زید فی الصلوٰۃ قال وماذاك قالوا صلیت خمسًا فسجد سجدتین بعد ما سلم[2]

آپ نے نماز زیادہ پڑھائی تو آپ نے فرمایا کیسے؟ عرض کیا گیا آپ نے پانچ رکعت پڑھی ہیں۔ چنانچہ آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کیے۔

ایسے ہی ایک دن آپ نے عصر کی نماز میں تین رکعتیں پڑھائیں اور حجرہ شریفہ میں تشریف لے گئے جب لوگوں نے یاد دلایا تو آپ تشریف لائے اور لوگوں کو بقیہ ایک رکعت اور پڑھادی۔

ثم سلم ثم سجد سجدتین ثم سلم[3]

پھر سلام پھیرا، پھر دو سجدے کئے اور پھر سلام پھیرا

بہر حال یہ پانچ دفعہ[4] ایسی ہیں جن میں آپ کو سہو ہوا۔ ان میں بعض میں قبل سلام سجدہ ہے اور بعض میں بعد سلام سجدہ ہے۔ امام شافعی نے سب کو قبل سلام کہا ہے اور امام ابوحنیفہ نے سب کو بعد سلام کہا ہے۔ امام مالک نے فرمایا ہے" ہر سہو جس میں نقصان واقع ہو اس میں سجدہ قبل سلام ہے اور جس میں زیادتی ہوئی ہے ان میں بعد سلام سجدہ ہے اور اگر دونوں چیزیں جمع ہو جائیں تو قبل سلام سجدہ ہے۔

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں امام مالک کا یہ مسلک متفق علیہ ہے لیکن اگر کسی نے تمام حالتوں میں بعد سلام سجدہ سہو کیا یا قبل سلام سجدہ سہو کیا تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے جس کی پشت پر آثار مرفوعہ اور ائمہ سلف کا عمل موجود ہے۔

امام احمد کے متعلق اثرم نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ امام موصوف سے سوال کیا گیا کہ سجدہ سہو قبل سلام ہے یا بعد سلام؟ جواب دیا دونوں طرح اجازت ہے جیسا کہ حضور صلعم نے دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا تھا آپ نے بعد سلام سجدہ سہو ادا کیا جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی کی روایت میں ذوالیدین[5] کا قصہ مذکور

---

[1] یہ حدیث بھی حنفیہ کا مستدل ہے نیز اسوقت تک نماز میں کلام کرنا ممنوع نہیں تھا [2] ایضاً [3] ایضاً [4] احادیث اور تفسیر کی کتابوں سے معلوم ہوا ہے کہ یہ سہو کے واقعات آپ کو ان ایام میں پیش آئے جن ایام میں یہود نے آپ پر سحر کرادیا تھا۔ ان ہی دنوں میں معوذتین کا نزول ہوا اور اسکے بعد آپ پر سے یہ کیفیت زائل ہوگئی۔ اس طرح امت کیلئے سہو و نسیان کی حالت میں ایک اسوۂ حسنہ قائم ہوگیا۔

ذوالیدین

[5] یہ حدیث صحاح ستہ میں موجود ہے امام طحاوی نے اس حدیث کو تین طریقوں سے بیان کیا ہے شروح حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بدر سے پہلے ہوا تھا۔ غزوہ بدر کے بعد احکامات صلوٰۃ میں کافی تبدیلی ہوگئی تھی اس سے پیشتر نماز میں کلام کرنا جائز تھا۔ حضرت عمر رضی نے اپنے زمانہ خلافت میں اس حدیث کے خلاف عمل کیا اور اس وقت جمہور صحابہ موجود تھے لہٰذا اجماع ہوگیا کہ نماز میں بولنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی وجہ سے حضرت عمر رضی نے نماز کا اعادہ کیا تھا علاوہ ازیں محدثین میں اختلاف ہے کہ ذوالیدین کون صحابی ہیں بعض نے کہا ہے کہ ذوالیدین اور ذوشمالین حضرت (باقی آئندہ)

ہے اور بعض دفعہ جب آپ نے تین رکعت پر سلام پھیر دیا تو اس صورت میں بھی بعد سلام سجدہ کیا، جیسا کہ حضرت عمران بن حصین کی حدیث میں موجود ہے اور حضرت ابن مسعود رضہ کی حدیث میں بھی بعد سلام مذکور ہے۔

اس کے علاوہ دوسری صورت دو رکعت کے بعد قیام حالانکہ نہ کرنا چاہیئے تھا تو اس صورت میں قبل سلام سجدہ سہو ہے جیسا کہ ابن بحینہ رضہ کی حدیث میں ہے، شک کی صورت میں غالب ظن پر عمل کرنا زیادہ مناسب ہے اور حدیث ابی سعید الخدری رضہ، حدیث عبدالرحمٰن بن عوف میں بھی قبل سلام مذکور ہے علامہ اثرم بیان فرماتے ہیں کہ امام احمد سے یہ سب کچھ سن لینے کے بعد میں نے ان سے عرض کیا ان صورتوں کے علاوہ اگر کوئی دوسری صورت پیش آجائے تو کیا کرنا چاہیئے؟ فرمایا بقیہ تمام صورتوں میں قبل سلام سجدہ کرنا چاہیئے اس کے بعد فرمایا۔

لولا ما روی عن النبی صلعم	اگر حضور صلعم سے مروی نہ ہوتا تو میری رائے
لرایت السجود کلہ قبل السلام	تو تمام سجدوں کے لئے قبل سلام ہی کے متعلق ہے۔

اس لئے کہ نماز کی شان ہی یہ ہے کہ اس کی غلطیوں کا تدارک قبل سلام ہی ہونا چاہیئے لیکن چونکہ حضور صلعم سے روایات موجود ہیں اس لئے میں ان کے خلاف نہیں کر سکتا اور داؤد ظاہری نے فرمایا کہ کوئی آدمی ان پانچ جگہوں کے علاوہ سجدہ سہو نہ کرے جن جگہوں میں حضور صلعم نے سجدہ کیا ہے۔

جہاں تک شک کا معاملہ ہے تو یہ حضور صلعم کو پیش ہی نہیں آیا بلکہ شک کی صورت میں آپ نے یقین پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور شک کو ترک کر دیا ہے امام احمد نے فرمایا ہے کہ غالب ظن دو طرح کا ہوتا ہے ایک یقین اور دوسرے تحری۔ لہٰذا جس نے شک کو چھوڑ کر یقین کو اختیار کیا اس نے شک کو لغو کر دیا اس صورت میں سجدہ سہو قبل سلام کیا جائے گا اور اس طرح حضرت ابو سعید خدری کی حدیث پر عمل ہو جائیگا۔ اور اگر تحری کی گئی (اور تحری نام ہے وہم کی جانب قوی کا) تو اس صورت میں بعد سلام کے سجدہ کرے اس طرح حدیث ابن مسعود رضہ پر عمل ہو جائے گا اور حضرت ابی سعید رضہ کی حدیث یہ ہے:۔

اذا شک احدکم فی صلوٰتہ	جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک
فلو یدر کم صلی ثلاثا ام اربعًا	ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ تین پڑھی یا چار
فلیطرح الشک ولیبن ما	تو شک کو چھوڑ کر یقین پر عمل کرے اور

گذشتہ سے پیوستہ

خرباق رضہ کا لقب ہے بعض نے کہا ہے کہ ذوالیدین غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے اور خرباق رضہ غزوۂ بدر کے بعد بھی حیات رہے ہیں، امام ابو حنیفہ نے اس حدیث سے چند مسائل استنباط کئے ہیں مثلاً سجدہ سہو بعد سلام کے ہے دوسرے یہ کہ اگر نماز میں سہو ہو جائے تو قبلہ کی طرف سے رخ پھیرنے سے پہلے اصلاح صلوٰۃ ہو سکتی ہے تیسرے یہ کہ سجدے سے نکلنے سے پہلے پہلے اسی جگہ واپس آ کر اصلاح صلوٰۃ ہو سکتی ہے۔ عمدۃ القاری صفحہ ۵۶ ج ۲۔

استیقن ثم یسجد سجدتین قبل السلام — دو سجدے قبل سلام کرے[۱]۔

اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث یہ ہے:۔

اذا شک احدکم فی صلوٰتہ فلیتحر للصواب ثم یسجد سجدتین — تم میں سے جس کسی کو نماز میں شک ہو کہ کتنی پڑھی ہے تو صحیح رکعات کا خیال کرے اور پھر دو سجدے کرے۔

یہ دونوں حدیثیں بخاری و مسلم میں موجود ہیں اور دونوں کے الفاظ میں اسقدر اضافہ اور موجود ہے:۔

ثم یسلم ثم یسجد سجدتین — پھر سلام پھیرے اور پھر دو سجدے کرے۔

یہ بات وہ ہے کہ جس کے بارے میں امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ جب تحری کی نوبت آئے تو سلام کے بعد دو سجدے کرے۔ امام احمدؒ کے نزدیک تحری اور یقین میں فرق یہ ہے کہ جب کوئی امام ہو اور اس کو یہ حالت پیدا ہو جائے کہ تعداد رکعات میں شک ہونے لگے تو غالب ظن یعنی وہم کی جانب راجح کو اختیار کرے یہ تو تحری ہے اس صورت میں بعد سلام سجدہ کرے اور اگر منفرد ہو تو یقین پر عمل کرے اور سلام سے پہلے دو سجدے کرے یہی امام احمدؒ کے اکثر اصحاب کا طریقہ ہے۔

امام احمدؒ سے دو روایتیں اور بھی منقول ہیں ایک یہ کہ ہر صورت میں یقین پر عمل کیا جائے گا اور یہی امام شافعی صاحب کا مسلک ہے اور دوسرے یہ کہ ہر صورت میں غالب ظن کو اختیار کیا جائے گا جہاں تک نصوص کا تعلق ہے وہ شک اور ظن غالب میں فرق کرتی ہیں یعنی شک کی صورت میں یقین کو اختیار کرنا چاہیئے اور غالب ظن کی صورت میں تحری کرنا چاہیئے۔ اور امام ابو حنیفہؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر یہ حالت یعنی نماز میں شک کا معاملہ پہلی مرتبہ پیش آیا ہے تو نماز کو از سرِ نو پڑھنا چاہیئے ورنہ اگر ظن غالب ہو تو اس پر عمل کرے یا پھر یقین پر عمل کرے۔

نماز میں آنکھیں بند کرنا

حضور صلعم نماز میں آنکھ بند نہیں فرماتے تھے دلیل اس کی یہ ہے کہ گذشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ جب تشہد میں دعا کے وقت آپ انگشت شہادت اٹھاتے تو اس کے ساتھ ہی انگشت پر نظر کر کے اشارہ بھی فرماتے تھے۔ امام بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ

کان قرام لعائشة سترت بہ — حضرت عائشہؓ کے پاس ایک پردہ تھا جسکو

---

[۱] قبل سلام کی توجیہ بیان کر دی گئی ہے اس جگہ بتلا دیا گیا ہے کہ قبل سلام کا لفظ زہری کا اضافہ ہے علاوہ ازیں مذکورہ سطور میں بھی علامہ کی تحریر کے مطابق ثم یسلم ثم یسجد سے بھی حنفی مسلک کی تائید ہو رہی ہے۔

جانب بیتہا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امیطی عنی قرامك ھذا فانہ لا یزال تصاویرہ تعرض لی فی صلاتی

وہ گھر کے ایک گوشہ میں لٹکائے رکھتی تھیں، آپ نے ان سے فرمایا تم اپنے اس پردے کو ہٹادو کیونکہ اسکے نقوش میری نماز میں خلل پیدا کرتے ہیں.

اس سے معلوم ہوا کہ اگر آپ آنکھیں بند رکھتے تو آپ کی نماز میں نقوش سے کیسے خلل واقع ہوتا. علامہ ابن قیم فرماتے ہیں اس حدیث سے یہ استدلال مناسب نہیں ہے کیونکہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان نقوش کے دیکھنے ہی سے رکاوٹ پیدا ہوتی تھی یا دیکھنے کے بعد ان کا خیال آنے سے رکاوٹ ہوتی تھی[1] اس استدلال سے زیادہ قوی حضرت عائشہ رضؓ کی روایت ہے.

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی فی خمصیة لہا اعلام فنظر الی اعلامہا نظرۃ فلما انصرف قال اذھبوا بخمصیتی ھذہ الی ابی جہم واتونی بانبجانیة ابی جہم فانہا الہتنی انفا عن صلاتی[2]

فرماتی ہیں حضور صلعم نے ایک دفعہ میری منقش چادر پر نماز پڑھی. اس پر جب آپ کی نظر پڑی تو نماز کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری اس چادر کو ابوجہم کے پاس لے جاؤ اور ان سے انجانی چادر لے آؤ کیونکہ اس چادر نے نماز میں میرا دھیان ہٹادیا ہے.

اس استدلال میں بھی کوئی خاص بات نہیں ہے. زیادہ سے زیادہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلعم کا التفات ان نقوش کی طرف ہوتا تھا. لہٰذا اس التفات کی وجہ سے آپ کو مشغولیت ہوئی. اور اس حدیث سے بھی استدلال مناسب نہیں ہے کہ جس میں ذکر ہے کہ آپ نے ایک جاسوس پہاڑ کی طرف بھیجا تاکہ وہ دشمنوں کے حالات

---

[1] علامہ کے خیال کی بات ہے کہ وہ اس استدلال کو کمزور سمجھتے ہیں کیونکہ دیکھنے کے بعد خیال آنا اس کا سبب دیکھنا ہی ہے پھر دوسری حدیث میں یہی سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ نفس دیکھنے سے خلل ہوتا تھا یا دیکھنے کے بعد خیال آنے سے ہمارے نزدیک دونوں حدیثوں سے استدلال صحیح ہے فرق صرف قوی اور اقوی کا ہے.

نقشین مصلے [2] آجکل مساجد میں مخملی نقشین مصلوں پر نماز پڑھنے کا رواج ہے عام طور سے ائمہ مساجد ایسے منقش مصلوں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے ہیں کہ جنکے نقوش نظر کش ہوتے ہیں انکی وجہ سے نماز میں توجہ ہٹتی ہے اس لئے مذکورہ دونوں احادیث کی روشنی میں میرے نزدیک ایسے مصلوں پر نماز پڑھنا مکروہ ہے. فقہا کرام نے بھی لکھا ہے کہ قبلہ کی جانب کی دیوار میں نقوش بنانا مکروہ ہے کیونکہ اس سے نماز میں دھیان بٹتا ہے. ملاحظہ فرمائیے کبیری

حضرت شیخ الاسلام کا عمل میں نے سیدی و مرشدی حضرت شیخ الاسلام کو دیکھا ہے کہ وہ ایسے مصلے کو ہٹا کر نماز پڑھاتے تھے حضرت شیخ کی نظر حضور صلعم کے اس فعل پر تھی. بلاشک حضرت مدنی رح اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ عالم بالسنۃ اور عامل بالسنۃ تھے. فرق صرف اسقدر ہے کہ دوسرے علماؤں کے دریائے علم کی ظاہری سطح پر لہریں ہیں اور یہاں تہہ آب پنہاں ہیں اور علم نبوی کی شان تو یہی ہے کہ اس میں غرور علم نہیں ہوتا.

دریافت کرکے آئے۔ اس کے انتظار میں آپ بحالت نماز گھاٹی کی طرف بار بار دیکھتے تھے۔

یہ نظر اور التفات بھی ایک ضرورت سے تھا۔ البتہ اس مسئلہ میں صلوٰۃ کسوف والی حدیث سے استدلال مناسب ہے کہ جس میں ذکر ہے کہ آپ نے بحالت صلوٰۃ جنت کے انگوروں کا ایک خوشہ دیکھا تو اس کے حاصل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا، ایسے ہی آپ نے دوزخ میں ایک بلی والی عورت اور ایک چھڑی والے مرد کو دیکھا۔[۱] ایسے ہی ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک بکری کے بچے نے آپ کے سامنے سے گذرنا چاہا تو آپ نے اسکو ہٹا دیا ایسے ہی ایک مرتبہ آپ نے ایک بچہ کو نماز کے سامنے سے گذرنے سے باز رکھا، ایسے ہی آپ نے سلام کرنیوالے کے سلام کا جواب اشارہ سے دیا۔[۲] ایسے ہی وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ آپ نے بحالت صلوٰۃ شیطان کو دیکھا تو اس کو پکڑ کر گلا گھونٹا۔

بہرحال یہ تمام حدیثیں اور اسی قسم کی دوسری حدیثوں سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ آپ نماز میں آنکھ بند نہیں رکھتے تھے۔ فقہا کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ امام احمد نے اسکو فعل یہود قرار دیا ہے۔ ایک جماعت نے اسکو مباح قرار دیا ہے ان کا اشارہ ہے کہ کبھی آنکھ بند کرنے سے نماز میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اگر نماز میں آنکھ کھولنے سے خشوع پیدا ہوتا ہو تو یہ بہتر ہے اور اگر اشیاء وغیرہ کو دیکھ کر توجہ تقسیم ہوتی ہو تو اس وقت آنکھ بند کر لینا قطعی طور پر مکروہ نہیں ہے ایسی صورت میں استحباب کا قول زیادہ بہتر ہے۔[۳]

---

[۱] ہماری رائے میں اس سے پہلی احادیث سے استدلال قوی تر ہے کیونکہ نماز کی حالت میں دوزخ و جنت کا مشاہدہ شیطان کو گرفتار کر لینا یہ از قبیل مکشوفات ہے ورنہ عام حضرات صحابہ رضؓ بھی دیکھتے۔ حضرات صحابہ رضؓ نے تو اسقدر دیکھا تھا کہ آپ کسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے آگے کو بڑھ رہے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے کسی چیز کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ نماز کے بعد حضرات صحابہ رضؓ نے سوال کیا تو حضورؐ نے واقعہ بتلایا۔ یہی حال اس حدیث کا ہے جسمیں شیطان کا ذکر ہے بہرحال اس سے انکار نہیں کہ نماز میں آنکھ بند نہ کرنا چاہیئے البتہ علامہ کے استدلال سے اختلاف ہے ہمارے نزدیک پہلی دو حدیثیں ہی استدلال کے لئے کافی ہیں۔ زیر نظر احادیث سے استدلال ناقص ہے [۲] سلام کا جواب دینا یہ سنکر ہوتا ہے کان میں آواز پہونچتی ہے تو جواب دیا جاتا ہے اسلئے حضور صلعم نے بھی سنا اور اشارہ سے جواب دیا۔ علامہ کا یہ استدلال تو مضحکہ خیز ہے "ماروں گھٹنا سر لنگڑا" کا مصداق ہے۔

[۳] **نماز میں آنکھ بند کرنا** حنفیہ کے نزدیک حضور صلعم کے اس ارشاد کیوجہ سے نماز میں آنکھ بند رکھنا مکروہ ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہے اذا قام احدکم فی الصلوٰۃ فلا یغمض عینہٗ یعنی تم میں جب کوئی نماز پڑھے تو آنکھ بند نہ کرے" وجہ اسکی یہ ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے کہ جسمیں جسم کے تمام اعضا مشغول ہوتے ہیں اور آنکھ بند کرنیکی صورت میں آنکھیں اس سے محروم رہتی ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک حالت صلوٰۃ میں مسنون جگہوں پر نظر رکھنا مستحب ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحبؒ نے ارشاد فرمایا ہے اس خشوع پیدا ہوتا ہے اھ تاہم خیالات کے انتشار کو روکنے کے لئے نماز میں کبھی آنکھ بند کر لینا اور کبھی کھول لینا یعنی مسلسل بند نہ رکھنا اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ یہ بلا کراہیت جائز ہے۔

پندرھواں باب

فراغت صلوٰۃ کے بعد کے اذکار وغیرہ

اذکار بعد صلوٰۃ حضور صلعم جب نماز سے فارغ ہوتے تو فوراً ہی تین مرتبہ استغفار پڑھتے تھے اور اس کے بعد اللّٰھم انت السلام ومنک السلام والیک یرجع السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام پڑھتے تھے اور جتنی دیر دعا پڑھتے بس اتنی ہی دیر قبلہ رخ رہتے اور اس کے بعد فوراً ہی مقتدیوں کی طرف کو داہنی طرف گھوم کر یا بائیں طرف گھوم کر رخ کر لیتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضؓ نے ارشاد فرمایا ہے :۔

رایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کثیراً ینصرف عن یسارہٖ	میں نے حضور صلعم کو اکثر بائیں طرف کو گھومتے دیکھا ہے۔

اور حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں۔

اکثر ما رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینصرف عن یمینہٖ	میں نے اکثر حضور صلعم کو دائیں طرف گھومتے دیکھا ہے۔

پہلی روایت بخاری، مسلم دونوں میں ہے اور دوسری روایت مسلم میں ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ فرماتے ہیں :۔

رایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینفتل عن یمینہٖ وعن یسارہٖ فی الصلوٰۃ ثم کان یقبل علی المأمومین بوجھہٖ	میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دائیں اور بائیں طرف مڑتے دیکھا ہے اسکے بعد آپ نمازیوں کی طرف کو منہ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔

مڑنے کے لئے کوئی ایک جانب ہی نہیں تھی اور صبح کی نماز کے بعد آپ طلوع شمس تک اسی جگہ بیٹھے رہتے تھے اور ہر فرض نماز کے بعد آپ یہ پڑھا کرتے تھے "لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہٗ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیءٍ قدیر اللّٰھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما

منعت لا ينفع ذا الجد منك الجد۔ اور آپ یہ بھی پڑھا کرتے تھے لآ إله الا الله وحدہٗ لا شریك له الملك وله الحمد وهو علی كل شیٴ قدیر ولا حول ولا قوة الا بالله لا إله الا الله ولا نعبد الا ایاہ وله النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن ولا نعبد الا ایاہ مخلصین له الدین ولو كرہ الكافرون۔

امام ابو داؤد نے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی۔۔۔ ہے کہ جب آپ نماز کا سلام پھیرتے تھے تو یہ پڑھا کرتے تھے اللّٰهم اغفر لی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت وما اسرفت وما انت اعلم به منی انت المقدم وانت المؤخر لا اله الا انت۔ یہ اس طویل حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو استفتاح صلوٰۃ کے سلسلہ میں امام مسلم نے روایت کیا ہے اور حضور صلعم رکوع و سجود میں اس کو نہیں پڑھا کرتے تھے۔

امام مسلم کی اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ حضور صلعم اس دعا کو تشہد میں سلام سے پہلے پڑھا کرتے تھے اور دوسری روایت یہ ہے کہ بعد سلام کے پڑھا کرتے تھے۔ ممکن ہے حضور صلعم اسکو دونوں دفعہ پڑھتے ہوں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

امام احمد نے زید ابن ارقم کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضور صلعم ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے اللّٰهم ربنا ورب كل شیٴ ومليكه انا شهيد ان محمداً عبدك ورسولك اللّٰهم ربنا ورب كل شیٴ انا شهيد ان العباد كلهم اخوة اللّٰهم ربنا ورب كل شیٴ اجعلنی مخلصاً لك واهلی فی كل ساعة من الدنيا والآخرة يا ذا الجلال والاكرام اسمع واستجب الله اكبر الله اكبر الله نور السمٰوٰت والارض الله اكبر الاكبر حسبی الله ونعم الوكيل الله اكبر الاكبر رواہ ابو داؤد

امت کے لئے مستحب ہے کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ ۳۳ بار اللہ اکبر ۳۳ بار اور ایک مرتبہ لا اله الا الله وحدہٗ لا شریك له۔ له الملك وله الحمد وهو علی كل شیٴ قدیر پڑھے۔ اور ایک روایت میں ۲۵ مرتبہ سبحان اللہ، ۲۵ مرتبہ الحمد للہ، ۲۵ مرتبہ اللہ اکبر، ۲۵ مرتبہ لا اله الا الله وحدہٗ لا شریك له الخ ہے اور ایک روایت میں دس مرتبہ سبحان اللہ دس مرتبہ الحمد للہ دس مرتبہ اللہ اکبر ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روایت میں ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ الخ ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بعض راویوں کا تصرف ہے بلکہ مراد یہی ہے کہ ہر سہ کلمات ۳۳ مرتبہ پڑھے جائیں اس لئے کہ اس حدیث کے

ایک راوی موسیٰ عن ابی صالح ہیں اور ابو صالح نے یہ تفسیر کری ہے لیکن جہاں تک گیارہ والی روایت کا تعلق ہے اس کا مثل موجود نہیں ہے البتہ دس والی روایت کی نظیر تو موجود ہے جیسا کہ سنن میں حضرت ابو ذر رضؓ کی حدیث موجود ہے کہ

حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے ہر نماز کے بعد کلام کرنے سے پہلے پیر موڑے ہوئے یعنی نماز کی ہیئت میں دس مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ یحیی ویمیت وھو علیٰ کل شیٔ قدیر پڑھا تو اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں درج کر دی جاتی ہیں اور دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور اس کے درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان اور ہر شر سے اسکی حفاظت ہو جاتی ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ام سلمۃ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضؓ کو جب وہ آپ سے خادم مانگنے آئیں تھیں تو ان کلمات کو سوتے وقت پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اور وہ کلمات یہ ہیں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر اور صبح اور مغرب کی نماز کے بعد دس دس مرتبہ ان کلمات کو پڑھنے کا حکم فرمایا۔ وہ کلمات یہ ہیں لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیٔ قدیر

اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ حضرتِ ابو ایوب انصاری رضؓ نے مرفوعاً ذکر کیا ہے کہ جس نے صبح کے وقت ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھا تو اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھدی جاتی ہیں اور دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور ان کی برکت سے اس کے درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں اور اس کو چار غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر اجر و ثواب ملتا ہے اور شام تک کے لئے اس کی شیطان سے حفاظت ہو جاتی ہے اور جس نے مغرب کی نماز کے بعد ان کلمات کو دس مرتبہ پڑھا تو صبح تک کے لئے اس کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے (جیسا کہ گذر چکا ہے)

حضور صلعم کا ارشادِ گرامی شروع میں گذر چکا ہے جس میں الحمد للہ دس مرتبہ، سبحان اللہ دس مرتبہ، اللہ اکبر دس مرتبہ، لا الہ الا اللہ دس مرتبہ، استغفر اللہ دس مرتبہ، اور اللّٰھم اغفرلی واھدنی وارزقنی دس مرتبہ اور اعوذ باللہ من ضیق یوم القیٰمۃ دس مرتبہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ دس کی گنتی اذکار اور دعا میں اکثر ہے لیکن گیارہ کا عدد اس کا ذکر حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی حدیث کے بعض طرق میں نہیں ہے۔

امام ابو حاتم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حضور صلعم نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے

تھے اللّٰھم اصلح لی دینی الذی جعلتہ عصمۃ امری واصلح دنیائی التی جعلت فیہا معاشی اللّٰھم انی اعوذ برضاک من سخطک واعوذ بعفوک من نقمتک واعوذبک منک لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منک الجد حاکم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رض فرماتے ہیں کہ میں نے جب بھی جناب رسول اللہ صلعم کے پیچھے نماز پڑھی ہے تو میں نے حضور صلعم کی زبان مبارک سے اس وقت سنا ہے کہ جب وہ نماز سے فارغ ہو کر مڑتے تو فرماتے اللّٰھم اغفر لی خطای وذنوبی کلّھا اللّٰھم انعشنی واجبرنی واھدنی لصالح الاعمال والاخلاق انہ لا یھدی لصالحھا ولا یصرف سیئھا الا انت۔

ابن حبان نے حارث ابن مسلم تیمی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضور صلعم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب صبح کی نماز سے فارغ ہو تو بات چیت کرنے سے پہلے اللّٰھم اجرنی من النار" سات مرتبہ کہو اگر اس دن میں تیری موت آگئی تو اللہ تعالیٰ تجھے عذاب دوزخ سے محفوظ رکھیں گے اور جب مغرب کی نماز پڑھے تو بات چیت کرنے سے پہلے یہی کلمات سات مرتبہ کہو اگر اس رات میں تیری موت واقع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ دوزخ سے محفوظ رکھیں گے۔

امام نسائی نے حضرت ابوامامہ رض کی روایت ذکر کی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی اس کے دخول جنت میں بجز موت کے کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے یعنی وہ مرتے ہی جنت میں داخل ہو جائے گا۔

اس حدیث میں محمد بن حمیر بروایت محمد بن زیاد...... عن ابی امامۃ منفرد ہیں بلکہ امام نسائی نے حسین بن بشیر کے واسطے سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کو بہت سے علماء نے صحیح قرار دیا ہے امام نسائی نے بھی حسین بن بشیر کے بارے میں لاباس بہ فرمایا ہے اور دوسری جگہ ان کی توثیق بھی کی ہے امام بخاری نے اپنی صحیح میں دونوں کی سند سے روایت لی ہے لیکن علامہ ابوالفرج جوزی نے اس کو موضوع کہا ہے اور اپنی کتاب میں موضوعات کے تحت اس حدیث کو بھی داخل کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ابو حاتم رازی محمد بن حمیر سے استناد نہیں کرتے ہیں۔ یعقوب بن سفیان بھی ان کو ضعیف کہتے ہیں۔ باوجود اس تنقید کے بعض حفاظ نے محمد بن حمیر کی توثیق کی ہے اور کہا کہ وہ بہت بڑے آدمی ہیں وہ حدیث موضوع روایت نہیں کر سکتے۔ علاوہ ازیں تنقید کے امام جن کی تنقید نہایت سخت ہوتی ہے یعنی یحییٰ بن معین نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔

اس حدیث کو طبرانی نے بھی اپنی معجم میں ذکر کیا ہے کہ "جس نے فرض نمازوں کے بعد آیۃ الکرسی

کو پڑھا وہ ایک نماز سے دوسری نماز تک اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔ اس کو حضرت علی، عبد اللہ بن عمر، مغیرہ بن شعبہ، جابر بن عبد اللہ رضؓ نے بھی روایت کیا ہے مگر ان کے اسناد میں ضعف ہے لیکن مختلف طرق کی وجہ سے اس حدیث میں قوت آگئی ہے جس کی بنا پر اس کو موضوع کہنا غلط ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا تھا کہ میں نے آیۃ الکرسی کو فرض نماز کے بعد پڑھنے کا ہمیشہ معمول رکھا ہے اس کو کبھی ترک نہیں کیا۔

مسند احمد اور سنن میں حضرت عقبہ بن عامر رضؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ

امرنی رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ	مجھے حضور صلعم نے حکم دیا ہے کہ ہر نماز کے
وسلم ان اقرأ بالمعوذات فی	بعد معوذاتؔ[1] پڑھا کروں
دبر کل صلوٰۃ	

اس حدیث کو ابن حبان، ابو حاتم اور حاکم نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔ امام ترمذی نے معوذتین کا لفظ ذکر کیا ہے اور معجم طبرانی اور مسند ابو یعلیٰ موصلی میں یہ حدیث عمر بن نبہان کی سند سے ہے لیکن علما نے ان پر جرح کی ہے۔ حضرت جابر رضؓ کی روایت ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے جنھوں نے ان کو ایمان و یقین کے ساتھ پڑھا وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے گا؛ اور اس کو جنت کی حوریں ملیں گی اسکا قرض ادا ہو جائیگا۔ جس نے ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ قل ہو اللہ احد الخ پڑھا، حضرت ابو ابوبکر رضؓ نے عرض کیا اگر ان میں سے کوئی پڑھا جائے تب؟ ارشاد فرمایا ایک کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضؓ فرماتے ہیں۔ حضور صلعم نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں ہر نماز کے بعد یہ پڑھا کروں اللھم اعنی علی ذکرک۔

معوذات [1] معوذات سے مراد کیا ہے؟ ترمذی کی روایت سے یہ چیز صاف ہوگئی ہے کہ معوذات سے مراد معوذتین ہے تثنیہ پر جمع کا اطلاق تغلیباً کر دیا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں حج کے دو مہینہ اور چند دن کو اشہر کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ صاحب بذل نے فرمایا ہے کہ معوذتین کے ضمن میں سورۂ اخلاص اور سورہ' کافرون بھی داخل ہے اس وجہ سے یہاں جمع کا صیغہ بول دیا گیا ہے بذل ص۳۶۲ ج ۲۔ احقر راقم الحروف کی رائے حضرت شیخ الاسلام کی درسی تقریر کی روشنی میں یہ ہے کہ چونکہ رقیہ کے طور پر ان چاروں سورتوں کو پڑھا جاتا ہے اس لیے یہ بھی معوذات میں شمار ہوتی ہے اور مذکورۃ الصدر حدیث میں ایمان و یقین کے ساتھ پڑھنے پر دخول جنت کا جو وعدہ ہے اُس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جب مومن ایمان کے ساتھ اپنے کو کامل طور پر خدا کی نگرانی میں دیدے گا تو وہ توکل اور تسلیم و رضا کے ایک اونچے مقام پر فائز ہو جائے گا۔ جس کے نتیجہ میں حصول جنت اس کے لئے لازمی ہے۔ اس جگہ یہ بھی عرض کروں کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحؒ اپنے معاصرین میں حدیث کے معنی بیان کرنے میں امام العصر کے مرتبہ پر فائز تھے۔

وشکرك وحسن عبادتك ۔

اور احادیث میں دبر صلوٰۃ سے مراد، سلام کے بعد بھی ہے اور سلام سے قبل بھی ہے علامہ ابن تیمیہ نے قبل سلام ہی کو ترجیح دی ہے میں نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اس لئے کہ

دبر کل شی منہ کدبر الحیوان [۱]

ہر چیز کی دبر اسی سے ہوتی ہے جیسا کہ دبر حیوان

سترہ کا بیان

حضور صلعم جب کسی دیوار کے سامنے کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے تو ایک بکری کی گذرگاہ کے برابر راستہ چھوڑ دیتے تھے اور اس سے زیادہ فاصلہ نہیں چھوڑتے تھے بلکہ اس سے قریب رہنے کا حکم فرماتے تھے اور جب کبھی لکڑی یا درخت کے سامنے نماز پڑھتے تو اس کو اپنی دائیں یا بائیں جانب کر لیتے تھے اور اس کو بالکل سامنے نہیں رکھتے تھے [۲]

سفر اور جنگل میں جانے کی صورت میں آپ چھوٹے نیزے کو گاڑ کر اس کو سترہ بنا کر نماز پڑھا کرتے تھے اور کبھی اپنی سواری کے جانور اور اونٹنی وغیرہ کو بھی سترہ بنا لیتے تھے حضور صلعم نے نمازی کو حکم فرمایا ہے کہ وہ نماز آڑ (سترہ) قائم کر کے پڑھا کریں اگرچہ یہ سترہ تلوار یا لاٹھی ہی کا کیوں نہ ہو... اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو سامنے گول ہلالی دائرہ بنا لیا کریں ۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا ہے کہ دائرہ سامنے چوڑائی میں ہلالی شکل کا بنانا چاہیئے۔ [۳]

علامہ ابن تیمیہ کا اجتہاد

[۱] علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید نے بھی اس جگہ ایک بڑی غلطی کی ہے وہ یہ کہ دبر صلوٰۃ کو نماز ہی میں شمار کر کے اپنا عمل بیان فرمایا ہے ۔ وہ یہ بھول گئے کہ اس کتاب میں اذکار بعد الصلوٰۃ کے زیر عنوان بہت سے اذکار تسبیحات، ادعیہ کو ذکر کر آئے ہیں ۔ کیا ان سے یہی مراد ہے کہ وہ تمام اذکار تسبیحات ادعیہ وغیرہ نماز کے آخری حصہ اور سلام سے قبل پڑھی جاتی تھیں ۔ کیا تسبیح فاطمہ اور کلمہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ الخ جس کے پڑھنے کا وقت دبر کل صلوٰۃ مکتوبۃ ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد قبل سلام ہے؟ اسی طرح معوذتین و سورۂ اخلاص اور آیۃ الکرسی والی حدیث میں دبر صلوٰۃ کا لفظ موجود ہے کیا اس سے مراد قبل سلام ہے ۔ کیا ہم علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کے متعلق اپنا یہ حسن ظن قائم کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ وہ ان سورتوں کو بھی سلام سے پہلے پڑھا کرتے ہوں گے ۔

تمام احادیث میں باتفاق شراح حدیث و محدثین کرام دبر صلوٰۃ سے مراد بعد السلام ہے اب رہا علامہ کے اس استدلال کا تعلق جو انھوں نے فرمایا کہ کسی چیز کی دبر اسی میں سے ہوتی ہے اس کے بارے میں تو صرف اسقدر عرض ہے کہ جبکہ انتظار صلوٰۃ کو من الصلوٰۃ قرار دیا ہے ۔ تو سلام کا بعد تو قبل تکلم حکما نماز ہی کی جنس سے ہے اسی وجہ سے تو سہو کی صورت میں سجدہ سہو کے بعد نماز ادا ہو جاتی ہے اگرچہ کتنی ہی دیر کیوں نہ ہو گئی ہو ۔ لہٰذا اس اتصال کی وجہ سے اذکار مسنونہ کا وقت بھی صلوٰۃ کی جنس سے ہے ورنہ سیدھی بات وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دی ہے ۔ عزیز الرحمن غفرلہ

[۲] حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے ارشاد فرمایا تھا وجہ اسکی یہ ہے کہ کہیں لوگوں کو یہ شبہ نہ ہونے لگے کہ نمازی شے منصوبہ کی عبادت کر رہا ہے [۳] حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا یہ مسلک نہیں ہے اور وجہ اسکی صاف ظاہر ہے کہ سترہ سے غرض یہ ہے کہ گذرنے والے کو یہ علم ہو جائے کہ کوئی نماز پڑھ رہا ہے اگر اسکے سامنے کو گذر جائیگا تو نمازی کی توجہ میں خلل ہوگا ۔ (باقی آئندہ)

اور عبداللہ نے کہا ہے کہ لمبائی میں سیدھا۔ اور اگر لاٹھی ہو تو اسکو سامنے گاڑ دینا چاہیئے اگر سترہ نہ ہو گا تو امام احمد کا فرمانا ہے کہ ایسی حالت میں عورت، گدھا اور کالے کتے کے گذرنیکی وجہ سے نماز قطع ہو جائے گی[۱]۔ اسکی دلیل میں وہ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایات پیش کرتے ہیں۔

انکے خلاف جو احادیث ہیں ان کی دو قسم ہیں اول صحیح غیر صریح دوم صریح غیر صحیح لہٰذا ان معارضات کی وجہ سے اس حالت کو ترک نہیں کیا جا سکتا اور حضور صلعم کے بارے میں منقول ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سامنے سوتی رہتی تھیں اور آپ نماز پڑھ لیتے تھے، اس کو عورت کے گذرنے کے حکم میں نہیں رکھ سکتے مرد کی نماز تو عورت کے گذرنے سے ٹوٹتی ہے نہ کہ ٹھہرے رہنے سے[۲]۔

گذشتہ سے پیوستہ

یہ غرض شئے منصوب سے تو حاصل ہوتی ہے خط سے نہیں۔ عزیز الرحمٰن

[۱] گویا کہ عورت، گدھا، کالا کتا ان کا گذرنا بھی امام احمد کے نزدیک مفسدات صلوٰۃ میں سے ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔

عورت کا نمازی کے سامنے سے گذرنا

[۲] جیسا کہ ابھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ سترہ قائم کرنے سے غرض یہ ہے کہ نماز میں خلل واقع نہ ہو جب غرض متعین ہو گئی تو اب جو بھی اس منشا کے خلاف کریگا وہ آثم ہو گا۔ عورت اور گدھا اور کالا کتا ہی اسکے لئے مخصوص نہیں ہیں پھر یہ وہ شوافع اور حنابلہ کیلئے زیادہ موزوں ہیں کیوں کہ انکے نزدیک خشوع اور خضوع بھی واجبات صلوٰۃ میں سے ہیں اور مخل خشوع مرد کا گذرنا بھی ہے جیسا کہ احادیث میں بلا تخصیص مرد اور عورت، گذرنے والے کو آثم قرار دیا ہے۔ حنبلی مسلک کو سامنے رکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے گذرنے میں چونکہ مظنہ شہوت ہے اور کتے اور گدھے کی آواز میں کرختگی ہے اسوجہ سے یہ حکم لگا دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

جہاں تک حنفی مسلک کا تعلق ہے وہ اصول کے مطابق ہے اسلئے کہ گذرنا اوصاف اور افعال صلوٰۃ میں سے نہیں ہے کہ جسکی وجہ سے فساد کا حکم دیا جائے لیکن چونکہ مخل خشوع ہے اسلئے حدیث نے گذرنے والے کو آثم قرار دیا ہے۔ اب اسکے بعد احادیث کا اوپر نظر ڈالنی چاہیئے۔ علامہ نے اپنے مسلک کی حقانیت ثابت کرنے اور دوسرے مسالک کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنی مسند میں ایک حدیث بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ "حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا گیا کہ نماز کس کس چیز سے ٹوٹ جاتی ہے تو فرمایا کہ اہل عراق تم لوگوں کا خیال ہے کہ گدھا، کتا، بلی نماز کو توڑ دیتے ہیں تم نے ان کے ساتھ ہم عورتوں کو بھی شمار کر لیا ہے حالانکہ میں سوتی ہوتی ہوں اور جناب رسول اللہ صلعم سامنے ہی نماز پڑھ لیتے تھے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے مقلدین کا فرمانا ہے کہ علامہ کی مستدل احادیث منسوخ ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضؓ کی حدیث موجود ہے جس میں ذکر ہے کہ انھوں نے اپنا گدھا نمازیوں کے سامنے چھوڑ دیا تھا اور جناب رسول اللہ صلعم نماز پڑھا رہے تھے امام احمد کا قول بھی عورت اور گدھے کے بارے میں مضطرب ہے البتہ کتے کے بارے میں کوئی حدیث معارض نہیں ہے اسوجہ سے وہ کتے کے گذرنے کو جزم کے ساتھ مفسد صلوٰۃ کہتے ہیں۔ (حاشیہ مسند امام اعظم)

سولہواں باب

سنتوں کا بیان

سنن رواتبہ[۱] حضور صلعم حالت قیام میں دس رکعات سنتوں کی ادائیگی کی پابندی فرماتے تھے اس کے متعلق حضرت ابن عمرؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے حضور صلعم سے دس

سنت کی تعریف [۱] اس جگہ سنت کی تعریف علامہ حافظ بدرالدین عینی کی شرح ہدایہ "البنایہ" سے نقل کی جارہی ہے علامہ موصوف نے متعدد حضرات سے سنت کی تعریف نقل کرنے کے بعد اس پر بہترین تبصرہ کیا جو نہایت قابل قدر ہے

۱۔	ماواظب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یترکہ الامرۃ او مرتین	وہ فعل جس پر حضور صلعم نے مداومت فرمائی ہو اور صرف ایک یا دو مرتبہ ترک کیا ہو (محیط)
۲۔	ماواظب علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولو یترکہ الا لعذر والادب ما فعلہ مرۃ او مرتین	سنت وہ فعل ہے کہ جس پر حضور صلعم نے مداومت فرمائی ہو اور عذر کی وجہ سے ایک یا دو مرتبہ ترک کر دیا ہو اور مستحب وہ ہے کہ جسکو صرف ایک یا دو مرتبہ کیا ہو (مفید)
۳۔	مافعلہ علیہ السلام علی سبیل المواظبۃ ویومر باتیانہا ویلام علی ترکہا	سنت وہ ہے کہ جسکو حضور صلعم نے دائماً کیا ہو اور جسکے کرنے کا حکم دیا جائے اور ترک پر ملامت کی جائے (خواہرزادہ)
۴۔	مافی فعلہ ثواب وفی ترکہ عتاب ولا عقاب	سنت وہ ہے کہ جسکے کرنے میں ثواب ہو اور ترک میں عتاب ہو نہ کہ عذاب۔ (اترازی)

اس کے بعد علامہ اترازی نے فرمایا ہے کہ عتاب کی سے قید نفل سے احتراز اور عقاب کی قید سے فرض اور واجب سے احتراز ہے

۵۔	السنۃ ھی الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین وحکمھا ان یثاب فی الفعل ویستحق الملامۃ فی الترک	سنت وہ دین میں جاری شدہ طریقہ ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اسکے کرنے پر ثواب ملے اور ترک پر ملامت کی جائے۔ (اکمل)

اس کے بعد علامہ حافظ عینی فرماتے ہیں کہ آخر کی دونوں تعریفیں قابل نظر ہیں۔ علامہ اترازی کی تعریف کہ جسکے متعلق ان کا دعویٰ ہے کہ وہ مجھے بہت پسند ہے وہ تعریف ناقص ہے کیونکہ جسکے کرنے پر ثواب ہو یہ فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے رہا عتاب کا معاملہ وہ بھی عذاب کی قسم سے ہے بالفرض اگر عتاب اور عقاب علیحدہ علیحدہ دو چیزیں ہیں تو پھر تعریف سے سنن موکدہ خارج ہو جائینگی جو کہ تقریباً واجب کے درجہ میں ہیں اور انکے ترک میں عذاب بھی ہے علاوہ ازیں اس تعریف میں سنت غیر نبی بھی داخل ہے جیسے سنت شیخین اس میں بھی کرنے میں ثواب ہے اور ترک پر عتاب ہے کیونکہ حضور صلعم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم انکی اقتدا کریں۔ علامہ اکمل کی تعریف بھی ناقص ہے کیونکہ وہ سنت غیر نبی کو بھی شامل ہے، حافظ عینی فرماتے ہیں میرے نزدیک سب سے اچھی تعریف خواہرزادہ کی ہے (ملاحظہ فرمایئے البنایہ زیر عنوان سنن الوضو)

رکعات سنتیں محفوظ کی ہیں۔ دو رکعات قبل ظہر اور دو اس کے بعد اور دو رکعات بعد مغرب گھر میں اور عشار کے بعد بھی دو رکعات گھر میں پڑھتے تھے اور دو رکعات نماز فجر سے قبل" یہ دس رکعات ہیں کہ جن کو حضور صلعم نے حالت قیام میں نہیں چھوڑا۔ اور اگر ظہر کے بعد کی دو سنتیں کسی عذر کی وجہ سے رہ جاتیں تو آپ عصر کی نماز کے بعد اس کی قضا ادا فرماتے تھے اس لئے کہ حضور صلعم جب کوئی عمل کرتے تو اس پر مداومت فرماتے تھے رہا سنتوں کی قضا کا معاملہ تو اس میں آپ اور امت یکساں ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ اوقات ممنوعہ میں امت کو ممانعت ہے آپ کو نہیں گویا یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ جیسا کہ خصائص کے بیان میں اسکا ذکر آئے گا۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضہ کی روایت موجود ہے کہ آپ کبھی ظہر کی نماز سے قبل چار سنتیں بھی پڑھ لیتے تھے (راقم الحروف کہتا ہے) کہ حضرت عائشہ رضہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں :۔

وکان لا یدع اربعًا قبل الظھر	آپ ظہر سے قبل والی چار سنتیں ترک نہیں کرتے تھے

ایسے ہی دو رکعت صبح کی نماز سے پہلے کبھی ترک نہیں کرتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حضور صلعم گھر میں چار سنتیں اور مسجد میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے تو یہ زیادہ ظاہر ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دونوں پر آپ کا عمل تھا لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہ رضہ اور حضرت ابن عمر رضہ نے جیسا دیکھا ویسا ہی بیان کر دیا۔ پھر دونوں حدیثیں صحیح ہیں ان پر اعتراض بھی قائم نہیں ہو سکتا۔

سنت زوال

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ دو رکعت سنت ظہر نہیں تھیں بلکہ یہ سنت زوال تھیں اس کو امام احمد نے ذکر کیا ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی اربعًا بعد ان تزول الشمس وقال انھا ساعۃ تفتح فیھا ابواب السماء فاحب ان یصعد لی فیھا عمل صالح	حضور صلعم زوال شمس کے بعد چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا اس وقت آسمان کے دروازے کھلے رہتے ہیں مجھے یہ پسند ہے کہ اس وقت بھی میرا کوئی عمل صالح آسمان کی طرف چڑھے۔

لے یاد رہے کہ فقہاء احناف کے یہاں صرف فرض اور واجب کی قضا تو ہے سنتوں کی قضا نہیں ہے صرف سنت فجر کے بارے میں اس قدر اختلاف ہے کہ اگر وہ فرض کے ساتھ قضا ہو جائیں تو ان کو ادا کیا جائے گا۔ تنہا نہیں۔ امام محمد نے فرمایا۔ کہ سنت فجر کی قضا بھی سورج کے نکلنے کے بعد زوال سے قبل ادا کرنا اولی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری سنتوں کے لیے یہ حکم نہیں ہے حنفیہ نے مندرجہ بالا حدیث کے بارے میں جواب دیا ہے کہ یہ خصائص نبی صلعم میں سے ہے۔

سنن میں حضرت عائشہ رضؓ کی روایت ہے کہ جب آپ ظہر سے پہلے چار رکعت نہیں پڑھتے تو ان کو بعد میں پڑھا کرتے تھے۔ ابن ماجہ میں یہ ہے کہ ان چار رکعت کو ظہر کے بعد کی دو رکعات کے بعد پڑھا کرتے تھے[1]۔ اور ترمذی شریف میں حضرت علی رضؓ کی روایت ہے کہ آپ ظہر سے پہلے چار رکعات اور اس کے بعد دو رکعات پڑھا کرتے تھے[2]۔ ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضؓ کی روایت ہے کہ آپ چار رکعات ظہر سے قبل پڑھا کرتے تھے جس میں قیام طویل فرماتے اور رکوع و سجدہ خوب اچھی طرح کرتے تھے۔

یہ وہ رکعات ہیں کہ جن کے متعلق حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا ہے کہ آپ نے ان کو کبھی ترک نہیں کیا لیکن جہاں تک ظہر کی دو سنتوں کا تعلق ہے ان کے متعلق حضرت ابن عمر رضؓ نے فرمایا ہے کہ تمام نمازوں کی دو دو سنت ہیں ایسے ہی صبح کی دو سنتیں ہیں باوجودیکہ لوگ ان میں زیادہ فارغ ہوتے ہیں[3]۔
خلاصہ یہ ہے کہ ظہر سے پہلے جو چار رکعات ہیں وہ مستقل نماز ہیں جن کو سنت زوال کہا جاتا ہے[4]۔

تعداد رکعات حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ زوال کے بعد آٹھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ آٹھ رکعات قیام لیل کے مثل ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ نصف النہار، نصف اللیل کے مثل ہے اور دونوں وقت آسمان کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ لہٰذا یہ دونوں وقت قرب خداوندی کے اوقات ہیں۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ام حبیبہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من صلی فی یوم ولیلۃ اثنتی عشرۃ رکعۃ بنی لہ بھن بیتا فی الجنۃ	میں نے حضور صلعم سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دن رات میں بارہ رکعات (سنن) پڑھیں اللہ تعالیٰ ان کی بدولت اس کیلئے جنت میں ایک گھر بنائینگے

امام نسائی اور امام ترمذی نے اس قدر اور اضافہ کیا ہے "چار رکعات قبل ظہر، دو بعد ظہر، دو رکعت بعد مغرب اور دو رکعت بعد عشا اور دو رکعت قبل صلوٰۃ فجر"۔ امام نسائی نے فرمایا ہے قبل عصر دو رکعت

---

[1] حنفیہ کے نزدیک افضل یہی ہے اور جائز اس طرح بھی ہے کہ دو رکعت کے قبل ان کو پڑھ لیا جائے اسلئے کہ مقدم کا مرتبہ مقدم ہے (البحر الرائق) [2] حنفیہ کا یہی مسلک ہے جیسا کہ آئندہ حدیث سے بھی ظاہر ہے سادات حنفیہ عبادات میں احتیاط پر عمل کو ترجیح دیتے ہیں۔ [3] یہ بعض علماء کا قیاس ہے ورنہ اصل یہ ہے کہ یہ وقت نیند اور غفلت کا ہے جسکا تقاضہ یہی ہے کہ اختصار ہوتا کہ فرض فوت نہ ہو جائیں۔ عزیز الرحمٰن۔
[4] سنت زوال کے متعلق اوپر حدیث گزر چکی ہے اکابر اولیاء اللہ نے اس پر ملاومت فرمائی ہے چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی کے معمولات میں یہ سنتیں بھی تھیں (مقامات مجدد الف ثانی ص ۱۱۲)

اور دو رکعت بعد عشاء۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضہ کی روایت میں "من ثابر" لفظ کا اضافہ کیا ہے یعنی جس نے پابندی کی الخ باقی الفاظ وہی ہیں جو حضرت ام حبیبہ رضہ کی روایت کے ہیں۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضہ نے روایت کیا ہے کہ دو رکعت قبل فجر اور دو رکعت قبل ظہر اور دو رکعت بعد ظہر اور دو رکعتوں کے متعلق میرا۔۔۔۔ خیال ہے کہ وہ قبل عصر تھیں اور دو رکعت بعد مغرب کے متعلق میرا خیال ہے کہ اور دو عشاء کے بعد"

اس تفسیر کے متعلق خیال ہے کہ بعض راویوں نے حدیث کے درمیان داخل کر دی ہوگی اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضور صلعم نے ایسے ہی فرمایا ہو۔ رہا عصر کی نماز سے پہلے چار سنتوں کا معاملہ اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ہے البتہ عاصم بن حمزۃ کی حضرت علی رضہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے کہ

انہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی	حضور صلعم دن میں سولہ رکعات نماز پڑھا
فی النھار ست عشرۃ رکعۃ	کرتے تھے۔

ظہر کی نماز کے وقت جب سورج اس جگہ ہوتا چار رکعت اور ظہر کے بعد دو رکعت اور عصر کی نماز سے قبل چار رکعات اور ایک روایت میں یوں ہے کہ جب سورج اس جگہ سے زائل ہوتا یعنی عصر کے وقت دو رکعت پڑھتے اور ظہر کے وقت چار رکعت پڑھتے اور اس کے بعد دو رکعت اور عصر سے پہلے چار رکعات پڑھتے اور ان رکعات کو مستقلاً پڑھتے یعنی چار رکعات والی نماز ایک دفعہ میں ایک سلام سے ادا فرماتے یہ نہیں کہ اس کو دو سلاموں سے ادا کرتے ہوں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس حدیث کا انکار فرمایا کرتے تھے اور اسکو موضوع بتلایا کرتے تھے چنانچہ ان کا یہ انکار جوزجانی سے منقول ہے[1]۔

امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عمر رضہ کی روایت اس طرح نقل کی ہے۔

انہ قال صلی اللہ علیہ وسلم	اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم فرمائے جس نے
رحم اللہ امرأ صلی قبل العصر	عصر کی نماز سے قبل چار رکعتیں پڑھیں

---

[1] سنتیں دو قسم کی ہیں ایک موکدہ دوسری غیر موکدہ۔ جن حضرات نے بارہ رکعات شمار کرائی مثلاً دو قبل فجر، چار قبل ظہر، دو بعد ظہر، دو بعد مغرب، دو بعد عشاء (جیسا کہ حضرت ام حبیبہ رضہ کی حدیث میں مذکور ہے) ان حضرات نے تاکد کے اعتبار سے روایت نقل کی ہے اسکے بعد عصر سے پہلے چار سنتیں بھی ہیں اور ایک روایت میں دو ہیں ایسے ہی چار سنتیں عشاء سے قبل بھی ہیں ایسے ہی ظہر کے بعد دو سنتیں بھی ہیں اور چار بھی ہیں یہ سنتیں مستحبات میں شمار ہوتی ہیں ان میں سے بعض روایات صحیح ہیں مثلاً حضرت ام حبیبہ کی اور حضرت عائشہ رضہ کی اور بعض روایات حسن غریب ہیں لیکن موضوع روایت کوئی نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے نہ معلوم نہیں کیوں موضوع کہدیا۔ ملاحظہ فرمایئے فتح القدیر صفحہ ۱۸۵ ج ۱ اور البنایہ صفحہ ۸۲۱ ج ۱۔

اسے ربعاً ۔ ؎

اس حدیث کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن حبان نے اس کو صحیح بتلایا ہے اور دوسرے حضرات نے اس پر تنقید کی ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے ابو داؤد الطیالسی سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا "اس کو رہنے دو" میں نے پھر کہا کہ اس کو تو ابو داؤد نے نقل کیا ہے تو فرمایا کہ ابو الولید نے ابن عمر رض کی روایت نقل کی ہے جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ حضور صلعم دن، رات میں دس رکعات پڑھا کرتے تھے " اگر یہ چار رکعات بھی ان میں ہوتیں تو ان کو ضرور شمار کراتے اور میرے والد صاحب نے فرمایا تھا کہ حضرت ابن عمر رضؓ نے بارہ رکعات کی خبر دی ہے۔ بہر حال یہ کوئی تنقید کی بات نہیں ہے۔

مغرب کی سنتیں

مغرب کے فرض سے پہلے دو سنت پڑھنا حضور صلعم سے منقول نہیں ہے البتہ یہ صحیح ہے کہ آپ کے صحابہ کا اس پر عمل تھا لیکن آپ نے نہ انکو روکا اور نہ پڑھنے کو فرمایا۔ بخاری و مسلم میں عبد اللہ المزنی کی روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا

صلوا قبل المغرب قال فی الثالثة لمن شاء

مغرب سے پہلے نماز پڑھو تیسری مرتبہ فرمایا جس کا جی چاہے۔

یہی صحیح ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنتیں مستحب ہیں مثل سنن رواتبہ کے نہیں ہیں۔ ؎

؎ عصر کی نماز سے قبل چار سنتوں کا پڑھنا مستحب ہے یا دو کا۔ اس میں اختلاف ہے ابن عمر رض کی روایت میں ہے کہ حضور صلعم نے حضرت علی کو چار رکعات پڑھنے کا حکم فرمایا۔ اس کو ترمذی نے حسن غریب کہا ہے اور ابو داؤد نے عاصم بن حمزہ رض کی روایت میں چار رکعات کو کہا ہے اور اس کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ حافظ بدر الدین عینی نے فرمایا ہے کہ تعداد رکعات میں اختلاف آثار ہے اختلاف اخبار نہیں ہے اس کے بعد فرمایا ہے امام صاحب کے مسلک کے مطابق افضل چار ہی رکعات ہیں۔ البنایہ ص۸۴۸ ج ۱۔

؎ علامہ نے اس جگہ غیر محتاط کلام کیا ہے کیونکہ امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں وہ منفرد ہیں ابو داؤد میں وہ اضافہ نہیں ہے اگرچہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابن حبانؒ نے بھی اسکی تصدیق کی ہے لیکن اس کے معارض حدیث ابن عمر موجود ہے جس میں ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کے عہد میں کسی کو پڑھتے نہیں دیکھا۔ امام ابو حنیفہ نے ابراہیم نخعی کی ایک مرسل روایت ذکر کی ہے جس میں ہے کہ حضرت ابو بکر رض اور حضرت عمر رض مغرب سے پہلے دو رکعت نہیں پڑھتے تھے ازواج مطہرات نے بھی ان دونوں رکعات کا انکار کیا ہے۔ صرف ام سلمہ رضؓ نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضور صلعم نے مغرب سے قبل دو سنتیں پڑھیں تو میں نے دریافت کیا تب آپ نے فرمایا میں نے آج عصر سے قبل کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں ان کو اب پڑھا ہے الخ اس سے معلوم ہوا کہ مغرب سے قبل کی دو سنتیں مستقل نہیں تھیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عصر سے قبل کی سنتیں آپ کے خصائص میں سے ہیں۔ (فتح القدیر ص۱۸۸ ج ۱)

گھر میں سنت پڑھنا حضور صلعم تمام سنتوں اور نوافل کو (کہ جن کا کوئی خاص سبب نہیں ہوتا تھا مثلاً تراویح، کسوف وغیرہ) کو حجرہ شریفہ ہی میں ادا فرماتے تھے خصوصاً بعد کی سنتیں، آپ سے منقول نہیں ہے آپ نے ان کو کبھی مسجد میں پڑھا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں مغرب کے بعد کی دو سنتیں لوگوں کو گھر میں پڑھنا چاہیئے۔ آپ سے اور آپ کے اصحاب سے ایسا ہی مروی ہے حضرت السائب بن یزید فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں دیکھا ہے کہ مغرب کے فرض پڑھتے ہی لوگ گھروں کو واپس ہو جاتے تھے اور ایک بھی مسجد میں نہیں رہتا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ مغرب کے بعد کی بھی سنتیں نہ پڑھتے تھے (غرض یہ ہے کہ مسجد میں نہ پڑھتے تھے بلکہ گھر جاکر پڑھتے تھے)

اس جگہ یہ سوال ہے کہ اگر کسی نے مسجد میں دو سنتیں بعد مغرب پڑھ لیں تو یہ ہو جائیں گی بھی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے ایک شخص نے بتلایا کہ جس نے یہ رکعات مسجد میں پڑھیں وہ کافی نہ ہوں گی۔ ابو حفص فرماتے ہیں غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے ان دو رکعات کو گھر پہ پڑھنے کا حکم دیا ہے مروزی نے کہا ہے۔

من صلی رکعتین بعد المغرب	جس نے دو رکعت بعد مغرب کی مسجد
فی المسجد یکون عاصیًا	میں پڑھیں وہ گنہگار ہوا

یہ حدیث مجہول ہے ابو ثور سے جب اس کا مطلب پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ ان کو گھر پڑھنا چاہیئے۔ ابو حفص نے کہا ہے کہ اگر کسی نے گھر فرض پڑھ لئے اور مسجد میں نہ پڑھے تو جیسے یہ جائز ہے ایسے ہی ان سنتوں کا معاملہ ہے یعنی اگر کسی نے گھر نہ پڑھیں بلکہ مسجد میں پڑھ لیں تو جائز ہے۔

امام ابو حفص نے جو وجہ بیان فرمائی ہے امام احمد کے نزدیک یہ وجہ نہیں ہے ان کا فرمانا ہے کہ ان سنتوں کیلئے نہ کوئی جگہ معین ہے اور نہ جماعت لہٰذا گھر پڑھ لو یا مسجد میں دونوں برابر ہیں۔

مغرب کے بعد کی سنت مغرب کے بعد کی سنتوں کے متعلق دو امر مسنون ہیں اول یہ ہے کہ ان کے اور فرض کے درمیان فصل نہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ امام احمد روایت میمونی اور مروزی میں فرماتے ہیں کہ "مستحب یہ ہے کہ ان دونوں رکعات کو بلا کسی کلام کے بیچ میں کئے ہوئے پڑھنا چاہیئے"۔ حسن بن محمد فرماتے ہیں میں نے امام احمد کو دیکھا ہے کہ وہ مغرب کی نماز کا سلام پھیرتے ہی ان دونوں سنتوں کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور گھر میں داخل ہونے سے پہلے مسجد میں کوئی سنت نہ پڑھتے تھے[1]"۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ ان سنتوں کو گھر پڑھتے تھے۔

ابوحفص نے کہا ہے کہ قول مکحول کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے "جس نے مغرب کی نماز کے بعد دو رکعت بلا کلام کئے پڑھیں اس کی نماز اعلیٰ علیین میں داخل کرلی جاتی ہے ،" و نیز فرض سے نفل کا بھی اتصال ہے۔[۱]

مغرب کی سنتوں کے لئے دوسرا امر مسنون یہ ہے کہ ان کو گھر ادا کرنا چاہیئے چنانچہ ابوداؤد، ترمذی نسائی نے کعب بن عجرۃ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم مسجد بنی اشہل میں تشریف لائے اور مغرب کی نماز پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے لوگوں کو دیکھا کہ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں تب آپ نے ارشاد فرمایا

هذه صلاة البيوت — یہ گھر کی نماز ہے۔

ابن ماجہ نے رافع بن خدیج کی روایت سے یہ نقل کیا ہے۔

اركعوهاتين الركعتين في بيوتكم — ان دونوں رکعات کو اپنے گھر پڑھو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضور صلعم کی سیرت مبارکہ عام سنتوں اور نوافل کے بارے میں گھر میں ادا کرنے کی ہے جیسا کہ ابن عمر رضی کی حدیث میں (جس میں تعداد رکعات مذکور ہے) فی بیتہ کا لفظ موجود ہے یعنی گھر میں پڑھا کرتے تھے۔ ایسے ہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی کی روایت میں ہے کہ "آپ میرے گھر میں چار رکعات قبل ظہر پڑھتے اور باہر جاکر مسجد میں لوگوں کو نماز پڑھاتے پھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور آپ مغرب کی نماز پڑھا کر گھر میں آتے اور دو رکعت پڑھتے اور ایسے ہی عشاء کی نماز پڑھا کر آتے اور گھر میں دو رکعت پڑھتے" اسی طرح آپ سے سنت فجر کے بارے میں محفوظ ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت حفصہ رضی اور حضرت ابن عمر رضی فرماتے ہیں کہ حضور صلعم جمعہ کے بعد کی دو رکعت گھر پڑھا کرتے تھے اس کا بیان جمعہ کے بیان میں آئے گا حضور صلعم کا ارشاد گرامی ہے۔

ايها الناس صلوا في بيوتكم فان افضل صلوة المرء في بيته الا المكتوبة — لوگو! گھروں میں نماز پڑھا کرو اس لئے کہ فرض نماز کے علاوہ نماز گھر میں ہی افضل ہے۔

حضور صلعم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ سنن اور نوافل گھر ہی میں پڑھا کرتے تھے ہاں سفر یا مرض

---

[۱] فرض سے نوافل کا متصلاً ادا کرنا اہمیت سے خالی نہیں ہے وجہ اس کی غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ نوافل اور سنن کی مشروعیت اس وجہ سے ہوئی ہے کہ اگر فرض میں کوئی نقصان رہ گیا ہو تو اس کوتاہی کی تلافی ہوجائے اور یہ تلافی متصلاً ہی افضل معلوم ہوتی ہے۔ عزیز الرحمٰن غفرلہٗ

وغیرہ کے عوارض اس سے مستثنا ہیں۔[۱]

حضور صلعم سب سے زیادہ سنت فجر کی حفاظت فرمایا کرتے تھے حضور صلعم نے سفر حضر کسی حالت میں بھی سنت فجر اور وتر کو نہیں چھوڑا۔ حضور صلعم سے منقول نہیں ہے کہ آپ نے حالت سفر میں سنت فجر کے علاوہ کسی سنت کو ادا کیا۔[۲] اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضہ بھی ان دو رکعتوں کو پڑھا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں نے حضور صلعم اور حضرت ابوبکر رضہ اور حضرت عمر رضہ کے ساتھ سفر کیا ہے وہ بھی ان دونوں رکعات سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔[۳] حضرت ابن عمر رضہ سے سفر میں سنت ظہر پڑھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اگر نفل پڑھنا بہتر ہوتا تو میں سنت ظہر پڑھتا۔ یہ حضرت ابن عمر رضہ کے تفقہ کی بات ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سفر میں چار رکعات کا آدھا کر دیا اگر نوافل پڑھنا افضل ہوتا تو پھر فرض ہی کو پورا کرا یا جاتا۔[۴]

وتر اور سنت فجر فقہا میں اختلاف ہے کہ دونوں میں کون موکد ہے سنت فجر یا وتر۔ اس میں دو قول ہیں۔ ان کی وجہ سے کسی ایک کو ترجیح دینا ممکن نہیں بعض فقہا وتر کو واجب[۵] کہتے ہیں اور بعض فقہا سنت فجر کو واجب کہتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سنت ابتدائے عمل ہے اور وتر انتہائے عمل ہے یعنی دن کے شروع (صبح صادق) میں سنت فجر پڑھی جاتی ہیں اور انتہائے شب میں وتر پڑھے جاتے

---

[۱] جیسا کہ مذکورہ احادیث سے ظاہر ہے کہ فرض نماز کے علاوہ دیگر نمازیں گھر پڑھنا افضل ہیں اسلئے کہ گھر میں خیر و برکت ہوگی دوسرے یہ کہ ریا کے منافی ہے اور تیسری وجہ جو میرے نزدیک زیادہ مناسب ہے وہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی تہذیب کی مخالفت بھی اس میں موجود ہے کیونکہ ان کی عبادات صرف عبادت گاہوں ہی میں ادا ہو سکتی ہے گھر میں نہیں۔

یہاں ان مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ جو اغیار کی تہذیب کے دلدادہ ہیں غور فرمائیں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دشمنان خدا کی تہذیب کی جڑیں کہاں تک کاٹی ہیں۔ عزیز الرحمن [۲] اسلئے کہ سنت فجر تمام سنتوں میں موکد ترین ہیں امام حسن نے امام اعظم رضہ کی روایت نقل کی ہے کہ اگر ان سنتوں کو بلا عذر کے بیٹھ کر پڑھ لیا تو ادا نہ ہوں گی فقہاء نے کہا ہے کہ اصحاب افتا جو انسانوں کی ضروریات میں گھرے رہتے ہیں وہ اگر مصروفیت کی وجہ سے دیگر سنتوں کو چھوڑ دیں کوئی مضائقہ نہیں مگر سنت فجر کو وہ بھی نہیں چھوڑ سکتے الخ فتح القدیر ص۱۸۲ ج ا [۳] فقہا نے حالت سفر میں سنت فجر کے علاوہ دیگر سنتوں کا چھوڑنا افضل قرار دیا ہے ملاحظہ فرمایئے درمختار

[۴] وجہ اسکی یہ معلوم ہوتی ہے کہ حالت سفر میں دوسرے ساتھیوں کے حقوق بھی ہوتے ہیں اسلئے انکی رعایت رکھنا مقدم ہے تہجد کی نماز اس سے مستثنیٰ ہے اسلئے کہ وہ رات میں ادا ہوتی ہے اور رات عام طور سے قیام کیلئے ہے نہ کہ چلنے کے لئے۔ [۵] وتر حنفیہ کے یہاں واجب اور سنت فجر مؤکدات میں سب سے زیادہ موکد ہے عمل کے اعتبار سے دونوں کا مرتبہ تقریباً برابر ہے بلا عذر کے دونوں کو بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے جبکہ دیگر سنتوں کو بیٹھ کر پڑھا جا سکتا ہے ایسے ہی وتر کی قضا واجب ہے اور امام محمد کے نزدیک سنت فجر کی قضا نصف النہار تک افضل ہے فرض اور وتر میں اتنا فرق ہے کہ فرض کا منکر کافر ہے اور وتر کا منکر کافر نہیں ہے۔

ہیں اسی وجہ سے حضور صلعم ان دونوں رکعات میں سورۂ اخلاص کی قرأت فرمایا کرتے تھے اور یہ دونوں سورت اخلاص (قل ھو اللہ اور قل یا ایھا الکافرون) توحید عمل اور توحید علم، توحید معرفت توحید نیت، توحید عقیدہ کو جامع ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات اور شرک کی نفی، اور اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے تمام صفات کمالیہ کا ثبوت کہ جن میں کسی قسم کا نقص نہیں۔ والد اور ولد کی نفی، غنی اور احدیت کا ثبوت۔ کفو کی نفی جس سے مشابہت اور مماثلت کی نفی ہو گی۔ بہر حال یہ سورت تمام کمالات کی مثبت اور تمام نقائص کی نفی کرتی ہے اور یہی اصول توحید علمی اور اعتقادی کو جامع ہیں ان ہی وجوہات سے یہ سورت ثلث قرآن کے برابر قرار دی گئی ہے[1]

اقسام شرک

وجہ اس کی غالباً یہ ہے کہ قرآن پاک میں یا تو اخبار ہیں یا انشا، اور انشاء[2] بھی تین ہیں امر، نہی، اباحت۔ اور خبر کی دو قسم ہیں اول اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق خبر، دوسرے اس کی مخلوق کے متعلق خبر۔ اس کا پڑھنے والا مومن شرک علمی سے پاک ہو جاتا ہے اور سورۂ اخلاص کے متعلق جو احادیث ہیں وہ حد تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں یہی حال سورۂ کافرون کا ہے وہ شرک عملی، اعتقادی، ارادتی سے پاک کر دیتی ہے اور یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ثواب رکھتی ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ اذا زلزلت الخ نصف قرآن کے برابر ہے۔ قل ھو اللہ ثلث قرآن کے برابر ہے اور قل یا ایھا الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ اس حدیث کو حاکم نے مستدرک میں بھی روایت کیا اور صحیح بتلایا ہے۔

اور جب کہ شرک عملی کا تعلق شرک ارادی سے ہے کیونکہ انسانی نفوس کے لئے اغلب ہے کہ وہ اتباع نفس کی وجہ سے اس کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں باوجودیکہ ان کو اس وقت بھی حضرت حق جل مجدہٗ کا تصور ہوتا ہے اور وہ شرک کے قبائح سے آگاہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے شرک ارادی کا اکھاڑ شرک علمی کے مقابلہ میں زیادہ شدید ہے کیونکہ شرک علمی تو دلیل اور حجت کے ذریعہ ختم ہوتا ہے بخلاف شرک ارادی کے کہ اس کا مرتکب باوجود علم کے ہوائے نفس کی اتباع میں مغلوب الحال ہو جاتا ہے اور سلطان شہوت اور غضب اس کے اوپر غالب آجاتے ہیں اسی وجہ سے سورہ قل یا ایھا الکافرون میں اس کی تکرار اسکے ازالہ

---

[1] جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ان دونوں سورتوں کو سنت فجر اور وتر میں پڑھنا مسنون ہے وجہ اسکی یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ ابتداء نہار اور اختتام لیل یعنی اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی میں مومن اپنی موحدانہ زندگی کا اعلان کرتا ہے کہ وہ ایمان خالص پر قولاً اور فعلاً قائم ہے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ جب قرآن پاک میں تین قسم کے مضامین ہیں ایک انشائیات کی قبیل سے اور دو اخبار کی قبیل سے اور اخبار کا ایک مضمون صفاتی سے متعلق ہے وہ اس سورت میں موجود ہے تو اس کا مرتبہ ثواب میں ثلث قرآن کے برابر ہوا۔ عزیز الرحمٰن غفرلہ

کے ساتھ موجود ہے اس جیسا مضمون سورۂ قل ہو اللہ میں موجود نہیں ہے۔

پھر قرآن پاک کے دو جزو ہیں۔ ایک تو دنیا اور اس کے احکامات اور مکلفین کے حالات، واقعات کے متعلق ہے اور دوسرا آخرت سے متعلق ہے کہ اس میں کیا ہوگا۔ سورۂ اذا زلزلت میں اول تا آخر امور آخر ہیں۔ اس میں صرف آخرت ہی کی چیزوں کو بیان کیا گیا ہے اسی وجہ سے اس کا ثواب نصف قرآن کے برابر ہے۔ اس تاویل کے پیش نظر مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

ان ہی دونوں سورتوں کو حضور صلعم رکعت طواف میں پڑھا کرتے تھے اس لئے کہ یہ دونوں سورۂ اخلاص اور سورۂ توحید ہیں۔ ان ہی کو ابتدائے عمل نہار میں پڑھنے اور ان ہی کو اختتام عمل پر پڑھنے اور ان ہی کو طواف کی رکعات میں پڑھتے کیونکہ حج شعار توحید ہے۔

سنت فجر کے بعد لیٹنا حضور صلعم سنت فجر کے بعد دائیں کروٹ لیٹ جاتے تھے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں یہی موجود ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ

اذا صلی احدکم الرکعتین قبل	تم میں سے جب کوئی صبح کے فرض سے
صلوٰۃ الصبح فلیضطجع علے	پہلے دو رکعت پڑھے تو بعد میں دائیں پہلو
جنبہ الایمن	پر لیٹ جائے۔

امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے اور میں نے علامہ ابن تیمیہ سے سنا ہے کہ انھوں نے اس کو باطل قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ حضور صلعم سے تو اس کے متعلق فعل منقول ہے امر منقول نہیں ہے۔ اس حدیث میں عبدالواحد بن زیاد منفرد ہیں اور انھوں نے غلط بیان کیا ہے۔ ابن حزم اس لیٹنے کو اسی حدیث کی وجہ سے واجب قرار دیتے ہیں ان کا فرمانا ہے کہ جو لیٹا اس کی نماز فجر نہ ہوگی، یہ ایسی بات ہے کہ ابن حزم نے امت کے مقابلہ میں تفرد کی راہ اختیار کی ہے[لے]۔

میں نے ابن حزم کے بعض اصحاب کی کتابیں دیکھی ہیں انھوں نے اسی کی تائید کی ہے اور عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں ذکر کیا ہے کہ ابو موسیٰ رضؓ اور رافع بن خدیج رضؓ اور انس بن مالک رضؓ ان دونوں رکعات کے بعد لیٹا کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کا امر فرمایا کرتے تھے اور ابن عمر رضؓ کے بارے میں روایت ہے

لے صبح کی سنتوں کے بعد لیٹنا اگرچہ مسنون و مستحب ہے لیکن اتباع سنت کے لئے اتباع کی راہ اختیار کرنا چاہیئے حضور صلعم رات بھر عبادت کرنے کے بعد سنت پڑھ کر تھوڑا سا لیٹ جاتے تھے لہٰذا اگر شب بیدار حضرات اتباع سنت کی نیت سے لیٹ جائیں تو مناسب ہے لیکن جو حضرات رات بھر سوتے رہیں اور پھر سنت کے بعد لیٹ جائیں ان کے لئے یہ فعل مناسب نہیں ہے۔

کہ وہ ایسا نہیں کیا کرتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے۔

کفانا التسلیم — ہمیں سلام کفایت کرتا ہے

(یعنی سنت فجر میں جتنی دیر بیٹھتے ہیں راحت کے لئے وہی کافی ہے) اور بروایت ابن جریج نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔

لم یکن یضطجع لسنة ولکنه — آپ سنت کی وجہ سے نہیں لیٹتے تھے لیکن

کان یدأب لیلته فیستریح — چونکہ رات کو بیدار رہنا آپ کی عادت تھی

اس لئے تھوڑی دیر راحت کے لئے لیٹ جاتے تھے

اور حضرت ابن عمر رضؓ جب لوگوں کو دیکھتے کہ وہ لیٹتے ہیں تو ان کے باریک باریک سنگریزے مارتے (تاکہ لوگ اٹھ جائیں) اور ایسا نہ کریں۔ ابن ابی شیبہ نے بروایت ابی صدیق الناجی روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضؓ نے کچھ لوگوں کو سنت فجر کے بعد لیٹے دیکھا تو ان کے پاس ایک آدمی منع کرنے بھیجا تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ ہمیں سنت سے روکنا چاہتے ہیں اس کے جواب میں حضرت ابن عمر رضؓ نے جواب دیا۔

انها بدعة — یہ تو بدعت ہے

ابو مجلز کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضؓ سے پوچھا تو فرمایا شیطان تمہارے ساتھ کھیلتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضؓ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے، اس آدمی کو کیا کہا جائے جو دو سنتیں فجر کی پڑھنے کے بعد گدھے کی طرح لیٹ جاتا ہے[1]

علماء کی دو جماعتوں نے اس لیٹنے کے بارے میں غلو سے کام لیا ہے اور ایک تیسری جماعت نے توسط کی راہ اختیار کی ہے۔ چنانچہ اہل ظاہر اس کو واجب کہتے ہیں اور بغیر اس کے صبح کی نماز ہی کو باطل قرار دیتے ہیں، اور فقہا کی ایک جماعت اس کو مکروہ کہتی ہے اور اس کا نام انھوں نے بدعت رکھا ہے، امام مالک اور دوسرے حضرات نے اس میں اعتدال کی راہ اختیار کی ہے ان کا فرمانا ہے جو راحت کی وجہ سے لیٹنا چاہے جائز ہے البتہ جو بغرض اتباع سنت لیٹنا چاہے اس کے لئے مکروہ ہے[2]

علما کی ایک جماعت نے اس کو مستحب قرار دیا ہے خواہ راحت کے لئے لیٹے یا اتباع سنت کی غرض سے لیٹے۔ ان کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روایت مستدل ہے اور جن حضرات نے مکروہ قرار دیا ہے ان کے نزدیک حضرت ابن عمر رضؓ کے آثار مستدل ہیں اور جن حضرات نے سنت فجر کے بعد لیٹنے کا انکار کیا ہے ان کا استدلال حضرت ابن عباس رضؓ کے ارشاد سے ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلعم وتر کے بعد لیٹتے تھے

---

[1] یہ قول اوجز المسالک میں نقل کیا ہے [2] ایضاً ص۱۴۲ ج۱

اب رہا حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی حدیث کا معاملہ اس میں ابن شہاب کو اختلاف ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ حضور صلعم جب قیام لیل سے فارغ ہو جاتے تو مؤذن کے آنے تک دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے۔ جب مؤذن آواز دیتا تو دو ہلکی سی رکعت پڑھتے"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لیٹنا فجر کی سنت سے قبل ہوتا تھا۔ ابن شہاب ہی کی دوسری روایت یہ ہے کہ "جب مؤذن اذان فجر سے فارغ ہوتا اور فجر ہو جاتی تو مؤذن آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔

فرکع رکعتین خفیفتین ثم	تو آپ دو ہلکی رکعت پڑھتے اور اس کے
اضطجع علی شقہ الایمن	بعد دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے۔

محدثین نے بیان کیا ہے کہ جب روایت میں ابن شہاب کے شاگرد مختلف ہیں تو امام مالک کا قول بہتر ہے اس لئے کہ وہی قول محفوظ تر ہے۔ دوسرے حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اس مسئلہ میں امام مالک کے قول کا خلاف بہتر ہے چنانچہ ابو بکر الخطیب کہتے ہیں کہ امام مالک نے حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث بواسطہ زہری عن عروۃ نقل کی ہے کہ "حضور صلعم رات کو گیارہ رکعات مع وتر پڑھا کرتے تھے جب ان سے فارغ ہوتے تو

اضطجع علی شقہ الایمن حتی	آپ دائیں پہلو پر لیٹ جاتے تھے جب
یاتیہ المؤذن فیصلی رکعتین	مؤذن آتا تو آپ ہلکی دو رکعت پڑھتے
خفیفتین	

امام مالک کی مخالفت بہت عقیل، یونس، شعیب، ابن ابی ذویب، اوزاعی نے کہا ہے۔ انھوں نے زہری کی روایت اس طرح نقل کی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	کہ حضور صلعم فجر کی دو رکعت پڑھ کر دائیں
کان یرکع رکعتین للفجر ثم	پہلو پر لیٹ جاتے تھے جب مؤذن آتا
یضطجع علی شقہ الایمن حتی	تو اس کے ساتھ باہر تشریف لے جاتے تھے
یاتیہ المؤذن فیخرج معہٗ	

غرضکہ امام مالک نے تو یہ بیان کیا ہے کہ یہ لیٹنا سنت فجر سے قبل تھا اور دیگر علماء کا یہ کہنا ہے کہ سنت فجر کے بعد تھا اس بنا پر بعض علماء نے کہہ دیا ہے کہ امام مالک نے خطا کی ہے اھ

ابو طالب کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے پوچھا کہ یہ حدیث حدثنا ابو الصلت عن ابی کریب عن ابی سہیل عن ابی ہریرہ عن النبی صلعم

انه اضطجع بعد رکعتی الفجر — کہ آپ رکعت فجر کے بعد لیٹا کرتے تھے۔

فرمایا شعبہ نے اسکو حدیث مرفوع قرار نہیں دیا ہے۔ میں نے پوچھا اگر کوئی نہ لیٹے تو کیسا ہے؟ فرمایا کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضہ روایت کرتی ہیں اور حضرت ابن عمر رضہ انکار کرتے ہیں۔

علامہ جلال کہتے ہیں کہ ہم سے مروزی نے کہا کہ ابوعبداللہ نے ہم سے کہا کہ حدیث ابوہریرہ ایسے نہیں ہے میں نے کہا اعمش تو عن صالح عن ابی ہریرہ ایسے ہی روایت کرتے ہیں فرمایا عبدالواحد اس میں منفرد ہیں۔ ابراہیم بن حارث کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ سے اس لیٹنے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا میں تو لیٹتا نہیں ہوں اور اگر کوئی لیٹے تو اچھا ہے۔

بہرحال اگر حدیث عبدالواحد صحیح ہے تو زیادہ سے زیادہ اس سے استحباب ثابت ہوتا ہے رہا حضرت عائشہ رضہ کی حدیث کا معاملہ تو جواب یہ ہے کہ حضور صلعم کبھی سنت فجر کے بعد لیٹتے تھے اور کبھی سنت فجر سے قبل۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں ہے[1]۔

اب رہا داہنی طرف لیٹنے کا معاملہ سو اس میں بھی ایک راز ہے وہ یہ کہ قلب بائیں طرف معلق رہتا ہے۔ جب کوئی بائیں طرف کو لیٹے تو نیند گہری آئیگی اور جب دائیں طرف کو لیٹے تو تھوڑا اضطراب رہیگا اور گہری نیند نہ آئیگی اسی وجہ سے اطباء نے بائیں کروٹ لیٹنے کو کمال راحت کی وجہ سے اچھا سمجھا ہے اور صاحب شرع نے دائیں طرف لیٹنے کو اچھا سمجھا تاکہ قیام لیل سے غفلت نہ ہو جائے۔ بہرحال بائیں طرف کو لیٹنے میں بدن کا فائدہ ہے اور دائیں طرف لیٹنے میں قلب کا فائدہ ہے۔

لیٹنے کے بارے میں مذاہب

[1] مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں سنت فجر کے بعد یا قبل لیٹنے میں چند مذاہب ہیں۔ (۱) یہ لیٹنا سنت ہے یہ مذہب امام شافعی صاحب کا ہے نووی نے بھی یہی کہا ہے (۲) یہ لیٹنا مستحب ہے یہی جماعت صحابہ سے منقول ہے امام احمد کا ایک قول یہ بھی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مستحب نہیں ہے کیونکہ ابن مسعود رضہ نے اسکا انکار کیا ہے (۳) یہ لیٹنا واجب ہے اور فرض ہے یہ ابن حزم کا قول ہے (۴) یہ لیٹنا بدعت ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضہ نے فرمایا ہے اور حضرت ابن عمر رضہ کا بھی یہی فرمانا ہے (۵) یہ لیٹنا خلاف اولیٰ ہے یہی حضرت حسن نے روایت کیا ہے (۶) یہ لیٹنا مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ مقصود سنت اور فرض کے درمیان فصل ہے ایک قول امام شافعی صاحب کا یہ بھی ہے (۷) شوکانی نے کہا ہے کہ یہ لیٹنا اس آدمی کے لئے ہے جس نے قیام لیل کیا ہے انتظار صلوٰۃ کیلئے نہیں ابن عربی کا بھی یہی قول ہے۔ اسکے متعلق حضرت عائشہ رضہ کی حدیث گذر چکی ہے (۸) صوفیا فرماتے ہیں کہ یہ حضور صلعم کے خصائص میں سے ہے کیونکہ حالت صلوٰۃ میں آپ کو جو عروج حاصل ہوتا تھا لیٹ کر یا اپنی ازواج سے بات چیت کر کے نزول کی طرف آتے تھے ورنہ کوئی بھی آپ سے ملاقات کی طاقت نہ رکھتا۔ الخ لامع ص۸۵ ج ۲۔ میرے نزدیک آخری قول صوفیانہ نکات میں سے ہے اور اس کا معارض موجود ہے کیونکہ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے بھی تو بات چیت فرماتے تھے۔ عزیزالرحمن

سترہواں باب

صلوٰۃ تہجد یا قیام لیل

صلوٰۃ تہجد کی حیثیت اسلاف اور اخلاف کا اس میں اختلاف ہے کہ صلوٰۃ تہجد آپ پر فرض تھی یا نہیں دونوں فریق نے اس آیۃ مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

ومن اللیل فتہجد بہ نافلۃ لک ۔ — اور کچھ رات رہے بیدار رہو یہ نافلہ ہے آپ کے لئے۔

اس آیت میں نافلہ کہہ کر عموم وجوب کی صراحت کر دی ہے۔ دوسرے فریق نے کہا ہے کہ اسی سورت میں آپ کو قیام لیل کا امر کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

یاایہا المزمل قم اللیل الا قلیلاً — اے کملی والے! قیام لیل کر مگر تھوڑا

اور اس آیت کا ناسخ موجود نہیں ہے رہی یہ بات کہ نافلہ کیا ہے تو نافلہ بمعنی نفل کوئی خصوصیت کی چیز نہیں ہے (کیونکہ لک میں لام تخصیص پر دلالت کرتا ہے) بلکہ نافلہ سے مراد "زیادتی" ہے اور مطلقاً زیادتی سے نفل ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

ووھبنا لہ اسحٰق ویعقوب نافلۃ — اور مرحمت فرمایا ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاق اور یعقوب مزید

اسی طرح سے نافلۂ تہجد درجات نبی اور آپ کے اجر میں زیادتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ آپ کی تخصیص ہے اور دوسرے کے لئے یہ مباح ہے اور باعث کفارہ سیّات ہے رہا حضور صلعم کا معاملہ تو ان کے لئے تو بالکلیہ معافی ہے۔ لہٰذا آپ کا عمل زیادتیٔ درجات اور بلندیٔ مراتب کے لئے ہوا اور دوسروں کا کفارۂ سیات کے لئے۔ مجاہد نے کہا ہے کہ صلوٰۃ تہجد حضور صلعم کیلئے نافلہ تھی اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ کو بالکلیہ معافی ہے اس لئے آپ کی طاعت زیادتی ثواب کیلئے ہوئی۔ ابن منذر نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ

ماسویٰ المکتوبۃ فھو نافلۃ — فرض کے علاوہ نفل ہی ہیں۔

اور نافلہ کفارۂ ذنوب میں عمل نہیں کرتے پھر نافلہ تو صرف حضور صلعم ہی کیلئے خاص ہیں رہا دوسرے

انسانوں کا معاملہ تو وہ کفارۂ ذنوب کیلئے عمل کرتے ہیں کیونکہ مجھ تک حضرت حسن کی یہ روایت بسند متصل پہنچی ہے کہ انھوں نے آیت مبارکہ ومن اللیل فتہجد بہ نافلۃ لک کے بارے میں فرمایا ہے۔

لایکون نافلۃ الا للنبی صلی اللہ علیہ وسلم — کہ نافلہ بجز حضور صلعم کے کسی کے لئے نہیں ہے۔

ضحاک کے بھی یہی الفاظ ہیں۔ سلیمان بن حبان نے ابوامامۃ کی روایت ابوغالب کے واسطہ سے نقل کی ہے کہ

اذا وضعت الطھور مواضعہ قمت مغفوراً لک فان قمت تصلی کانت لک فضیلۃ واجراً — جب تو نے باقاعدہ وضو کیا تو تو نجات یافتہ ہوکر کھڑا ہوا اور جب تو نماز کے لئے کھڑا ہوا تو اس میں تیرے لئے فضیلت اور ثواب ہے

کسی نے ابوامامۃ سے پوچھا اگر کوئی تہجد کی نماز پڑھے تو یہ اس کے لئے نافلہ ہے یا نہیں تو فرمایا نافلہ صرف حضور صلعم کے لئے ہے اس کیلئے نافلہ کیسے ہوسکتی ہے۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان کیلئے تو فضیلت ہے یا اجر ہے۔ بہر حال علامہ فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں نافلہ سے مراد وہ نہیں ہے جس کا فعل اور ترک دونوں جائز ہوں، جیسے مستحب اور مندوب، بلکہ اس سے مراد زیادتی درجات ہے اور اتنی بات تو فرض اور نافلہ دونوں میں مشترک ہے لہٰذا نافلہ سے امر کی نفی نہیں ہوتی جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ بحث اس مسئلہ میں خصائص کے بیان میں آئے گی۔

وتر کی قضا کا بیان

حضور صلعم سفر، حضر کی حالت میں بھی تہجد کی نماز قضا نہیں کرتے تھے اگر کسی وجہ سے رات کو نہ اٹھ پاتے تو دن میں بارہ رکعات اس کی قضا پڑھتے تھے[1] میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سنا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی قضا نہیں ہے[2] کیونکہ وہ بھی تحیۃ المسجد، صلوٰۃ کسوف اور صلوٰۃ استسقا کی طرح ہے اور وتر سے مقصود یہ ہے کہ وہ رات کے آخری حصہ میں ہو جیسا کہ مغرب آخری صلوٰۃ نہار ہے لہٰذا جب رات ختم ہوگئی اور صبح کی نماز پڑھ لی گئی تو وتر کا محل باقی نہ رہا[3] لیکن ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت نقل کی ہے۔

من نام عن الوتر او نسیہ فلیصلہ اذا اصبح او ذکر — جو وتر پڑھے بغیر سوگیا یا بھول گیا پس اسے صبح کو یا جب یاد آئے پڑھ لینا چاہیئے

---

[1] اہل طریقت نے بیان کیا ہے کہ عادت برقرار رہنے کیلئے ایسا کرلینا چاہیئے [2] دلیل غیر واضح ہے کیونکہ عدم ذکر سے عدم ثبوت لازم نہیں آتا [3] یہ بات تو مغرب کی نماز کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے کہ اگر اسکو کوئی وقت پر نہ پڑھے تو وقت گزرنے کے بعد اسکی قضا واجب نہیں کیونکہ وہ وتر نہار ہے باں ہم اسکی قضا واجب ہے اور اسی پر اجماع ہے۔

لیکن اس حدیث میں چند کمزوریاں ہیں ۱؎ یہ کہ اس حدیث کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید ہیں جو ضعیف ہیں ۲؎ یہ حدیث مرسل ہے لیکن امام ترمذی نے اس مرسل کو اصح قرار دیا ہے ۳؎ ابن ماجہ نے حدیث ابی سعید نقل کرنے کے بعد یہ حدیث نقل کی ہے۔

اوتروا قبل ان تصبحوا — صبح ہونے سے قبل وتر پڑھ لیا کرو۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیث کمزور ہے ۱؎

تعداد رکعات تہجد

حضور صلعم تہجد کی نماز گیارہ رکعات (آٹھ نفل تین وتر) پڑھتے تھے یا تیرہ رکعات (دس نفل اور تین وتر) چنانچہ حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت عائشہ رضؓ سے یہ روایت منقول ہے جو صحیحین میں موجود ہے کہ

ماکان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا غیرہٖ علی احدی عشرۃ رکعۃ — حضور صلعم گیارہ رکعات سے زیادہ نہ رمضان میں پڑھتے تھے اور نہ غیر رمضان میں۔

ان ہی کی دوسری روایت صحیحین میں اس طرح ہے۔

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ یوتر من ذالک بخمس لایجلس — حضور صلعم رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے اور پانچ رکعت کے ساتھ وتر پڑھتے تھے اور بجز آخری رکعت کے درمیان میں نہیں

۱؎ محض بیان ترتیب سے کیسے کمزور ہونا ثابت ہوا؟ کیا یہ بھی کوئی دلائل شرعیہ میں سے ہے۔ مصنف کو اختیار ہے کہ وہ چاہے پہلے قوی بیان کرے یا ضعیف یا برعکس۔ بات در اصل یہ ہے کہ وتر واجب ہیں اور واجب کی قضا لازم آتی ہے اسی پر امت کا اجماع ہے۔ علامہ کو جب دلیل دستیاب نہیں ہوئی تو انھوں نے احتمالات نکالنے شروع کر دیئے۔ یہ درسگاہی دلیل تو بن سکتی ہے شرعی دلیل نہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک وتر بدلائل قوی واجب ہیں ان میں سے ایک حدیث مسند امام اعظم میں یہ ہے ان اللّٰہ افترض علیکم وزادکم الوتر ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں ان اللّٰہ زادکم صلوٰۃ وھی الوتر فحافظوا علیہا۔ ان سے وجوب وتر ثابت ہے کیونکہ زیادتی جنس کی ہوتی ہے غیر جنس کی نہیں۔ لیکن چونکہ یہ روایت نص قطعی کے درجہ میں نہیں ہے اس لئے فرضیت تو ثابت نہیں ہو سکتی البتہ وجوب ضرور ثابت ہے۔ ابو داؤد میں حضرت ابوایوب انصاری رضؓ کی روایت ہے الوتر حق علی کل مسلم۔ اس سے بھی صراحۃً وجوب ثابت ہے۔ ابی داؤد ہی میں ایک روایت اور ہے جس میں ہے فمن لم یوتر فلیس منا اس سے بھی وجوب ثابت ہے۔ مسلم شریف میں حضرت ابوسعید رضؓ کی روایت امر کے صیغہ سے ذکر ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖ ❖

فی شی الا فی اخرھن　　　　بیٹھتے تھے۔

حضرت عائشہ رضؓ کی صحیح حدیث پہلی ہی ہے اور گیارہ رکعات سے زیادہ یعنی تیرہ رکعات تو اس میں دو رکعت سنت فجر بھی شامل کر لی گئی ہیں۔ چنانچہ یہ چیز بصراحت مندرجہ ذیل حدیث میں موجود ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ　　　　حضور صلعم بشمول سنت فجر تیرہ رکعات
وسلم یصلی ثلاث عشرۃ برکعتی الفجر　　　　پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث کو امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ امام بخاری نے اس حدیث کو اس طرح بیان کیا ہے "حضور صلعم رات کو تیرہ رکعات پڑھا کرتے تھے پھر جب اذان سنتے تو دو رکعت سنت فجر ادا فرماتے تھے۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث بروایت قاسم بن محمد اس طرح ہے کہ حضور صلعم تہجد کی نماز دس رکعات پڑھتے اور ایک رکعت ملا کر وتر پڑھتے تھے اور دو رکعات سنت فجر پڑھتے تھے اس طرح کل تیرہ رکعات ہوتی تھیں۔ یہ حدیث پہلی حدیث کا بیان ہے۔ رہا حضرت ابن عباس رضؓ کی حدیث کا معاملہ تو ہمیں اختلاف ہے۔ حضرت حمزہ رضؓ ان سے نقل کرتے ہیں کہ حضور صلعم کی رات کی نماز تیرہ رکعات ہوتی تھیں۔ اس کی تفسیر اس طرح ہے کہ اس میں دو رکعت سنت فجر بھی ہوتی تھیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت ابن عمر رضؓ سے پوچھا کہ حضور صلعم رات میں کتنی رکعات پڑھا کرتے تھے فرمایا آٹھ رکعت نفل تین رکعت وتر اور دو رکعت سنت اور صحیحین میں حضرت کریب رضؓ کی روایت ہے جس میں انھوں نے حضرت ابن عباس رضؓ کی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ رضؓ کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ

حضور صلعم نے تیرہ رکعات نفل پڑھیں اور پھر سو گئے اس کے بعد اٹھے تو دو رکعت سنت فجر ہوتے ہی پڑھیں اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں آپ نے دو رکعت پڑھیں پھر دو پھر دو پھر دو پھر دو پھر دو پھر وتر پڑھے پھر لیٹ گئے اور جب موذن آیا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے پھر آپ نے دو رکعت ہلکی پڑھیں۔ پھر آپ تشریف لے گئے اور صبح کے فرض ادا کئے۔

اس سے اس قدر معلوم ہوا کہ آپ نے گیارہ رکعات پڑھی ہیں اسی پر اتفاق ہے ہاں اس میں اختلاف ہے کہ ان کے بعد جو دو رکعات پڑھیں وہ سنت فجر تھیں یا ان کے علاوہ تھیں لیکن جب آپ کی نماز کی تمام رکعات کی تحقیق کی گئی تو تمام رکعات کی تعداد چالیس معلوم ہوئی جن کو آپ ہمیشہ ادا فرمایا کرتے تھے جن میں سے سترہ رکعات تو فرض ہیں اور دس رکعات یا بارہ رکعات سنت راتبہ ہیں اور تیرہ رکعات (مع وتر) صلوٰۃ تہجد ہیں اس طرح مجموعہ چالیس رکعات ہیں اور اس کے علاوہ جتنی رکعات زیادہ ثابت ہیں وہ سنت غیر راتبہ ہیں جو کسی ضرورت کے ماتحت پڑھی گئی ہیں جیسے صلاۃ فتح۔ آپ نے آٹھ

رکعات پڑھیں[1]۔ اشراق کی نماز، جب کسی کے یہاں تشریف لے جاتے[2] تحیۃ المسجد[3]، سفر سے آنے کے وقت[4] ایک مسلمان کے لئے یہی لائق ہے کہ ان اوراد کو مرتے دم تک اپنا معمول بنائے۔ خیال فرمایئے اس مسلمان کی دعا کیوں نہ سنی جائے جو دن میں چالیس بار اپنے رب کا دروازہ کھٹکھٹائے۔

ابتدائے شب میں تہجد اور وتر

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلعم جب بھی رات کو بعد عشاء میرے یہاں تشریف لاتے تو اول آپ چار رکعات یا چھ رکعات پڑھتے اور اس کے بعد بستر پر تشریف لے جاتے۔ حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ جب کبھی میرا اتفاق حضور صلعم کے یہاں (اپنی خالہ حضرت میمونہ رضؓ) قیام کا ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضور صلعم عشاء کی نماز پڑھ کر تشریف لاتے اور نماز پڑھتے اس کے بعد سو جاتے تھے۔ ان دونوں حدیثوں کو ابو داؤد نے ذکر کیا ہے۔

حضور صلعم جب رات کو بیدار ہوتے تو پہلے مسواک کرتے تھے پھر ذکر کرتے۔ یہ بھی منقول ہے کہ بیدار ہوتے ہی ذکر کرتے اس کے بعد وضو کرتے پھر ہلکی دو رکعت پڑھتے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی روایت موجود ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ	جب حضور صلعم رات کو قیام لیل کے لئے
اذا قام من اللیل افتتح صلاتہ	کھڑے ہوتے تو پہلے ہلکی دو رکعت
برکعتین خفیفتین	پڑھتے تھے۔

حضرت ابی ہریرہ رضؓ کی روایت میں اسکا امر بھی فرمایا ہے چنانچہ ارشاد گرامی ہے۔

---

[1] حضرت معاذ بن جبل رضؓ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے اشراق کی کتنی رکعات پڑھی ہیں؟ فرمایا چار رکعات رواہ ترمذی حضرت ام ہانی رضؓ نے فتح مکہ کے دن آپ کی نماز اشراق کے متعلق فرمایا ہے کہ آپ نے میرے گھر میں آٹھ رکعات پڑھیں جمع الفوائد [2] جیسا کہ آپ نے حضرت قیس بن مالک رضؓ کے یہاں جاکر نماز پڑھی تھی [3] صلوٰۃ تحیۃ المسجد کے بارے میں حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس۔ یعنی جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو اس کو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لینی چاہیئے۔ امام احمد نے اس کو واجب قرار دیا ہے لیکن ہمارے یہاں یہ مستحب ہیں بشرطیکہ موانع نہ ہو۔ مثلاً اوقات مکروہ، قیام جماعت، تنگیٔ وقت، وقت خطبہ۔ لیکن حضرت امام احمد بہر وقت اس کو واجب کہتے ہیں۔

[4] حضرت ابن عمر اور کعب بن مالک رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم جب کسی سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں داخل ہوتے اور دو رکعت پڑھتے اس کے بعد اپنے دولتکدہ میں داخل ہوتے۔ حضرت ابن عمر رضؓ کا بھی یہی معمول تھا (جمع الفوائد) اور طبرانی نے بیان کیا ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی سفر کا ارادہ کرے اور اپنے گھر میں دو رکعت پڑھ کر جائے تو یہ اس کی عدم موجودگی میں اس کا بہترین جانشین ہیں اھ الرد المحتار صـ۵۰۴ ج۱

اذا قام احدکم من اللیل فلیفتح برکعتین خفیفتین

جب تم میں سے کوئی رات کی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اسکو پہلے دو ہلکی رکعت پڑھنا چاہیئے

کبھی آپ آدھی رات کو اٹھتے یا کچھ تھوڑا پہلے یا کچھ تھوڑا بعد۔ بسا اوقات آپ مرغ کی آواز سنکر بیدار ہو جاتے تھے۔ اور مرغ ہمیشہ نصف رات کے بعد بولتا تھا۔ اور آپ بیدار ہو کر کبھی کچھ تلاوت فرماتے اور کبھی نماز پڑھتے اور اکثر نماز ہی پڑھتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضؓ کی حدیث میں مذکور ہے کہ جب آپ بیدار ہوتے تو اولاً مسواک کرتے پھر وضو کرتے اور اس کے بعد آیات

ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنہار لاٰیات لاولی الباب

ختم سورۃ تک تلاوت فرماتے پھر کھڑے ہوتے اور دو رکعت پڑھتے اور ان میں قیام اور رکوع و سجدہ طویل فرماتے تھے۔ اس کے بعد پھر سو جاتے یہاں تک کہ آپ کے سانس کی آواز سنائی دیتی۔ غرضکہ آپ ایسا ہی تین مرتبہ کرتے تھے۔ آخر میں تین وتر پڑھتے اتنے میں مؤذن اذان دیدیتا اور آپ یہ دعا پڑھتے ہوئے دولتکدہ سے باہر تشریف لاتے۔

اللّٰھم اجعل فی قلبی نوراً ولسانی نوراً واجعل فی سمعی نوراً واجعل فی بصری نوراً واجعل فی خلفی نوراً ومن امامی نوراً واجعل لی من فوقی نوراً ومن تحتی نوراً اللّٰھم اعطنی نوراً رواہ مسلم

حضرت ابن عباس رضؓ نے اپنی روایت میں شروع میں دو ہلکی رکعتوں کو ذکر نہیں کیا ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث میں موجود ہے۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ آپ کبھی ایسا کرتے ہوں گے اور کبھی ویسا یا یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ نے جو بیان کیا ہے وہ حضرت ابن عباس رضؓ کو یاد نہ رہا ہوگا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ قیام لیل کے متعلق اعلم الخلق ہیں یعنی ان کو حضور صلعم کے قیام لیل کا سب سے زیادہ علم ہے اور حضرت ابن عباس رضؓ کو تو صرف اپنی خالہ میمونہ کے یہاں سونے کی رات کی بات معلوم ہے لہٰذا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں کے اختلاف میں حضرت عائشہ کی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔ بہر حال قیام لیل اور وتر کی چند نوعیں ہیں۔

لے حضور صلعم ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے تھے حدیہ ہے کہ سوتے میں بھی چنانچہ ایک حدیث میں مذکور ہے کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل جاگتا ہے۔ بیدار ہونے کے بعد الحمد للہ الذی احیانی بعد ما اماتنی یا اسی قسم کی کوئی دعا پڑھتے اور مسواک و وضو کے بعد سورۂ آل عمران کی مذکورہ آیات پڑھتے اور جب مسلسل قیام فرماتے تو پہلے ہلکی رکعت پڑھتے اور پھر طویل طویل پڑھتے اور اگر مسلسل قیام نہ کرتے تو پھر دو رکعت طویل پڑھتے اور پھر سو جاتے اور پھر اٹھ جاتے اور پھر ایسا ہی کرتے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضؓ کی حدیث میں مروی ہے۔

انواع قیام لیل

نوع اول جو حضرت ابن عباس رضؓ نے ذکر کی ہے۔ نوع دوم جو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بیان فرمائی ہے۔ اس میں شروع میں ہلکی دو رکعت، پھر گیارہ رکعت ہیں تیسری نوع اس میں تیرہ رکعات ہیں، چوتھی نوع اس میں ہے آپ آٹھ رکعت پڑھتے پھر پانچ کے ساتھ وتر مسلسل پڑھتے اور ان پانچ رکعات میں صرف آخر میں بیٹھتے۔ پانچویں قسم نو رکعات پڑھتے ان میں آٹھویں رکعت پر بیٹھتے اور پھر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے پھر کھڑے ہو جاتے اور نویں رکعت پڑھتے پھر قعدہ کرتے اور سلام پھیرتے۔ چھٹی قسم یہ ہے کہ اسی طرح سات رکعات پڑھتے۔ اور آخر میں دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے ساتویں قسم یہ ہے کہ آپ دو دو رکعت پڑھتے اور آخر میں تین وتر پڑھتے اور وتر میں کوئی فصل نہیں ہوتا تھا یعنی ایک ہی سلام کے ساتھ تین وتر پڑھتے تھے۔ اس روایت کو امام احمد نے نقل کیا ہے۔ امام نسائی نے بھی حضرت عائشہ رضؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے

لا یسلم فی رکعتی الوتر — آپ وتر میں دو رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے

لیکن یہ محل نظر ہے کیونکہ ابن حبان اور ابو حاتم نے حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روایت اس طرح نقل کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

لا توتروا بثلاث اوتروا بخمس او بسبع ولا تشبہوا بصلاۃ المغرب — تین رکعت کے وتر نہ پڑھو بلکہ پانچ رکعت یا سات رکعت کے وتر پڑھو اور اس کو مغرب کی نماز کے مشابہ نہ بناؤ [۱]

دار قطنی نے کہا ہے کہ اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔ جہنی کہتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ [۲] سے سوال کیا کہ آپ کا کیا خیال ہے؟ آیا وتر میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دینا چاہیئے۔ فرمایا ہاں! پھر پوچھا کیوں؟ تو فرمایا کہ اس کے بارے میں قوی ترین اور زیادہ حدیثیں موجود ہیں چنانچہ امام زہری نے عن عروۃ عن عائشہ رضؓ روایت کیا ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سلم من الرکعتین — حضور صلعم نے دو رکعت پر سلام پھیرا۔

حارث نے کہا ہے امام احمد سے پوچھا گیا تو فرمایا دو رکعت پر سلام پھیر دینا چاہیئے اور اگر نہیں پھیرا تو بھی مجھے امید ہے کہ کوئی نقصان نہیں ہوا ہاں یہ بات ضرور ہے کہ پہلی صورت زیادہ مضبوط ہے۔

---

[۱] تین وتروں کا ایک سلام سے پڑھنا محل نظر نہیں ہے بلکہ محل نظر پانچ وتر یا سات وتر کا ہے کیونکہ بقول علامہ ابن قیم حضرت عائشہ رضؓ اس معاملہ میں سب سے زیادہ عالم ہیں اسکے علاوہ دار قطنی کی مذکورہ روایت خود محل نظر ہے اور حدیث صحیح کے خلاف ہے کیونکہ آپ نے خود صلوٰۃ مغرب کو وتر نہار قرار دیا ہے [۲] کنیت امام احمد بن حنبلؒ

ابو طالب نے کہا کہ میں نے ابو عبداللہ سے پوچھا کہ ہم وتر کے بارے میں کس حدیث پر عمل کریں۔ تو فرمایا تمام حدیثیں درست ہیں ہاں جس نے پانچ وتر پڑھے اس کو صرف آخر میں بیٹھنا چاہیئے اور سات میں بھی آخر میں بیٹھنا چاہیئے۔ اور حدیث زرارہ میں مذکور ہے کہ آپ نے نو وتر پڑھے اور آٹھویں رکعت میں بیٹھے۔ لیکن قوی ترین زیادہ تر حدیثیں ایک ہی وتر کے بارے میں ہیں۔ یہ سنکر میں نے کہا کہ حضرت ابن مسعود تین رکعت کو فرماتے ہیں فرمایا ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ آٹھویں قسم یہ ہے کہ جس کو امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں۔

انہ صلی مع النبی صلی اللہ علیہ	کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ
وسلم فی رمضان فرکع فقال فی	رمضان میں نماز پڑھی۔ آپ نے رکوع کیا
رکوعہ سبحان ربی العظیم مثل	اور اس میں سبحان ربی العظیم بقدر قیام
ما کان قائما ثم جلس یقول	پڑھا۔ پھر بیٹھ گئے اور رب اغفرلی بقدر
رب اغفرلی رب اغفرلی مثل	قیام پڑھا۔ آپ نے صرف چار رکعت اس
ما کان قائما فما صلی الا اربع	طرح پڑھیں۔ اتنے میں حضرت بلال سحری
رکعات حتی جاء بلال یدعوہ	کیلئے بلانے آگئے۔ آپ نے رات کے اول بیچ
الی الغداۃ واوتر اول اللیل	اور آخر حصہ میں بھی وتر پڑھے ہیں اور پوری
ووسطہ واخرہ وقام لیلۃ	رات بھی قیام کیا ہے اور ایک ہی آیت کی
تامۃ بایۃ یتلوھا ویرددھا	پوری رات صبح تک تکرار بھی کی ہے وہ آیت
حتی الصباح وھی ان تعذبھم	یہ ہے۔ ان تعذبھم الخ
فانھم عبادک۔	

آپ رات کو تین طرح نماز پڑھتے تھے ۱۔ پوری رات کھڑے ہو کر ۲۔ بیٹھ کر قیام اور بیٹھ کر رکوع بیٹھ کر قرأت پڑھتے اور جب تھوڑی باقی رہ جاتی تو کھڑے ہو جاتے اور کھڑے ہو کر رکوع و سجدہ کرتے۔ یہ تینوں قسمیں صحیح ہیں لیکن بیٹھ کر قیام کرنا۔ اس روایت کو امام نسائی نے بروایت عبداللہ بن شقیق عن عائشہ رض نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ	میں نے حضور صلعم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے
وسلم یصلی متربعاً	دیکھا ہے۔

امام نسائی کہتے ہیں کہ اس روایت کو ابو داؤد جعفری کے علاوہ کسی نے بیان نہیں کیا۔ اگرچہ جعفری ثقہ ہیں مگر انھوں نے اس حدیث میں خطا کی ہے۔[1]

(حاشیہ آگے ملاحظہ ہو)

وتر کے بعد بیٹھ کر نماز

حضور صلعم سے ثابت ہے کہ آپ وتر کے بعد دو رکعت بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے کبھی آپ ان دونوں رکعات میں بیٹھ کر قرأۃ فرماتے اور جب رکوع کرتے تو کھڑے ہو کر رکوع کرتے تھے. صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضہ کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضہ سے حضور صلعم کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا آپ تیرہ رکعات پڑھا کرتے تھے. پہلے آٹھ رکعات پڑھتے پھر تین رکعات وتر پڑھتے اور پھر

یصلی رکعتین وھو جالس فاذا	آپ دو رکعت بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے اور
اراد ان یرکع قام فرکع ثم یصلی	جب رکوع کا ارادہ کرتے تو کھڑے ہو کر
رکعتین بین النداء والاقامۃ	رکوع کرتے اس کے بعد صبح کی نماز کی اذان
من صلوٰۃ الصبح	اقامت کے درمیان دو رکعت (یعنی سنت فجر پڑھتے)

حاشیہ گذشتہ صفحہ کا۔ رکعات وتر

لہ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ علماء کے اس میں تین قول ہیں بعض کہتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے یہ مسلک امام مالک، امام شافعی کا ہے بعض کہتے ہیں کہ وتر تین رکعت ہیں ایک سلام سے اور بعض کہتے ہیں تین رکعت ہیں مگر دو سلام سے. لیکن صحیح مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے. امام ابو حنیفہ کے دلائل نہایت قوی ہیں حضرت عائشہ رضہ کی روایت (جنکے متعلق علامہ کا ارشاد ہے کہ حضور صلعم کے قیام لیل کے بارے میں ان سے زیادہ کوئی عالم نہیں ہے) جسکو امام حاکم نے شرط شیخین پر قرار دیا ہے یہ ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لا یسلم الا فی اخرھن یعنی حضور صلعم تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے اور انکے آخر میں سلام پھیرا کرتے تھے. امام نسائی نے حضرت عائشہ رضہ کی روایت اس طرح بیان کی ہے کان النبی صلعم لا یسلم فی رکعتی الوتر یعنی حضور صلعم وتر کی دو رکعت پر سلام نہ پھیرا کرتے تھے. تیسری روایت دار قطنی کی ہے جسکے راوی حضرت ابن مسعود رضہ ہیں جس میں ہے وتر اللیل ثلاث کوتر النھار صلوٰۃ المغرب یعنی رات کے وتر تین ہیں جیسا کہ دن کے وتر صلوٰۃ مغرب تین رکعت ہیں. امام طحاوی نے ابی خالد کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے ابو العالیہ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم کو اصحاب نبی صلعم نے وتر مغرب کی نماز کی طرح سکھائے اور فرمایا یہ رات کے وتر ہیں. چوتھی روایت امام بخاری نے قاسم بن محمد کی نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو وتر کی تین رکعت پڑھتے ہوئے پایا. پانچویں روایت یہ ہے کہ کسی نے حسن سے کہا ابن عمر رضہ وتر کی دو رکعت پر سلام پھیر دیتے ہیں فرمایا حضرت عمر رضہ ابن عمر رضہ سے زیادہ فقیہ تھے وہ تو دو کے بعد تکبیر کہتے ہوئے اٹھ جاتے تھے. اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں بیان کیا ہے. ابن ابی لیلیٰ نے کہا ہے اجتمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی اخرھن. یعنی مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر کی تین رکعت ہیں اور ان کے آخر ہی میں سلام پھیرنا چاہیئے. موطا میں امام محمد نے حضرت ابن مسعود رضہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ وتر کی ایک رکعت ہرگز کافی نہیں ہے. اس کے بعد امام مالک اور امام شافعی کے مستدل اوتروا بواحدۃ کا مطلب یہ ہے کہ دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت ملا کر اسکو وتر بنا لو اذیکہ وتر ایک رکعت ہیں. اس کے علاوہ حنفی مسلک کے لئے ان دلائل اور روایت میں بھی تائید ہے جن میں وتر کی قرأت کا ذکر ہے کہ پہلی رکعت میں سبح اسم میں دوسری میں کافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ یہ بھی تسلسل کو چاہتا ہے ۱۲ (ماخوذ از حاشیہ مسند امام اعظم، کتاب الآثار امام محمد شرح معانی الآثار - فتح القدیر)

مسند میں حضرت ام سلمہ رضؓ کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور صلعم وتر کے بعد دو رکعت ہلکی بیٹھ کر پڑھتے امام ترمذی فرماتے ہیں ایسے ہی حضرت عائشہ رضؓ و ابی امامۃ رضؓ وغیرہ سے مروی ہے۔ مسند میں حضرت ابو امامۃ رضؓ کی روایت اس طرح ہے:۔

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی بعد الوتر رکعتین وھو جالس یقرأ فیھما باذا زلزلت و قل یا ایھا الکٰفرون	کہ حضور صلعم وتر کے بعد دو ہلکی رکعت پڑھتے اور ان میں اذا زلزلت اور قل یا ایہا الکافرون پڑھتے تھے۔

اسی طرح دارقطنی وغیرہ نے حضرت انس رضؓ کی روایت نقل کی ہے۔ اس جگہ بہت سے حضرات کو اشکال پیدا ہوگیا ہے انھوں نے ان روایات کو مندرجہ ذیل روایت کے مخالف قرار دیا ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا:۔

اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترًا	تم اپنی رات کی نمازوں میں آخری نماز وتر کو بناؤ۔

لہٰذا امام مالک نے ان دونوں رکعات کا انکار کیا ہے۔ امام احمد نے فرمایا میں نہ ان دو رکعات کو پڑھتا ہوں اور نہ ان سے روکتا ہوں۔ علماء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ دو رکعت آپ نے اس وجہ سے پڑھی ہیں تاکہ امت کو وتر کے بعد نماز کا جواز معلوم ہو جائے۔ اور انھوں نے مذکورہ حدیث اجعلوا الخ کو استحباب اور وتر کے بعد دو نفل کو جواز پر حمل کیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دو رکعت قائمقام سنت فجر اور وتر کے تکملہ کے طور پر تھیںؔ جیسا کہ مغرب کی نماز کے بعد دو سنت مغرب کے فرض کے تکملہ کے طور پر ہوتی ہیں اس لئے کہ وہ بھی دن کے وتر ہیں۔ واللہ اعلم

بیٹھ کر نماز

لہ آجکل عام طور سے عوام نفل بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور خصوصاً پڑھے لکھے حضرات بھی وتروں کے بعد ان دو نفل کو بیٹھ کر ادا کرتے ہیں انکے نزدیک یہی حدیث دلیل ہے اور وہ اسکو اتباع سنت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے اسوجہ سے کہ حضور صلعم نے بیٹھ کر نفلی نماز (صلوٰۃ لیل) کو آخری زمانہ میں پڑھا تھا چنانچہ مسلم شریف اور صحاح ستہ میں اس قسم کی احادیث موجود ہیں۔ حضرت حفصہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ایسا آپ قبل وفات کرتے تھے حضرت عائشہ رضؓ بھی یہی کہتی ہیں۔ حضرت عائشہ کی ایک روایت میں ہے لما بدن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وثقل یعنی جب آپکا جسم مبارک ڈھیلا اور بوجھل ہونے لگا تھا تب آپ نے ایسا کیا ہے ایک دن حضرت ابن عمر رضؓ نے جب آپکو بیٹھ کر نماز پڑھتے دیکھا تو آپ نے فرمایا لکنی لست کاحد منکم اس حدیث کے تحت امام نووی، علامہ عثمانی، محدث سہارنپوری، علامہ ابن عابدین نے فرمایا ہے کہ یہ صرف حضور صلعم کے خصائص میں سے ہے امت کے لئے تو قاعدہ کلیہ بیان کر دیا ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے والے کی نماز ثواب کے اعتبار سے آدھا درجہ رکھتی ہے ملاحظہ فرمایئے مسلم شریف شرح نووی ص ۲۵۲ ج ۱، بذل ص ۱۱ ج ۳، فتح الملہم ص ۲۸۹ ج ۲۔

(باقی آئندہ)

قنوت وتر کا بیان

ابن ماجہ کی حدیث کے علاوہ ثابت نہیں ہے کہ حضور صلعم نے وتروں میں دعائے قنوت پڑھی ہے چنانچہ اس حدیث میں ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوتر ویقنت قبل الرکوع	حضور صلعم وتر پڑھا کرتے تھے اور اس میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔

امام احمد نے قنوت بعد رکوع کو اختیار کیا ہے اور فرمایا:۔

کل شئ ثبت عن النبی صلعم فی القنوت انما ھو فی الفجر لما رفع راسہ من الرکوع	قنوت کے بارے میں جو حدیث بھی حضور صلعم سے ثابت ہے وہ قنوت فجر کے بارے میں ہے کہ آپ جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے۔

قنوت وتر میں بھی امام احمد نے بعد رکوع ہی کو اختیار کیا ہے حالانکہ اس کے بارے میں قبل اور بعد صحیح طور پر ثابت نہیں ہے چنانچہ جلال نے فرمایا ہے کہ قنوت وتر کے بارے میں حضور صلعم سے کوئی روایت منقول نہیں ہے مگر حضرت ابن عمر رضہ پورے سال قنوت پڑھا کرتے تھے[1]

امام احمد اور اہل سنن نے حضرت حسن رضہ بن علی رضہ کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں:۔

علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اقولھن فی الوتر اللھم اھدنی فیمن ھدیت الی قولہ	حضور صلعم نے مجھے چند کلمات سکھائے جن کو میں وتر میں پڑھتا ہوں وہ ہیں اللھم اھدنی فیمن اھدیت الخ

تبارکت ربنا وتعالیت اس پر امام بیہقی اور نسائی نے ولا یعز من عادیت کا اضافہ اور کیا ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ یہ بھی عجیب اتباع ہے کہ حضور صلعم تو رات بھر قیام کے بعد جب وتر پڑھتے تو اسکے بعد یہ دو رکعت بیٹھ کر اور وہ بھی مذکورہ عذر کی بنا پر پڑھتے اور یہاں صرف عشاء کی نماز میں چند منٹ قیام کے بعد وتر پڑھ کر ان نوافل کو بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے یہ اتباع سنت نہیں، سنت کے ساتھ مذاق ہے جبکہ حضور صلعم سے ضعیف ترین حدیث کے ذریعہ بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ کبھی آپ نے بیٹھ کر نفل ادا کیے ہیں۔ ملاحظ فرمایئے مندرجہ بالا حوالہ جات۔

[1] **قنوت وتر** حضور صلعم وتر میں دعائے قنوت تمام سال پڑھا کرتے تھے یہی قول ابن مسعود رضہ، حسن، نخعی، ابن مبارک عبد الحق، ابو ثور کا ہے مگر امام شافعی صاحب فرماتے ہیں وتر میں قنوت رمضان المبارک کے نصف آخر میں پڑھنا چاہیئے۔ امام طحاوی نے فرمایا ہے کہ یہ قول امام شافعی صاحب کے علاوہ امت میں سے کسی کا نہیں ہے حنفیہ کے نزدیک حضرت حسن بن علی رضہ کی حدیث علمنی رسول اللہ صلعم الخ مستدل ہے اس روایت میں ہے اجعل ھذا فی وترک یعنی اسکو اپنے وتر میں پڑھ۔ اس میں کسی وقت کی قید نہیں ہے۔ اسی طرح ابن جوزی نے حضرت علی رضہ کی روایت ذکر کی ہے جسکو ترمذی نے حسن کہا ہے اور علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ جسکو اسکے خلاف دعویٰ ہو وہ بیان کرے حضرت علی رضہ اور حضرت ابن مسعود رضہ بھی وتر میں پورے سال قنوت پڑھا کرتے تھے امام شافعی نے جو احادیث نقل کی ہیں ان میں سے ایک امام ابوداؤد نے نقل کی ہے لیکن وہ منقطع ہے اسلئے کہ حسن نے حضرت عمر رضہ سے ملاقات نہیں کی۔ ایک حدیث ابن عدی کی ہے جسکے بارے میں امام بیہقی نے کہا ہے کہ اسکی سند صحیح نہیں ہے الخ۔ البنایہ صفحہ ۸۲۶ ج ۱

امام حاکم کے یہ الفاظ ہیں:۔

علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ	مجھے حضور صلعم نے وتر میں پڑھنے کیلئے سکھایا
وسلم فی وتری اذا رفعت راسی	کہ جب میں رکوع سے سر اٹھاؤں اور بجز سجدہ
ولم یبق الا السجود	کے اور کچھ باقی نہ رہے۔

اس کو ابن حبان نے بھی ذکر کیا ہے مگر اس میں یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا کہ وہ دعا مانگتے تھے الخ امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ حدیث حسن بن علی رضؓ حسن ہے مگر یہ روایت بجز اس طریقہ کے مجھے معلوم نہیں۔ اس روایت کو ابی الحورا سعدی کہ جن کا نام ربیعہ ابن شیبان ہے نے روایت کیا ہے وتر میں حضور صلعم کے قنوت پڑھنے کے متعلق اس سے احسن حدیث مجھے دستیاب نہیں ہوئی اھ

قنوت وتر میں محفوظ ترین روایت حضرت عمر رضؓ اور حضرت ابن مسعود رضؓ کی ہے اور انکی یہ روایت قنوت فی الفجر سے زیادہ صحیح ہے۔ امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے حضرت علی رضؓ کی روایت نقل کی ہو کہ:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ	حضور صلعم وتر کے آخر میں اللّٰھم انی اعوذ بک الخ
وسلم کان یقول فی اٰخر وترہٖ	پڑھا کرتے تھے۔
اللّٰھم انی اعوذ بک الخ	

اس حدیث میں آخر وترہٖ سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ وتر کے آخر میں سلام سے پہلے یا وتر کے آخر میں فارغ ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ امام نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونیکے بعد اور بستر پر لیٹتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اس روایت میں لا احصی ثناءً علیک کے بعد ولو حرصت کا اضافہ اور ہے۔

حضور صلعم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ یہ سجود میں پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس کو نماز میں بھی پڑھا ہو اور نماز کے بعد بھی پڑھا ہو۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے وتر پڑھے اور اس سے فارغ ہونے کے بعد اللّٰھم اجعل فی قلبی نوراً الخ پڑھا۔ حضرت کریب کہتے ہیں کہ میں بنی عباس کے ایک آدمی سے ملا تو انھوں نے مجھے بتلایا کہ اس دعا میں لحمی، دمی، عصبی، شعری، بشری، وغیرہ چیزوں کا اور ذکر ہے۔

امام نسائی نے اس حدیث کو سجدہ کے بارے میں بتلایا ہے۔ امام مسلم نے فرمایا ہے کہ جب آپ صبح کی نماز کے لئے تشریف لاتے تھے تب اس دعا کو پڑھتے تھے۔ امام مسلم کی روایت میں و فی لسانی نوراً کا اور اضافہ ہے۔ امام ابوداؤد نے واجعلنی نوراً کا اضافہ اور کیا ہے۔ امام ابی داؤد اور امام نسائی بروایت

ابی بن کعب کہتے ہیں کہ حضور صلعم وتر میں سبح اسم ربک اور قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد پڑھا کرتے تھے اور سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ سبحان الملک القدوس پڑھتے تھے تیسری مرتبہ میں آواز کو کھینچتے ہوئے بلند کرتے تھے۔

قرأت رسول صلعم

یہاں تک تو امام نسائی کی روایت ہے لیکن دار قطنی نے رب الملائکۃ والروح اور زیادہ کیا ہے۔ حضور صلعم کی عادت شریفہ تھی کہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرتے تھے اور ہر آیت پر وقف کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ الحمد للہ رب العالمین کہتے تھے پھر وقف کرتے اور پھر الرحمن الرحیم کہتے اور پھر وقف کرتے۔ زہری نے کہا ہے کہ حضور صلعم کی قرأت آیۃ آیۃ ہوتی یعنی ہر آیت جدا جدا معلوم ہوجاتی تھی۔ اور وقوف میں افضل یہی ہے کہ آیت پر وقف کیا جائے اگرچہ آیت کا مضمون مابعد سے تعلق رکھتا ہو۔ بعض نے کہا ہے اس بارے میں اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھنا چاہیے یعنی جہاں بات پوری ہورہی ہو اور مضمون ختم ہورہا ہو اسی جگہ وقف کرنا چاہیے لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان حضرات نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کے مقابلے میں سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بہرحال اولیٰ ہے کہ اسکی اتباع کیجائے۔

کثرت قرأت اور ترتیل

حضور صلعم سورۃ کو اتنی ترتیل سے پڑھتے تھے کہ وہ اور زیادہ طویل ہوجاتی تھی اور ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے ایک ہی آیت کی تکرار میں صبح کردی۔ علماء کا اختلاف ہے کہ ترتیل افضل ہے کہ جس میں قرأت کم ہوتی ہے یا تیزی سے پڑھنا افضل ہے کہ جس میں قرأت بھی زیادہ ہوتی ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں حضرت ابن عباس رضؓ اور حضرت ابن مسعود رضؓ کا فرمانا تو یہ ہے کہ ترتیل اور تدبر افضل ہے چاہے قرأت کم ہو ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ قرأت سے مقصود اس کا سمجھنا اور معنی میں غور و فکر کرنا ہے اور اس پر عمل کرنا ہے اور تلاوت و حفظ قرآن معانی قرآن کے لئے وسیلہ کا درجہ رکھتے ہیں چنانچہ بعض سلف نے ارشاد فرمایا ہے۔

نزل القران لیعمل بہ فاتخذوا	قرآن عمل کیلئے نازل کیا گیا ہے لہذا اسکی
تلاوتہ عملاً	تلاوت عمل کیلئے اختیار کرو۔

اسی لئے اہل قرآن، قرآن پاک کے سب سے بڑے عالم اور عامل ہوتے تھے اگرچہ ان کو پورا قرآن پاک یاد نہ ہو۔ لیکن جن لوگوں نے صرف قرآن پاک کو حفظ کیا نہ اس کے معنی سمجھے اور نہ اس پر عمل کیا وہ اہل قرآن نہیں اگرچہ انھوں نے حروف قرآن کو تیر کی طرح سیدھا کرلیا ہو۔ علماء نے کہا ہے:۔

الایمان افضل الاعمال وفھم القران	ایمان افضل اعمال ہے اور فہم قرآن اور تدبر
وتدبرہ ھوالذی یثمر الایمان	قرآن یہ ایمان کو پیدا کرتے ہیں۔

لیکن بلا غور و فکر کے تلاوت قرآن، تو اس کو فاسق و فاجر، مومن و منافق سب ہی کرتے ہیں جیسا کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

مثل المنافق الذی یقرأ القرآن کمثل الریحانۃ۔ ریحھا طیب و طعمھا مر — اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحانہ جیسی ہے کہ جس کی بو اچھی اور مزا کڑوا ہوتا ہے۔

بہرحال اس امر میں انسانوں کے چار طبقات ہیں (۱) اہل قرآن اور اہل ایمان اور یہی انسانوں میں افضل ترین ہیں (۲) وہ کہ جس کے پاس نہ ایمان اور نہ قرآن (۳) وہ کہ جن کو قرآن تو آتا ہے لیکن ان کو ایمان نصیب نہیں ہے (۴) جن کو ایمان تو نصیب ہے لیکن ان سے قرآن نہیں آتا۔ لہٰذا جس کو ایمان تو نصیب ہے لیکن اس سے قرآن نہیں آتا ہے ... یہ اس سے افضل ہے جس کو قرآن تو آتا ہے مگر اس کو ایمان نصیب نہیں ہے ایسے ہی وہ آدمی افضل ہے جس کو قرآن مع تدبر و تفکر آتا ہے اس آدمی سے کہ کثرت تلاوت اور سرعت تلاوت حاصل ہے مگر فہم قرآن حاصل نہیں ہے یہی حضور صلعم کی سیرت مبارکہ ہے کہ وہ قرأت میں ترتیل فرماتے تھے جس کی وجہ سے وہ سورت طویل ہو جاتی تھی۔ اور حد یہ ہے کہ ایک آیت کی تکرار پر آپ صبح بھی کر دیتے تھے۔

امام شافعی صاحب کے اصحاب نے فرمایا ہے کہ کثرت قرأت افضل ہے ان کے نزدیک حضرت ابن مسعود رضؓ کی یہ روایت دلیل ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ

من قرأ حرفاً من کتاب اللہ فلہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالھا الخ — جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اسکو ہر حرف کے عیوض ایک نیکی اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ملے گی

اس کو امام ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے۔ ان حضرات کا یہ بھی فرمانا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضؓ نے ایک رکعت میں پورا قرآن پاک ختم کیا ہے۔ اسی طرح ان حضرات نے سلف کے متعلق بہت سے آثار ذکر کئے ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ترتیل ...... کثرت قرأت کے ثواب سے مرتبہ میں بڑا ہے۔ اگرچہ کثرت قرأت کا ثواب شمار میں زیادہ ہے اس کو ہم ایک مثال کے ذریعہ سمجھاتے ہیں۔ پہلے ثواب کی نوعیت ایسی ہے کہ جیسے کسی نے کوئی بڑا عظیم المرتبت موتی صدقہ کیا یا کوئی نہایت بیش قیمت غلام صدقہ کیا اور دوسرے ثواب کی نوعیت ایسی ہے کہ جیسے کسی نے بہت سے دراہم صدقہ کئے یا بہت سے کم قیمت کے غلام صدقہ کر دیئے۔

صحیح بخاری شریف میں موجود ہے کہ حضرت قتادہ رضؓ نے حضرت انس رضؓ سے حضور صلعم کی قرأت کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ آپ قرأت کو دراز کر دیتے تھے۔ حضرت شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضؓ سے عرض کیا کہ میں بہت تیز قرأت کرتا ہوں بعض مرتبہ ایک رات میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ قرآن پاک ختم کر لیتا ہوں تو حضرت ابن عباس رضؓ نے جواب دیا کہ اگر آپ ایک سورت پڑھتے تو مجھے اس سے زیادہ پسند تھا جو آپ کرتے ہیں لیکن اگر آپ ایسا کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو ایسی قرأت کیجئے کہ آپ کے کان سنیں اور دل محفوظ کرے۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ علقمہ نے حضرت ابن مسعود رضؓ کو قرآن سنایا۔ ان کی آواز اچھی تھی تو ابن مسعود رضؓ نے سن کر فرمایا ترتیل سے پڑھئے! اس لئے کہ یہ زینت قرآن ہے۔ حضرت ابن مسعود رضؓ نے ارشاد فرمایا کہ نہ تو قرآن کو گا کر پڑھو اس لئے کہ گا کر شعر کو پڑھا جاتا ہے اور نہ اٹک اٹک کر پڑھو بلکہ عجائب قرآن کی جگہ وقف کرو تا کہ اس سے قلب میں تحریک اور جذبہ پیدا ہو جائے کہ یہ خیال نہ ہونا چاہیئے کہ جلد آخری سورت پر پہونچ جاؤ۔ انھوں نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے جہاں تم قرآن میں یا ایہا الذین آمنوا لکھا دیکھو یا پڑھو وہاں اپنے کانوں کو سننے کیلئے ادھر متوجہ کر لو! اس لئے کہ وہاں یا تو کوئی نیکی ہے جس کے لئے تمھیں کوئی حکم دیا جا رہا ہے یا کوئی برائی ہے جس سے تمھیں روکا جا رہا ہے۔

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ میں سورۂ ہود پڑھتا ہوا ایک عورت کے پاس پہونچا تو اس نے کہا اے عبدالرحمن تم سورۂ ہود اس طرح پڑھتے ہو قسم خدا کی میں چھ مہینے سے اس کو پڑھ رہی ہوں لیکن ابھی تک اس سے فارغ نہیں ہوئی ہوں۔

سواری پر نماز

حضور صلعم قرأت سرًا بھی کرتے تھے اور جہرًا بھی۔ آپ طویل قیام بھی فرماتے تھے اور اس میں تخفیف بھی کر دیتے تھے۔ آپ رات کے آخر حصہ میں بھی وتر پڑھا کرتے تھے (اور یہی اکثر ہے) اور رات کے شروع حصہ میں بھی۔ آپ نے رات اور دن میں اپنی سواری پر نفلی نماز بھی پڑھی ہے اور ایسا آپ سفر کی حالت میں کرتے تھے[1]۔ جس طرف بھی سواری کا رخ ہوتا اسی

سواری پر نماز [1] اس مسئلہ میں دو طرح پر کلام ہے اول یہ کہ سواری پر کون کون نماز جائز ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سواری پر فرض جائز نہیں۔ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ نفل سواری پر جائز ہیں وتر کے بارے میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک وتر سواری پر جائز نہیں کیونکہ وہ واجب ہیں لیکن شوافع وغیرہ حضرات کے نزدیک سواری پر وتر جائز ہیں اسلئے کہ وہ وتر کو واجب قرار نہیں دیتے۔ حنفیہ کے دلائل یہ ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضؓ کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف چلا۔ راستہ میں ابن عمر رضؓ نے فرض اور وتر کے علاوہ نفل نمازیں سواری پر پڑھیں اور ان کا رخ مدینہ کی طرف کو تھا۔ وہ رکوع و سجدہ کیلئے اشارہ کرتے تھے اور صرف فرض اور وتر کے لئے سواری سے اترتے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ حضور صلعم اپنی سواری پر نفل پڑھا کرتے تھے۔ (باقی آئندہ)

طرف کو سواری پر بیٹھے بیٹھے رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرتے تھے اور سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ گہرا فرماتے تھے۔ امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت انس کی روایت نقل کی ہے کہ :۔

گذشتہ سے پیوستہ جدھر بھی اس سواری کا رخ ہوتا" یہ حدیث مسند امام اعظم میں ہے۔ امام شافعی کی دلیل بخاری کی وہ حدیث ہے جو انھوں نے حضرت نافع کے واسطے سے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے جس میں ہے کہ ابن عمرؓ سواری پر نفل اور وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ اسوقت کی بات ہو کہ جب وتر واجب نہ تھے بہر حال مدار حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے جو تین طریقہ سے منقول ہے ایک مجاہد کے واسطے سے، دوسرے حصین کے واسطہ سے، تیسرے نافع کے واسطے سے۔ لیکن یہ قاعدہ ہے کہ مثبت پہلو کو قوت حاصل ہوتی ہے اسلئے حنفیہ کا استدلال قوی ہے جبکہ شوافع کے استدلال میں احتمال بھی موجود ہے۔

دوسری بحث اسمیں یہ ہے کہ سواری پر نماز پڑھنے کی صورت میں رخ کدھر کو ہونا چاہیئے۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جدھر بھی سواری کا رخ ہو اسمیں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ کی طرف ہونا چاہیئے۔ یہی مذہب حضرت علیؓ حضرت ابن زبیرؓ، حضرت ابوذرؓ حضرت انسؓ حضرت ابن عمرؓ کا ہے یہی امام اعظمؓ، طاؤس، عطا، اوزاعی، ثوری، امام مالک، لیث نے اختیار کیا ہے۔ یہی قول امام شافعی صاحب کا ہے۔ حضرت امام احمد کا مسلک اسکے خلاف ہے جو زادالمعاد میں موجود ہے۔ جہاں تک احادیث کا تعلق ہے تو جمہور کے مسلک کی تائید میں حضرت ابن عمرؓ حضرت جابرؓ حضرت انسؓ حضرت عامر بن ربیعہؓ حضرت ابوسعیدؓ کی روایات موجود ہیں جنکو امام نسائی، امام بخاری، امام ترمذی اور ابوداؤد نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ مجموعی طور سے ان احادیث میں یہی ذکر ہے کہ جدھر بھی سواری کا رخ ہوتا تھا ادھر ہی کو آپ نماز پڑھتے رہتے رہا حضرت انسؓ کی حدیث کا معاملہ جو مذکورہ سطور میں موجود ہے اسکو دار قطنی وغیرہ نے غریب قرار دیا ہے۔ (البنایہ ص۸۶۱)

امام ابو یوسف نفل سواری پر شہر میں بھی جائز قرار دیتے ہیں امام محمد نے کراہت کیساتھ جائز قرار دیا ہے لیکن حضرت امام اعظم کے نزدیک شہر سے باہر جائز ہے شہر میں نہیں انکا فرمانا ہے کہ اولاً تو شہر میں ضرورت نہیں دوسرے نصوص شرعیہ شہر کے باہر کے متعلق ہیں لہذا نصوص کے خلاف نہیں کیا جاسکتا۔ امام ابو یوسف نے یہ سنکر امام اعظم کی خدمت میں ایک مرفوع حدیث پیش کی جس میں مذکور ہے

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکب الحمار فی المدینۃ یعود سعد بن عبادۃ وکان یصلی

کہ حضور صلعم مدینہ میں سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے گدھے پر سوار ہو کر جا رہے تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔

یہ سنکر امام صاحب نے اوپر کو سر نہیں اٹھایا بعض حضرات نے کہا ہے کہ اسکا مطلب تھا کہ امام صاحب نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ علامہ عینی نے فرمایا ہے یہ غلط ہے بلکہ وجہ یہ تھی کہ امام صاحب کے نزدیک یہ حدیث قابل اعتماد نہیں تھی اسلئے انھوں نے اسکی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اسکو ابن بطال نے شرح بخاری میں ذکر کیا ہے۔ (البنایہ ص۸۶۵)

بس اور ریل میں نماز آجکل زمانہ ریل اور بسوں کا ہے بس میں اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی گنجائش ہو تو نفل نماز پڑھی جاسکتی ہے لیکن فرض نماز بس میں ادا نہیں کی جاسکتی کیونکہ بس میں اولاً تو کھڑے ہونے اور رکوع و سجدہ کرنے کی گنجائش نہیں اور یہ فرض ہیں انکو بلا عذر ترک نہیں کیا جاسکتا دوسرے قبلہ رخ ہونا فرض کیلئے ہر حال میں ضروری ہے اور بس میں یہ ممکن نہیں کیونکہ اس میں جہت بہت جلدی جلدی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔

ریل گاڑی میں نفل کا یہی حکم ہے البتہ فرض کیلئے قیام ضروری ہے اسلئے ریل میں کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کرنی چاہیئے اور اگر از دحام کیوجہ سے بیٹھ کر نماز ادا کی گئی تو پھر دوسرے وقت اسکا اعادہ ضروری ہے اسلئے کہ اعذار سماویہ کیوجہ سے (باقی آئندہ)

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اراد ان يصلي على راحلته تطوعا استقبل القبلة فكبر للصلوٰة ثم خل عن راحلته ثم صلى اينما توجهت به

حضور صلعم جب اپنی سواری پر نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مستقبل قبلہ ہو کر تکبیر کہتے پھر سواری کو چھوڑ دیتے تھے۔ پھر جدھر کو بھی رخ ہو جاتا اسی رخ پر نماز ادا فرماتے تھے۔

اس بارے میں امام احمد سے مختلف روایات مروی ہیں کہ آیا قبلہ رخ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ ایک روایت یہ ہے کہ اگر پوری نماز میں قبلہ رخ رہنا ممکن ہو تو قبلہ رخ رہنا چاہیئے مثلاً محمل وغیرہ میں نماز پڑھنے کی صورت میں دوسرے یہ ہے کہ جدھر بھی سواری کا رخ ہو جائے اسی طرف کو نماز پڑھتے رہنا چاہیئے۔ امام محمد بن الحکم نے امام احمد کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ محمل میں قبلہ کی طرف کو رخ کر کے ہی نماز پڑھنا چاہیئے ورنہ نماز نہ ہوگی اسلئے محمل میں گھومنا ممکن ہے لیکن دوسری سواریوں مثلاً گھوڑا اور اونٹ پر سوار کیلئے یہ ممکن نہیں ہے۔ ابو طالب نے امام احمد کی ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے کہ محمل میں بھی گھومنا دشوار ہے لہذا جدھر کو رخ ہو جائے ادھر ہی کو پڑھ لینا چاہیئے۔

اسی طرح امام احمد سے سجدہ کے بارے میں بھی مختلف روایات ہیں۔ ان کے بیٹے عبداللہ نے انکا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اگر محمل میں سجدہ کرنے پر قادر ہو تو سجدہ کر لینا چاہیئے اور میمونی نے ان کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ سجدہ کرنا اچھا ہے۔ فضل بن زیاد نے بھی یہی کہا ہے۔ جعفر بن محمد نے نقل کیا ہے کہ محمل کے اٹھے ہوئے حصہ پر سجدہ کر لینا چاہیئے حضور صلعم کے بارے میں امام ابو داود نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ آپ نے اونٹ پر بیٹھ کر اور پالان (پچھلی لکڑی) سے ٹیک لگا کر نماز پڑھی ہے لیکن آپ اشارہ سے رکوع سجدہ کیا کرتے تھے۔

گذشتہ سے پیوستہ تو اعادہ نہیں ہو سکتا اس صورت میں جس طرح بھی قدرت ہو نماز ادا کی جائے لیکن وہ اعذار جو من جہت العباد مسلط ہوئے ہیں ان کی وجہ سے قادر ہونے پر اعادہ ضروری ہے اور سواری کا معاملہ اعذار سماویہ میں سے نہیں ہے بلکہ اعذار من جہت العباد سے ہے۔ واللہ اعلم

اٹھارہواں باب

چاشت کی نماز

چاشت کی نماز امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں حضرت عائشہ رضہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں :-

ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی سبحۃ الضحے وانی لا سبحہا

میں نے حضور صلعم کو چاشت کی نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور میں پڑھتی ہوں ۔

امام بخاری نے مورق عجلی رضہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضہ سے دریافت کیا کہ آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں فرمایا نہیں ۔ پھر کہا کیا حضرت عمر رضہ پڑھتے تھے فرمایا وہ بھی نہیں پڑھتے تھے پھر کہا کیا حضرت ابو بکر رضہ پڑھتے تھے فرمایا وہ بھی نہیں ۔ پھر کہا کیا رسول اللہ صلعم پڑھتے تھے فرمایا وہ بھی نہیں اور ان کا کوئی مساوی نہیں ہے ۔

حضور صلعم کا عمل ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سے کسی نے روایت نہیں بیان کی کہ حضور صلعم نے چاشت کی نماز پڑھی ہے ہاں حضرت ام ہانی رضہ نے تو بیان فرمایا ہے کہ حضور صلعم فتح مکہ کے دن ان کے یہاں تشریف لائے اور غسل کیا ۔

وصلی ثمان رکعات فلم ار صلاۃ

اور آٹھ رکعات ادا کیں میں نے ان سے

نماز چاشت ۱؎ چاشت یا ضحی کی نماز کا وقت سورج کے بلند ہونے سے لیکر نصف النہار سے قبل تک ہے بعض احادیث اور آثار کی بنا پر ارتفاع شمس والی نماز کو اشراق اور نصف النہار سے قبل والی نماز کو چاشت کی نماز کہا جاتا ہے ۔ صوفیائے کرام نے بر بنائے احتیاط ان کو دو نمازیں قرار دیا ہے ۔ مسلم کی ایک روایت میں ربع نہار کیوقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اسکو صلوٰۃ الاوابین بھی قرار دیا ہے ۔ مذکورہ بالا حدیث میں کچھ تضاد ہے جن میں سے بعض اثبات کی طرف مشیر ہیں اور بعض نفی کو بتلا رہی ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کی احادیث کی تاویل اس طرح کی جاتی ہے ۱ـ وہ جہاں انکار کر رہی ہیں اس سے مراد اپنے مشاہدہ کا انکار ہے ۲ـ انکا انکار صلوٰۃ معہودہ سے ہے جسکو جماعت سلف نے اختیار کیا ہے کہ آٹھ ہی رکعات ہونا ضروری ہیں حالانکہ کم اور زیادتی ثابت ہے ۳ـ انکا اس سے بھی انکار ہے کہ ان نوافل کا ایک ہی معین وقت نہیں ہے مثلاً ارتفاع شمس کیوقت ہی یا زوال سے قبل ہی تھا ۔ انکا انکار مواظبت سے ہے کیونکہ آپ نے کبھی پڑھی ہے اور کبھی نہیں ۔ البنایہ صـ ۸۲۶ ۔ ج ۱ ۔

اخف منها غیر انہ یتم الرکوع — زیادہ ہلکی نماز نہیں دیکھی ہاں یہ بات ہے کہ
والسجود — آپ رکوع اور سجدہ پورے طور پر ادا فرماتے تھے

صحیح مسلم میں عبداللہ بن شقیق کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی سے دریافت کیا کہ کیا حضور صلعم چاشت کی نماز پڑتے تھے۔ فرمایا نہیں

الا ان یجیئ من مغیبہ — مگر جب آپ سفر سے تشریف لاتے تب پڑھتے تھے

اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ آپ سورتوں میں اقتران[1] فرماتے تھے فرمایا ہاں مفصلات میں ایسا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی کی ایک روایت اور ہے جس میں ہے کہ

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — آپ چاشت کی چار رکعات پڑھا کرتے تھے اور
یصلی الضحی اربعًا ویزید ماشاء اللہ — اللہ جتنی چاہتا اتنی بڑھا بھی دیتے تھے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ام ہانی رضی کی روایت ہے کہ آپ نے فتح مکہ کے دن چاشت کی آٹھ رکعات ادا فرمائیں۔ حاکم نے مستدرک میں بسند متصل حضرت انس رضی سے روایت کیا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلعم کو سفر میں اشراق کی آٹھ رکعات پڑھتے دیکھا ہے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔

انی صلیت صلوٰۃ رغبۃ ورھبۃ — میں نے امید اور خوف کی نماز پڑھی ہے۔
فسالت ربی ثلاثًا فاعطانی — میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کو مانگا تو
اثنتین ومنعنی واحدۃ، سالت — اس نے مجھے دو عطا فرمائیں اور ایک سے انکار
ان لا یقمل امتی بالسنین — کر دیا۔ میں نے سوال کیا کہ میری امت قحط
فعفل وسالتہ ان لا یظھر علیھم — سے ہلاک نہ ہو تو یہ قبول فرمایا میں نے سوال
عدوًا فعفل وسالتہ ان لا یلبسھم — کیا کہ ان پر کوئی دشمن مسلط نہ ہو تو یہ بھی
شیعًا فابی علیّ — قبول فرمایا میں نے سوال کیا کہ ان میں تفریق

نہ ہو تو اس سے انکار کر دیا۔

حاکم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ضحاک بن عبداللہ کون ہیں اور وہ قابل اعتماد ہیں یا نہیں اس معاملہ میں دوٹوک بات نہیں کہہ سکتا۔

چاشت پڑھنے کا معمول

حاکم نے بسند متصل حضرت عائشہ رضی سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ آپ نے چاشت کی نماز پڑھی اور پھر پڑھا۔

---

[1] اقتران سے مراد دو ہیں اول یہ کہ ایک ہی رکعت میں مسلسل چند سورتیں پڑھی جائیں جو متصلاً ہوں۔ یہ فرض میں مکروہ ہے نوافل میں بلا کراہت جائز ہے دوم یہ کہ پہلی رکعت میں کوئی سورت اور دوسری رکعت میں اسکی متصل سورت۔ واللہ اعلم۔

اللّٰھم اغفرلی وارحمنی وتب علی انک انت التواب الرحیم الغفور۔

اس کو آپ نے ایک سو مرتبہ پڑھا۔ حاکم نے ایک دوسری روایت میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے چاشت کی نماز دو رکعت، چار رکعت، چھ رکعت، آٹھ رکعت تک پڑھی ہیں۔ امام احمد نے بسند متصل حضرت ام درہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں۔

تعداد رکعات

رایت عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا تصلی الضحی وتقول ما رایت رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم یصلی الا اربع رکعات۔

میں نے حضرت عائشہ رضؓ کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا۔ وہ فرماتی تھیں میں نے حضور صلعم کو چار رکعات کے علاوہ پڑھتے نہیں دیکھا۔

امام حاکم نے ایک دوسری روایت اور بیان کی ہے۔

عن ابن جبیر بن مطعم عن ابیہ انہ رای رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم یصلی صلاۃ الضحی

حضرت جبیر بن مطعم اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے حضور صلعم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

امام حاکم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی ایک روایت اور بیان کی ہے کہ حضور صلعم چاشت کی چھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت مسروق کی روایت جو وہ حضرت عائشہ رضؓ اور ام سلمہ رضؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اس میں ہے کہ آپ چاشت کی بارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ اسی طرح امام حاکم حضرت علی رضؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے حضور صلعم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا۔ اسی سند سے حضرت جبیر بن مطعم کی اپنے والد سے یہ روایت بھی ہے کہ انھوں نے حضور صلعم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا۔ غرضکہ ان روایات کو بیان کرنے والے حضرت ابوسعید خدری رضؓ، ابوذر غفاری رضؓ، زید بن ارقم رضؓ، ابوہریرہ رضؓ، بریدہ اسلمی رضؓ، ابو درداء رضؓ، عبداللہ بن ابی اوفی رضؓ، عتبان بن مالک رضؓ، انس بن مالک رضؓ، عتبہ بن عبداللہ سلمی رضؓ، نعیم بن حمار غطفانی رضؓ، ابی امامہ الباہلی رضؓ وغیرہ ہیں اور عورتوں میں سے حضرت عائشہ رضؓ، ام ہانی رضؓ، ام سلمہ رضؓ ہیں۔ ان سب نے گواہی دی ہے کہ حضور صلعم چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے بھی حضرت علی رضؓ، حضرت انس رضؓ، حضرت عائشہ رضؓ، حضرت جابر رضؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم چاشت کی چھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔

علماء کرام نے ان حدیثوں میں چند طریقے سے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے ترک کے مقابلہ میں فعل کو ترجیح دی ہے یعنی بعض نے کہا ہے کہ حضور صلعم نے ان نوافل کو پڑھا ہے۔ ان کے نزدیک مثبت پہلو کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بہت سے حضرات کو یہ مسئلہ معلوم رہا ہو اور کچھ حضرات کو یاد نہ رہا ہو۔ ان

حضرات کا فرمانا ہے کہ حضرت عائشہ رض، حضرت انس رض، حضرت ام ہانی رض، حضرت علی رض، حضرت جابر رض نے فرمایا ہے کہ آپ نے ان نوافل کو پڑھا ہے کیونکہ ان کے بارے میں جو فضیلت آپ نے بیان فرمائی ہے اس کا مقتضی یہی ہے کہ ان کو پڑھا جائے۔

نماز چاشت کی فضیلت

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رض کی یہ روایت موجود ہے کہ

اوصانی خلیلی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بصیام ثلاثۃ ایام من کل شھر و رکعتی الضحی وان اوتر قبل ان انام

میرے دوست محمد صلعم نے مجھے ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے اچاشت کی دو رکعت پڑھنے اور وتر کو سونے سے پہلے پڑھنے کی وصیت کی ہے۔

صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو درداء اسی طرح ہے ونیز مسلم میں حضرت ابو ذر رض کی روایت اس طرح ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔

یصبح من کل سلامی من احدکم صدقۃ فکل تسبیحۃ صدقۃ وکل تحمیدۃ صدقۃ وکل تھلیلۃ صدقۃ وکل تکبیرۃ صدقۃ وامر بالمعروف صدقۃ والنھی عن المنکر صدقۃ یجزی من ذلک رکعتان ترکعھما من الضحی

تم میں سے ہر ایک پر ہر صبح ہوتے ہی ہر جوڑ کے عیوض صدقہ واجب ہوتا ہے چنانچہ ہر تسبیح، ہر تحمید، ہر تہلیل اور ہر تکبیر ہر امر بالمعروف اور ہر نہی عن المنکر صدقہ ہے اور ان سب کی قائمقام چاشت کی دو رکعت ہو جاتی ہیں۔

مسند امام احمد میں معاذ بن انس جہنی کی روایت ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ صبح کی نماز پڑھ کر جو اپنی جگہ بیٹھا رہا اور تسبیح پڑھتا رہا اور بجز کلام خیر کے کچھ نہ کہا اور سورج نکلنے کے بعد دو رکعت پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو معاف کر دیگا اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کی برابر کیوں نہ ہوں۔ سنن ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رض کی روایت اس طرح ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے صلوٰۃ ضحیٰ کی حفاظت کی یعنی ان کو پابندی سے پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیگا اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کی برابر کیوں نہ ہوں۔ مسند اور سنن میں نعیم بن ہمار کی روایت اس طرح ہے کہ میں نے حضور صلعم سے سنا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے ابن آدم! تو دن کے اول حصہ میں چار

رکعت سے عاجز نہ ہو میں تمام دن تیری کفالت کروں گا۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے بروایت حضرت ابو دردا، اور حضرت ابوذر نقل کیا ہے اور سنن ابن ماجہ میں بروایت حضرت انس رضؓ موجود ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے صلاۃ ضحی کی بارہ رکعات پڑھیں اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بنائے گا اور مسلم شریف میں حضرت زید بن ارقم کی روایت ہے کہ:۔

صلاۃ اوابین

انہ رای قوما یصلون من الضحی فی مسجد قباء فقال اما لقد علموا ان الصلوٰۃ فی غیر ھذہ الصلوٰۃ افضل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال صلوٰۃ الاوابین حین ترمض الفصال[۱]

انھوں نے کچھ لوگوں کو مسجد قبا میں چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کیا آپ لوگ جانتے ہیں اس نماز کے علاوہ کونسی نماز افضل ہے آپ نے (صلعم) ارشاد فرمایا ہے صلوٰۃ اوابین افضل ہے جب اونٹنی کے بچے کے پیر جلنے لگیں۔

ترمض الفصال کے معنی۔ دن کی حرارت کے ہیں۔ اس وقت اونٹنی کا بچہ جو اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہے میدان کی کنکریوں کی حدت محسوس کرتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور صلعم نے عتبان بن مالک رضؓ کے یہاں چاشت کی دو رکعتیں پڑھیں۔ مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روایت ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ چاشت کی نماز پر اوابین (خدا کی طرف رجوع کرنیوالے) ہی مداومت کرتے ہیں۔

اس حدیث کی اسناد سے مسلم بن حجاج نے استناد کیا ہے انھوں نے اپنے شیوخ سے بسند متصل بروایت حضرت ابو ہریرہ رضؓ نقل کیا ہے کہ:۔

ما اذن اللہ لشی ما اذن لنبی یتغنی بالقرآن۔

اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کا اتنا تاکیدی حکم نہیں دیا جتنا تاکیدی حکم نبی کو قرآن کو اچھے لہجہ سے پڑھنے کا دیا ہے

بعض کہنے والوں نے کہا ہے کہ اس حدیث کو حماد بن سلمہ اور عبدالعزیز بن محمد الدراوردی عن محمد بن عمر نے مرسل بیان کیا ہے اور اس حدیث میں خالد بن عبداللہ ہیں جو ثقہ ہیں اور ثقہ راوی کی زیادتی

---

[۱] یعنی زمین جلنے کی وجہ سے اونٹنی کے بچے کے پیر جلنے لگیں۔ البنایہ ص۵۴۳ ج۱۔ حضرت شیخ مدنی نے اسی کو اوابین کی نماز قرار دیا ہے۔ (سلاسل طیبہ) عام طور سے نوافل بعد المغرب کو اوابین کی نماز کہا جاتا ہے جنکی تعداد کم از کم چھ ہے اور زیادہ سے زیادہ بیس تک منقول ہے جنکی فضیلت بہت زیادہ ہے صوفیائے کرام کے یہاں چاشت اور اشراق کی طرح ان نوافل کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔

معتبر ہے۔ اس کے بعد حاکم نے حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت اور بیان کی ہے جس میں حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

ان للجنة بابًا یقال له باب الضحی	جنت کا ایک دروازہ جس کو باب ضحی کہا جاتا
فاذا کان یوم القیمة نادی مناد	ہے جب قیامت کا دن ہوگا، پکارنے والا
این الذین کانوا یدامون علی	پکارے گا وہ لوگ کہاں ہیں جو چاشت کی نماز
صلوٰة الضحی هذا بابکم فادخلوه	پر مداومت کرتے تھے ان کا دروازہ یہ ہے
برحمة الله	وہ اس دروازے سے جنت میں داخل ہوں۔

امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں بسند متصل بروایت حضرت انس بن مالک رض بیان کیا ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے چاشت کی بارہ رکعات[1] پر مداومت کی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل سونے کا تیار کرے گا۔ امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ امام احمد اس باب میں صحیح ترین حدیث حضرت ام ہانی رض کی حدیث کو قرار دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں امام ترمذی کی حدیث میں موسیٰ بن فلان سے مراد موسیٰ بن عبد اللہ ہیں۔ امام ترمذی کی جامع میں عطیہ عوفی کی حدیث بروایت حضرت ابو سعید خدری رض اس طرح ہے۔

کان رسول الله صلی الله علیه وسلم	آپ چاشت کی نماز پڑھتے رہتے تھے کہ ہمارا
یصلی الضحی حتی نقول لا یدعها و	خیال ہوتا یا ہم کہتے کہ آپ اس کو ترک نہ
یدعها حتی نقول لا یصلیها	کریں گے اور جب چھوڑتے تو ہمارا خیال

ہوتا کہ اب اس کو نہ پڑھیں گے۔

امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابو امامہ رض کی روایت نقل کی ہے کہ جو آدمی باوضو ہو کر فرض نماز کے لئے چلتا ہے اس کا ثواب احرام والے حاجی کے برابر ہوتا ہے جو نماز چاشت کے لئے چلتا ہے یعنی اس کو پڑھتا ہے اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے برابر ہوتا ہے اور نماز کے بعد نماز کہ اس درمیان میں کوئی لغویت نہ کی ہو علیین میں مکتوب ہو جاتی ہے[2]۔

---

[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشراق یا چاشت کی نماز کی زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات ہیں۔ اور جزء المسائک میں دو، چار آٹھ بارہ، بیس اور حد یہ ہے کہ سو رکعات تک تعداد بیان کی ہے واللہ اعلم

[2] اس کے معنی مقبول ہونے کے ہیں اس لئے کہ علیین میں وہی عمل مکتوب ہوگا جو اللہ کے یہاں پسندیدہ اور مقبول ہوگا۔ قرآن پاک میں موجود ہے کلا ان کتاب الابرار لفی علیین وما ادراك ما علیون کتاب مرقوم الایۃ یعنی بیشک مقربین کے اعمالنامے علیین میں ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ علیین کیا ہے؟ ایک لکھا ہوا دفتر ہے۔

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں:۔

نماز چاشت کا ثواب

الغدو والرواح الی ہذہ المساجد من الجہاد فی سبیل اللہ

صبح اور شام ان مساجد کی طرف جانا (برائے نماز) جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔

امام حاکم بسند متصل حضرت ابو امامہ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

من صلی الصبح فی مسجد جماعۃ ثم ثبت فیہ حتی الضحی ثم یصلی سبحۃ الضحی کان لہ کاجر حاج او معتمر تام لہ حجتہ وعمرتہ

جس نے صبح کی نماز جماعت والی مسجد[1] میں ادا کی پھر چاشت کے وقت تک وہیں ٹھہرا رہا پھر چاشت کی نماز ادا کی اس کے لئے ایسے حاجی معتمر کا ثواب ہے جسکا حج اور عمرہ تام[2] ہو۔

ابن ابی شیبہ نے بسند متصل حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے ایک مرتبہ ایک لشکر کو بھیجا جو بہت جلد بہت زیادہ مال غنیمت لیکر واپس ہوا۔ ایک شخص نے عرض کیا حضورؐ! اس سے زیادہ مال غنیمت لیکر اور اتنی جلدی کوئی لشکر آج تک نہیں لوٹا تب آپ نے ارشاد فرمایا میں اس سے بھی زیادہ نفع والی اور کم وقت میں ایک بات تم کو بتاتا ہوں وہ یہ کہ جس آدمی نے اپنے گھر خوب اچھی طرح وضو کیا پھر مسجد گیا اور وہاں صبح کی نماز ادا کی اور اس کے بعد چاشت کی نماز ادا کی، اس کا زیادہ مرتبہ ہے۔

اس باب میں اور بہت سی احادیث ہیں لیکن یہ مناسب ترین حدیث ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں میں بہت ائمہ اور مسلم حفاظ حدیث کی صحبت میں رہا ہوں میں نے ان سب کو اس عدد یعنی چار کو اختیار کرتے دیکھا ہے یہ سب حضرات چاشت کی چار رکعات ادا کیا کرتے تھے۔ ان حضرات کے نزدیک متواتر صحیح احادیث سے یہ نماز ثابت ہے۔ یہ احادیث ایسی ہیں کہ جن کو اختیار کرنا چاہیئے اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دینا چاہیئے چنانچہ مشائخ حدیث نے اس کو اپنا معمول بھی بنایا ہے۔ امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ نماز چاشت کے بارے میں اور اس کی رکعات کی تعداد کے بارے میں بہت سی مرفوع احادیث ہیں اور ان میں کوئی ایسی حدیث نہیں ہے کہ جس سے کوئی آدمی شبہ میں مبتلا ہو اور یہ اس وجہ سے ہے کہ جن حضرات نے یہ نقل کیا ہے کہ آپ نے چار رکعات پڑھیں تو ممکن ہے ان حضرات نے اس زمانہ میں آپ کو دیکھا ہو جن دنوں آپ چار رکعات پڑھا کرتے تھے اور دوسروں نے دوسرے وقت میں اس کے خلاف دیکھا ہو۔ غرضکہ جس نے جیسا دیکھا ویسا ہی نقل

---

[1] مراد مسجد میں جماعت سے نماز ادا کرنا ہے بلا جماعت کے مسجد میں نماز پڑھنا یا گھر میں پڑھ لینا اسکو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ [2] مراد حج کامل ہے جس میں فسق و فجور کا ارتکاب نہ ہوا ہو۔

کر دیا چنانچہ کسی نے آٹھ رکعات کو نقل کیا اور کسی نے چھ رکعات کو نقل کیا۔

تعداد رکعات چاشت

اس باب میں ہم نے مندرجہ بالا احادیث کی جو تاویل بیان کی اسکی تائید میں زید بن اسلم کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابوذر رضؓ سے عرض کیا۔ چچا جان مجھے کوئی وصیت فرمایئے تو انھوں نے فرمایا اے بیٹے جس طرح تو نے مجھ سے سوال کیا ہے اسی طرح میں نے حضور صلعم سے سوال کیا تھا تو آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔

من صلی الضحی رکعتین لم یکتب	جس آدمی نے چاشت کی دو رکعت پڑھیں
من الغافلین و من صلی اربعاً	وہ غافلین میں نہیں لکھا جائے گا اور جس نے
کتب من العابدین و من صلی	چار پڑھیں اس کا شمار عابدین میں ہوگا
ستاً لم یلحقہ ذلک الیوم ذنب	اور جس نے چھ رکعات پڑھیں اس سے اس
و من صلی ثمانیاً کتب من القانتین	دن کوئی گناہ نہیں ہوگا اور جس نے آٹھ رکعات
و من صلی عشراً بنی اللہ لہ بیتاً	پڑھیں اس کا شمار قانتین میں ہوگا جس نے
فی الجنۃ	دس پڑھیں اس کیلئے جنت میں گھر بنا دیا جائیگا

مجاہد کہتے ہیں کہ ایک دن حضور صلعم نے دو رکعت پڑھیں۔ پھر ایک دن چار پڑھیں پھر ایک دن چھ پڑھیں پھر ایک دن آٹھ پڑھیں پھر چھوڑ دیں۔ اس خبر سے بھی یہی ظاہر ہو رہا ہے جو ہم نے اوپر کہا ہے کہ ہر شخص نے وہی بیان کیا ہے جو اس نے دیکھا ہے۔ اور درست یہی ہے کہ جس کا جس قدر جی چاہے اس قدر پڑھے چنانچہ اسلاف کی ایک جماعت نے حضرت ابراہیم کی ایک روایت اسود سے نقل کی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ چاشت کی کس قدر رکعات پڑھوں انھوں نے فرمایا جتنا جی چاہے۔

نماز چاشت نہ پڑھنے کی روایات

دوسری جماعت نے ان احادیث کو اختیار کیا ہے کہ جن میں صلوٰۃ ضحی کی نفی ہے۔ اس جماعت نے صحت اسناد کی وجہ سے ان احادیث کو ترجیح دی ہے اور حضرات صحابہ رضؓ کے اسوہ سے استدلال کیا ہے چنانچہ امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ نہ ابن عمر رضؓ پڑھتے تھے اور نہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ پڑھتے تھے اور نہ حضرت عمر رضؓ پڑھتے تھے اسی کے بارے میں حضور صلعم کے متعلق فرمایا ہے "لا اخالہ" ان کا کوئی مساوی نہیں ہے۔ چنانچہ وکیع نے بسند متصل حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت نقل کی ہے کہ:۔

ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ	میں نے حضور صلعم کو ایک دن کے علاوہ نماز

وسلم صلی صلوٰۃ الضحیٰ الا یوماً واحدا — چاشت پڑھتے نہیں دیکھا (غالباً یوم فتح مکہ مراد ہوگا)

علی بن مدینی نے کہا ہے ابو بکرہ نے کچھ لوگوں کو یہ نماز پڑھتے دیکھا تو کہا کہ تم لوگ وہ نماز پڑھ رہے ہو جو نہ حضور صلعم نے پڑھی اور نہ حضرت صحابہ رضی نے۔ موطا میں امام مالک نے عن ابی شہاب عن عروۃ عن عائشہ رض روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے نماز چاشت کبھی نہیں پڑھی مگر میں پڑھتی ہوں[1]

نماز چاشت کیا بدعت ہے

حضور صلعم نے اگر اس نماز کو ترک کیا ہے تو اس وجہ سے ترک کیا ہے تاکہ یہ لوگوں پر فرض نہ کر دی جائے۔ ابوالحسن علی بن بطال نے کہا ہے کہ سلف کی ایک جماعت نے حضرت عائشہ رض کی اسی روایت کو اختیار کیا ہے اور ایک جماعت نے اس کو بدعت قرار دیا ہے[2]۔ شعبی بروایت قیس بن علیبد نقل کرتے ہیں کہ وہ ابن مسعود رض کے پاس پورے سال آتے رہتے تھے مگر انھوں نے کبھی اس نماز کو پڑھتے نہیں دیکھا۔ شعبہ نے بروایت سعد بن ابراہیم عن ابیہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض بھی نہیں پڑھتے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ میں اور عروۃ رض بن زبیر حضرت ابن عمر رض کے پاس پہنچے وہ مسجد میں حضرت عائشہ رض کے حجرے کے پاس بیٹھے چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے انھوں نے فرمایا یہ بدعت ہے اور ایک مرتبہ فرمایا یہ اچھی بدعت ہے۔ شعبی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رض سے میں نے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے۔

ما ابتدع المسلمون افضل من صلاۃ الضحیٰ	مسلمانوں نے چاشت کی نماز سے افضل کوئی بدعت نہیں جاری کی۔

امام مالک سے سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا نماز صرف پانچ ہی ہیں[3]

نماز چاشت کا استحباب؟

ایک تیسری جماعت اور ہے جس کا خیال ہے کہ نماز چاشت ناغہ کر کے پڑھنا مستحب ہے یعنی کبھی پڑھی اور کبھی نہ پڑھی۔ ان میں سے ایک روایت امام احمد کی ہے۔ امام طبری نے ایک جماعت سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کا استدلال جریر کی روایت سے ہے۔ چنانچہ اس روایت میں ہے کہ عبداللہ بن شقیق نے حضرت عائشہ رض سے سوال کیا کہ کیا حضور صلعم نماز چاشت پڑھتے تھے تو انھوں نے جواب دیا ہاں جب سفر سے واپس آتے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے

---

[1] اس حدیث کا مطلب گذشتہ حاشیہ میں آچکا ہے [2] اس کو واجب سمجھنا بدعت ہے ہاں اس کے مستحب ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رض کی ایک روایت موطا امام مالک کے نسخہ میں لاۡدنی استحبّہا یعنی میں اسکو مستحب قرار دیتی ہوں موجود ہے علاوہ ازیں فعل رسول علیہ السلام سے بھی اس کا مستحب ہونا ثابت ہے الخ اوجز صفحہ ۹۱ ج ۲

[3] اور یہ ظاہر ہے کہ فرض پانچ وقت کی نمازیں ہیں۔ امام مالک نے چاشت کی نماز کی سائل کے نزدیک اہمیت کو کم کرنے کیلئے ایسا کہا ہے تاکہ اس کے ذہن میں اس نماز کا وجوب نہ قائم ہو جائے۔ واللہ اعلم۔ عزیز الرحمٰن غفرلہٗ

ابو سعید رضؓ کی وہی روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم جب نماز چاشت پڑھتے تو ہمارا خیال ہوتا کہ آپ اسکو اب ترک نہ کریں گے الخ اسکے بعد طبری نے کہا ہے کہ اسلاف میں سے بہت سے حضرات ایسا ہی کرتے تھے۔

شعبہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضؓ اگر ایک دن پڑھتے تو دس دن نہ پڑھتے تھے۔ جب وہ مسجد قبا میں آتے تو پڑھتے اور وہ اکثر ہفتہ کے دن آیا کرتے تھے۔[1] سفیان نے منصور سے روایت کی ہے کہ نماز چاشت کو مثل فرائض کے پابندی سے پڑھنے کو یہ لوگ مکروہ سمجھتے تھے۔ سعید بن جبیر رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نماز چاشت کو اس وجہ سے نہیں پڑھتا کہ شاید لوگ اس نماز کو واجب خیال کرنے لگیں۔

نماز چاشت گھر میں

مسروق فرماتے ہیں ہم چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے لیکن جب مسجد سے حضرت ابن مسعود رضؓ چلے جاتے تھے۔ یہ اطلاع حضرت ابن مسعود رضؓ کو بھی ہوگئی تب انھوں نے فرمایا اے اللہ کے بندو! تم ایسا کیوں کرتے ہو اگر تم ایسا کرنا ضروری سمجھتے ہو تو اس نماز کو گھر پڑھ لیا کرو۔ ابو مجلز صلوٰۃ ضحیٰ اپنے گھر پڑھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔

وھذا اولی لئلا یتوھم متوھم	یہ بہتر ہے تاکہ کسی وہمی کو اسکے پابندی سے
وجوبھا بالمحافظۃ علیھا او کونھا	ادا کرنے کی وجہ سے اسکے وجوب یا سنت
سنۃ راتبۃ	راتبہ کا خیال نہ ہو جائے۔

لہٰذا اس نماز کو گھر میں ایسی جگہ پڑھنا چاہیے جہاں کوئی دوسرا نہ دیکھے۔[2]

نماز چاشت کس سبب سے پڑھی گئی ہے

چوتھی جماعت کا کہنا یہ ہے کہ چاشت کی نماز کسی خاص سبب سے پڑھی جاسکتی ہے اور حضور صلعم نے فتح مکہ کے سبب سے اس کو پڑھا تھا اور سنت فتح یہ ہے کہ فتح کے وقت آٹھ رکعات پڑھنا چاہیے چنانچہ اسی وجہ سے اس نماز کا نام صلوٰۃ الفتح ہے۔ طبری نے اپنی تاریخ میں شعبی سے روایت نقل کی ہے کہ خالد بن ولید رضؓ نے جب حیرہ کو فتح کیا تو آٹھ رکعات کو ایک سلام سے پڑھا۔ ام ہانی رضؓ نے جو اپنی حدیث میں بیان کیا ہے کہ

---

[1] اسی اثر سے یہ ظاہر ہے کہ مقامات مقدسہ و متبرکہ کی زیارت کے لئے جانا جائز ہے معلوم نہیں کہ ابن قیم رحؒ نے اپنے استاد کے مسلک کے خلاف کیوں استدلال کیا؟ اس مسئلہ میں تفصیل حصہ اول میں گذر چکی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ عوام کے خیالات و عقائد کی حفاظت کیلئے محل فساد میں مستحبات کو ترک کرنا پڑے تو اولیٰ اور افضل ہے اسی کیطرف رہنمائی کرتے ہوئے امام غزالی نے احیاء العلوم میں بیان فرمایا ہے کہ خواص کو چاہیئے کہ وہ کبھی کبھی مباحات پر بھی عمل کر لیا کریں تاکہ انکے ذہن میں کسی مباح کی حرمت نہ پیدا ہو جائے جو اہل جذب و سلوک اس چیز کی احتیاط نہیں کرتے وہ اگرچہ معذور رہیں لیکن انکی گرفت کی جاسکتی ہے۔

ذلك ضحى — یہ چاشت ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نماز آپ نے چاشت کے وقت پڑھی تھی یہ نہیں اس نماز کا نام ہی صلوٰۃ ضحیٰ ہے۔

عتبان بن مالک کے یہاں نماز

حضرت عتبان بن مالک رضؓ کے یہاں جو نماز آپ نے پڑھی تھی وہ ایک سبب سے تھی وہ یہ کہ حضرت عتبان بن مالک رضؓ نے کہا تھا کہ حضور صلعم! میری نظر کمزور ہے اور میرے گھر اور میری قوم کی مسجد کے درمیان ایک وادی بہتی ہے میری خواہش ہے کہ آپ میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر نماز پڑھ لیں۔ میں اسی جگہ نماز پڑھا کروں گا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا تھا انشاء اللہ ایسا کل ہو جائے گا چنانچہ اگلے دن آپ اور حضرت ابوبکر صدیق دن چڑھے ان کے یہاں گئے اور حضور صلعم نے اجازت چاہی میں نے ان کو اندر بلا لیا۔ آپ نے بیٹھنے سے پہلے ہی فرمایا تم میرا نماز پڑھنا کس جگہ پسند کرتے ہو میں نے جگہ بتلادی لہٰذا

فقام وصفنا خلفه وصلى ثم سلم وسلمنا حين سلم — آپ کھڑے ہوئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف بنالی آپ نے نماز پڑھی پھر سلام پھیرا اور جس وقت آپ نے سلام پھیرا ہم نے بھی سلام پھیرا[1]۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے اور اس نماز اور اس قصہ کی اصل ہے۔ بخاری نے اس روایت میں اختصاراً کیا ہے اس حدیث میں اسقدر اور ہے۔

صلى فى بيتى سبحة الضحى فقاموا وراءه فصلوا — آپ نے میرے گھر چاشت کی نماز پڑھی اور سب نے آپکے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھی

رہا حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی مذکورۃ الصدر حدیث کا معاملہ تو یہ اور زیادہ واضح ہے کہ آپ کی نماز کسی سبب سے تھی کہ حضور صلعم جب سفر سے آتے تھے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور اس میں دو رکعت ادا فرماتے یہی آپ کی عادت مبارکہ تھی اور اسی کی حضرت عائشہ رضؓ نے خبر دی ہے اسی کو انھوں نے فرمایا ہے کہ حضور صلعم نے چاشت کی نماز نہیں پڑھی۔ بہرحال جن حضرات نے آپ کا نماز چاشت پڑھنا سفر کی آمد، فتح، کسی کے یہاں جانے کی صورت میں ثابت کیا ہے انھوں نے مسجد قبا میں جانے کی وجہ سے بھی وہاں نماز

---

[1] امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نوافل جماعت سے ادا کرنا جائز ہیں حنفیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ جواز ثابت ہوتا ہے اور وہ بھی کبھی کبھی۔ اس سے اگر مداومت ثابت کی جائے۔ تو غلط ہے کیونکہ فرائض سے مشابہت لازم آتی ہے (کذا فی المرقاۃ) حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ تداعی کیساتھ نوافل کی جماعت جائز نہیں ہے اور تداعی یہ ہے کہ امام کے علاوہ تین آدمی جماعت میں شریک ہوں حضرت گنگوہیؒ نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے اگر اتفاقاً دو تین جمع ہو جائیں تو جائز ہے مداومت اس پر جائز نہیں ہے حضرت شیخ مدنیؒ نے انکو قول مرجوح قرار دیا ہے لیکن فقہ اور حدیث میں حضرت گنگوہی فقیہ النفس اور محدث لاثانی ہیں تفصیل کلام آئندہ مستقل عنوان کے تحت آئے گا۔

چاشت پڑھنا ثابت کیا ہے۔

صلوٰۃ ضحی شکرانہ کے طور پر

یوسف بن یعقوب نے فرمایا ہے کہ ہم سے محمد بن ابی بکر نے بیان کیا اور ان سے سلمہ بن رجاء نے اور ان سے شعثاء نے بیان کیا کہ

رایت ابن ابی اوفی صلی الضحی	میں نے ابو اوفی کو دیکھا کہ انھوں نے نماز
رکعتین یوم بشر براس ابی جہل	چاشت دو رکعت اس دن پڑھیں جس

دن ان کو ابو جہل کے قتل کی خوشخبری ملی[1]۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو یہ نماز بطور شکرانہ کے تھی جو چاشت کے وقت ادا کی گئی تھی جیسا کہ فتح مکہ کیوقت نماز بطور شکرانہ ادا کی گئی۔

وظائف کی قضاء

جن لوگوں نے بلا سبب کے اس نماز کا انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگ اس نماز کو بلا سبب کے بھی پڑھتے ہیں یہ نماز نہ مکروہ ہے اور نہ خلاف سنت ہے لیکن حضور صلعم کی عادت شریفہ اس نماز کو بلا سبب کے پڑھنے کی نہیں تھی[2]۔ آپ نے اس نماز کی وصیت بھی کی ہے اور اسکے پڑھنے کی لوگوں کو ترغیب بھی دی ہے۔ جہاں تک آپ کے پڑھنے کا تعلق ہے تو آپ صلوٰۃ تہجد کی بنا پر اس نماز سے مستغنی تھے۔ کیونکہ وہ نماز ان نوافل کا بدل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هو الذی جعل اللیل والنهار	وہی ذات ہے کہ جس نے دن رات کو
خلفة لمن اراد ان یذکر او	نصیحت پکڑنے والوں اور شکر گزاروں
اراد شکوراً	کیلئے یکے بعد دیگرے آنے والا بنایا۔

حضرت ابن عباس رضؓ اور حسن فرماتے ہیں کہ لفظ " عبوض اور خلفۃ[3] " ایک دوسرے کے قائمقام ہیں لہٰذا دن یا رات کا کوئی وظیفہ اگر فوت ہو جائے تو وہ رات یا دن کسی ایک میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ حضرت قتادہ ؒ فرماتے ہیں:۔

فادوا اللّٰہ من اعمالکم خیراً فی	دن اور رات میں اللہ کے لئے اچھے عمل کرو
هذا اللیل والنهار فانهما مطیتان	کیونکہ یہ دن اور رات لپیٹے جا رہے ہیں
یقحمان الناس الی اجالهم و	لوگ بھی موت کے منہ میں جا رہے ہیں اور
یقربان کل بعید و یبلیان کل	ہر دور قریب آتا جا رہا ہے اور ہر نیا پرانا

---

[1] اس مسئلہ پر آئندہ باب میں تفصیل آرہی ہے۔ [2] یہ غلط ہے کہ حضور صلعم نے اسکو بلا سبب نہیں پڑھا بلکہ ایسی احادیث موجود ہیں جن پر ثابت ہے کہ آپ نے اس نماز کیلئے بلا سبب کے بھی ترغیب دی ہے ملاحظہ فرمایئے سنن ابی داؤد۔ [3] مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ؒ نے وظائف کی قضا کے متعلق یہی آیت دلیل میں پیش فرمائی ہے۔ عجیب شان تھی ان کی۔

جدین وجیئبان کل موعود الی یوم القیامۃ — ہوتا جارہا ہے اور قیامت تک کا ہر موعود سامنے آرہا ہے

شقیق فرماتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت عمر رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میری رات کی نماز قضا ہوگئی ہے تو انھوں نے ارشاد فرمایا "تم سے جو رات میں فوت ہوگئی ہے اس کو دن میں ادا کرلو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا ہے"۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ حضرات صحابہ رضؓ کا عمل اسی پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضؓ صلوٰۃ ضحیٰ ایک دن پڑھتے تھے اور دس دن تک اس کو چھوڑ دیتے تھے حضرت ابن عمر رضؓ اس کو نہیں پڑھتے تھے جب وہ ہر ہفتہ مسجد قبا میں تشریف لاتے تھے تو پڑھتے تھے۔ سفیان فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضؓ صلاۃ ضحیٰ کو مثل فرائض کے پابندی سے ادا کرنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ کبھی پڑھتے تھے اور کبھی چھوڑ دیتے تھے۔

صلوٰۃ ضحیٰ میزبان کے یہاں

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک صاحب بہت موٹے تھے انھوں نے حضور صلعم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے پر قادر نہیں ہوں (اس لئے کہ وہ موٹے تھے طویل قیام کرنا ان کے لئے دشوار تھا) بہرحال انھوں نے حضور صلعم کے لئے اپنے گھر کھانا تیار کرایا اور اپنے گھر بلوا کر لے گیا۔ اور اپنے گھر میں ایک طرف بوریا بچھوا دیا اس وقت حضور صلعم نے

فصلی علیہ رکعتین — آپ نے اس پر دو رکعت پڑھیں

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلعم کو بجز اس یوم کے نماز چاشت پڑھتے نہیں دیکھا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے (حضرت انس رضؓ نے صرف اپنے دیکھنے کی نفی کی ہے) جن لوگوں نے احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ میں غور کیا ہے ان کا سب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت انس رضؓ کے قول کی تائید میں ہیں۔

احادیث ترغیب پر تبصرہ

وہ احادیث جن میں نماز چاشت کی ترغیب ہے ان میں سے صحیح حدیث حضرت ابوہریرہ رضؓ حضرت ابوذر رضؓ کی ہیں۔ ان سے یہی ظاہر ہے کہ نماز چاشت سنت راتبہ کی طرح نہیں ہے ورنہ ہر ایک کے لئے سنت کا درجہ رکھتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کے لئے جو نماز چاشت کی وصیت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ رات کو درس حدیث دیا کرتے تھے اس لئے ان کو قیام لیل کے بدل میں صلوٰۃ ضحیٰ کی وصیت فرمائی اور اسی وجہ سے ان کو یہ بھی وصیت کی کہ وہ سونے سے پہلے وتر ادا کرلیا کریں۔ ایسا حکم آپ نے نہ حضرت ابوبکر رضؓ کو دیا اور نہ حضرت عمر رضؓ

اور نیز دیگر صحابہ رض کو دیا۔ اس کے علاوہ اس مسئلہ میں جتنی احادیث ہیں ان پر کلام ہے ان میں سے بعض منقطع ہیں اور بعض موضوع ہیں کہ جن سے استدلال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً حضرت انس رض سے ایک حدیث مرفوع ہے۔

من داوم علی صلوٰۃ الضحیٰ ولم	جس نے صلوٰۃ ضحیٰ پر مداومت کی اور اس کو
یقطعها الا عن علة کنت انا وهو	بلا عذر ترک نہ کیا تو وہ اور میں نور کے سمندر
فی زورق من نور فی بحر من نور	میں اور نور کی کشتی میں ہوں گے۔

اس حدیث کو زکریا بن درید الکندی نے وضع کیا ہے لیکن حدیث یعلی بن اشدق عن عبداللہ عن جراد عن النبی صلعم یہ ہے۔

من صلی منکم صلوٰۃ الضحیٰ فلیصلها	تم میں سے جو آدمی بھی نماز چاشت پڑھے اسے
متعبداً فان الرجل لیصلها السنة	عبادت گذاری کے طور پر پڑھے کیوں کہ ایک
من الدهر ثم ینساها ویدعها	آدمی جب ایک زمانہ تک ایک سنت کو پڑھتا ہے
فتحن الیه کما تحن الناقة علی و	پھر اس کو بھول جاتا ہے اور چھوڑ دیتا ہے تو
لدها اذا فقدته	اس کی طرف اس طرح کھنچنا جیسے اونٹنی

اپنے بچے کی طرف کھنچتی ہے جب وہ بچہ گم ہو جاتا ہے۔

امام حاکم پر تعجب ہے کہ انھوں نے اس جیسی حدیث سے کیوں استدلال کیا ہے انھوں نے اس حدیث کو کتاب میں ذکر کر دیا حالانکہ یہ نسخہ موضوع ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ یعلی بن اشدق اپنے چچا عبداللہ بن جراد کے واسطے سے حضور صلعم سے بہت زیادہ منکر احادیث روایت کرتے ہیں۔ وہ اور ان کے چچا دونوں غیر معروف ہیں۔ مجھے ابو مسہر کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ انھوں نے یعلی بن اشدق سے کہا کہ آپ کے چچا نے کوئی حدیث حضور صلعم سے نہیں سنی۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ

جامع سفیان وموطا مالک و	انھوں نے جامع سفیان اور موطا امام مالک اور
شیئاً من الفوائد	کچھ دیگر فوائد سے استفادہ کیا ہے۔

ابو حاتم بن حبان کہتے ہیں کہ میں نے یعلی بن عبداللہ بن جراد سے ملاقات کی ہے ان کی حالت یہ تھی کہ وہ جب بڑے ہو گئے تو ان کے پاس بے دین قسم کے لوگ آنے لگے اور انھوں نے تقریباً دو سو احادیث وضع کر دیں۔ اور انھوں نے ان احادیث کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ یہی بات ہمارے مشائخ کے بعض اصحاب نے کہی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ اس نسخہ اور جامع سفیان سے روایت بیان کرنا حلال نہیں ہے۔

ایسے ہی حدیث عمر بن صبیح، ہے جس میں ذکر ہے کہ آپ نے بارہ رکعت پڑھی۔ امام حاکم

نے اس کو صلاۃ ضحیٰ کے باب میں ذکر کیا ہے) یہ حدیث بھی موضوع ہے اور اسی حدیث کی وجہ سے عمر بن صبیح پر جرح کی جاتی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن علی بن جبیر نے بیان کیا کہ میں نے عمر بن صبیح سے سنا ہے اس نے کہا میں نے حضور صلعم کا خطبہ وضع کیا ہے ابن عدی نے عمر بن صبیح کو منکر الحدیث بتلایا ہے۔ ابن حبان نے فرمایا ہے کہ وہ حدیث وضع کیا کرتے تھے ثقہ لوگوں کے لئے اس کی روایت نقل کرنا حلال نہیں ہے دار قطنی نے کہا کہ وہ متروک ہیں۔ ازدی نے کہا ہے وہ جھوٹے ہیں۔

یہی حال حدیث عبد العزیز بن ابان کا ہے (یہ حدیث وہ ہے کہ جس میں سمندر کے جھاگ وغیرہ کا ذکر ہے امام حاکم نے اس کو ذکر کیا اور فرمایا ہے کہ یہ عبد العزیز تو ثقہ ہیں وہ دوسرے عبد العزیز ہیں جو کذاب ہیں یحییٰ نے کہا ہے کچھ نہیں عبد العزیز کذاب ہے خبیث ہے کہ حدیث وضع کرتا ہے۔ امام بخاری، نسائی دار قطنی نے کہا ہے کہ وہ متروک الحدیث ہیں۔

یہی حال حدیث نہاس بن فہم کا ہے۔ نہاس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ کچھ نہیں۔ ضعیف ہیں۔ انھوں نے بروایت عطاء عن ابن عباس متعدد منکر حدیثیں بیان کی ہیں۔ امام نسائی نے کہا ہے وہ ضعیف ہیں۔ ابن حبان نے کہا ہے وہ مشاہیر سے منکر حدیث روایت کرتے ہیں اور ثقہ راویوں کی مخالفت کرتے ہیں ان سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ دار قطنی نے ان کو مضطرب کہا ہے۔ یحییٰ بن قطان نے ان کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔

اس کے بعد حدیث حمید بن صخر کے بارے میں بھی سن لیجئے جس میں حضور صلعم کے لشکر بھیجنے کا ذکر ہے ان کو نسائی، یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے اور بعض دوسرے حضرات نے ثقہ بتلایا ہے بعض نے انکو منکر الحدیث کہا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ جس میں یہ منفرد ہوں اس حدیث سے استدلال نہ کرنا چاہیئے۔

محمد بن اسحاق کی حدیث (جس میں جنت میں سونے کے محل کا ذکر ہے) غرائب میں سے ہے امام ترمذی نے اس کو غریب کہا ہے کہ اس سند کے علاوہ مجھے کوئی دوسری سند معلوم نہیں ہے اور حدیث نعیم بن ہمار، اور حدیث ابو درداء، اور حدیث ابو ذر میں جو چار رکعات کا ذکر ہے یعنی اول نہار میں چار رکعت پڑھنے کی ترغیب ہے اس کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ بیان فرماتے ہیں کہ ان سے مراد صبح کی سنت اور فرض ہیں[1]

وقت چاشت [1] مذکورہ تنقید سے غرض غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ صلوٰۃ ضحیٰ گویا بدعات میں سے ہے لیکن یہ چیز ظاہر ہے کہ صلوٰۃ ضحیٰ کو بدعت قرار دینا دشوار تر ہے۔ مختلف قسم کی احادیث اور آثار کی موجودگی میں اس نماز کے استحباب سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جن احادیث کو راویوں کی وجہ سے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے وہ ضعف فضائل اعمال کے لئے مضر نہیں ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ ابتدا سے بیکراب تک اولیاء امت (باقی آئندہ)

انیسواں ۱۹ باب

سجدۂ شکر اور سجدۂ تلاوت

سجدۂ شکر کا بیان تجدید نعمت کے وقت آپ کی اور آپ کے اصحاب کی سجدۂ شکر ادا کرنے کی عادت تھی ایسے ہی بلا کے ٹلنے پر بھی کیا کرتے تھے، مسند احمد میں حضرت ابوبکر رضہ کی

گذشتہ سے پیوستہ نے اس نماز کو اہمیت کے ساتھ ادا کیا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں:-

فالمواظبۃ علیھا من عزائم الافعال وفواضلھا۔ ص۲۰۳ ج۱ — صلوٰۃ ضحی پر مداومت بہترین اعمال اور باعزیمت افعال میں سے ہے۔

اس نماز کا اول وقت آفتاب کے ایک نیزہ بلند ہونے سے شروع ہوتا ہے اور جب دن کا چوتھائی حصہ گذر جاتا ہے (یعنی نصف النہار سے قبل) اس وقت تک رہتا ہے۔ چونکہ ظہر کی نماز نصف نہار کے دوسرے حصہ میں ادا ہوتی ہے اس لئے اس سے قبل طلوع آفتاب اور ظہر کے درمیان اس نماز کا وقت ہے جیسا کہ عصر کی نماز دن کے نصف ثانی کے آخری چوتھائی حصہ میں ظہر اور مغرب کے درمیان ادا ہوتی ہے۔ احیاء العلوم ص۲۰۳ ج۱

علامہ ابن تیمیہ کے استدلال کے اندر جہاں سنت فجر اور فرض مراد لینے کی گنجائش ہے وہاں صلوٰۃ ضحی کی چار رکعتوں کا مراد لینا بھی متحمل ہے۔ کیونکہ امام ابی داؤد نے اس حدیث کو صلوٰۃ ضحی کے باب میں ذکر کیا ہے۔ صاحب بذل المجہود نے صاحب تخریج المصابیح کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان چار رکعات سے مراد صلوٰۃ ضحی ہے ۱ھ بذل المجہود ص۲۷۳ ج ۲۔

سجدۂ شکر لہ سجدۂ شکر کے متعلق صاحب درمختار نے تحریر فرمایا ہے:-

سجدۃ الشکر مستحبۃ بہ یفتی لکنھا تکرہ بعد الصلوٰۃ لان الجھلۃ یعتقد ونھا سنۃ او واجبۃ۔ ص۵۷۶ ج۱ — سجدۂ شکر مستحب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے ہاں نماز کے بعد کرنا مکروہ ہے اسلئے کہ جاہلوں کو اسکی سنیت یا وجوب کا اعتقاد ہو جائے گا۔

حضرت امام ابوحنیفہ تنہا سجدہ کو مکروہ فرماتے ہیں ان کا ارشاد ہے کہ شکر تام تو دو رکعت ادا کرنے سے ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر کیا تھا۔ صاحبین کا فرمانا ہے کہ سجدۂ شکر کے متعلق بکثرت احادیث موجود ہیں اور حضرت ابوبکر رضہ حضرت عمر رضہ حضرت علی رضہ نے بھی سجدۂ شکر ادا کیا ہے۔ صاحب الاشباہ نے قاعدہ اولیٰ میں بیان فرمایا ہے کہ یہ اختلاف مشروعیت اور جواز کے متعلق نہیں ہے بلکہ سنیت میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن عابدین نے فرمایا ہے کہ وتر کے بعد سجدۂ شکر ادا کرنے کا طریقہ جہال نے اختیار کیا ہے۔ شرعیت میں اس کے لئے گنجائش نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جاہلوں کے اعتقاد کی حفاظت کی وجہ سے تنہا سجدۂ شکر نہ ادا کرنا چاہیئے اس کی افضل صورت یہی ہے جو امام صاحب نے بیان فرمائی ہے۔ واللہ اعلم

۞ ۞ ۞ ۞

روایت ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اتاہ امر یسرہ خر اللہ ساجدًا شکرًا للہ تعالٰی	جب آپ کے پاس کوئی خوش کن خبر آتی تو اظہار تشکر کے طور پر اللہ کے لئے سجدہ میں گر جاتے تھے۔

ابن ماجہ نے حضرت انس رضؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ جب آپ کو کسی چیز کی بشارت دی جاتی تھی تو آپ سجدہ میں گر جاتے تھے: بیہقی نے حضرت علی رضؓ کی روایت بخاری کی شرط کے مطابق ذکر کی ہے کہ جب حضرت علی رضؓ نے ہمدان کے اسلام لانے کی خبر حضور صلعم کی خدمت میں لکھ کر بھیجی تو آپ سجدے میں گر پڑے اور سر اٹھا کر فرمایا:۔

السلام علی همدان السلام علی همدان	ہمدان پر سلامتی ہو ہمدان پر سلامتی ہو۔

اس حدیث کا ابتدائی حصہ بخاری شریف میں موجود ہے۔ یہ پوری حدیث اسی سند سے امام بیہقی نے بھی ذکر کی ہے۔ مسند احمد میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ حضور صلعم نے اس وقت سجدۂ شکر ادا کیا جب آپ کے رب کے پاس سے آپ کو یہ خوشخبری ملی:۔

من صلی علیک صلیت علیہ ومن سلم علیک سلمت علیہ	جو آپ پر صلوٰۃ بھیجے گا میں اس پر صلوٰۃ بھیجونگا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلام بھیجونگا

سنن ابی داؤد میں سعد بن وقاص رضؓ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالٰی سے کچھ مانگا اور پھر سجدے میں گر پڑے اسی طرح آپ نے تین مرتبہ کیا پھر آپ نے ارشاد فرمایا:۔

انی سالت ربی وشفعت لامتی فاعطانی ثلث امتی فخررت ساجدًا شکرًا لربی ثم رفعت راسی فسالت ربی لامتی فاعطانی الثلث الآخر فخررت ساجدًا لربی	میں نے اپنے رب سے سوال کیا اور امت کی شفاعت کی تو مجھے ایک تہائی امت عطا فرمائی تو میں شکر ادا کرنے کی غرض سے سجدہ میں گر گیا۔ پھر سر اٹھا کر مانگا تو پھر ایک تہائی مزید عطا فرمائی تو پھر میں سجدہ میں گر گیا

حضرت کعب بن مالکؓ کی جب توبہ قبول ہوئی تو وہ بھی سجدہ میں گر پڑے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ امام احمد نے حضرت علی رضؓ کے متعلق نقل کیا ہے کہ جب خوارج کے ساتھ ان کی جنگ ہوئی اور آپ فارغ ہوئے تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ سعید بن منصور نے ذکر کیا ہے کہ جب مسلیمہ کذاب کے قتل

کی اطلاع حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کو ملی تو انھوں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔

سجود تلاوت کا بیان

جب حضور صلعم کسی آیت سجدہ کو پڑھتے تو سجدہ کیا کرتے تھے اس سجدہ میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے وجھی للذی خلقه وصوره وشق سمعهٗ وبصره بحوله وقوته یعنی میرا چہرہ اس ذات کے لئے ہے جس نے اپنی قوت سے اسے پیدا کیا اور اسے مصوّر کیا اس طرح کہ اس میں سے کان اور آنکھیں پیدا کیں اور بعض دفعہ یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے۔

اللّٰھم حطط عنی بھا وزراً واکتب لی بھا اجراً واجعلھا لی عندك ذخراً وتقبلھا منی کما تقبلھا من عبدك داؤد

ان دونوں حدیثوں کو اہل سنن نے ذکر کیا ہے یہ مذکور نہیں ہے کہ اس سجدے سے اٹھتے ہوئے آپ تکبیر کہا کرتے تھے اسی وجہ سے علامہ خرقی اور متقدمین اصحاب نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ سجدہ تلاوت میں آپ سے تشہد اور سلام بھی منقول نہیں ہے چنانچہ امام احمد اور امام شافعی صاحب نے سلام کا انکار کیا ہے۔ امام شافعی سے تو یہ منقول ہے لا تشھد فیه ولا سلام یعنی اس میں نہ تشہد ہے اور نہ سلام ہے امام احمد نے فرمایا ہے سجدۂ تلاوت میں سلام کو میں جانتا نہیں یعنی اس میں سلام نہیں ہے۔[۱]

آیات سجدہ

حضور صلعم سے بروایات صحیحہ ثابت ہے کہ آپ نے الم تنزیل میں سورہ ص، سورہ نجم میں، سورہ اذا السماء انشقت میں، سورہ اقراء میں سجدہ کیا ہے ابو داؤد نے ...... حضرت عمرو بن العاص رضؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے قرآن پاک میں پندرہ ۱۵ جگہ سجدے پڑھے ان میں سے تین سجدے مفصلات میں اور سورہ حج میں دو سجدے ۲ لیکن امام داؤد کی یہ حدیث کہ

سجدت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم احدیٰ عشرۃ سجدۃ	میں نے حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے ساتھ گیارہ ۱۱ سجدے کئے ہیں۔

سجدۂ تلاوت کا طریقہ

[۱] سجدۂ تلاوت واجب ہے اور اسکے لئے وہی شرائط ہیں جو نماز کیلئے بجز اسکے کہ اس میں تکبیر تحریمہ، تشہد، سلام نہیں ہے۔ سجدۂ تلاوت آیت پڑھنے کے فوراً بعد ادا کرنا افضل ہے آیت سجدہ سننے کے بعد سننے والے پر بھی سجدہ واجب ہو جاتا ہے خواہ اسنے قصداً سنا ہو یا نہ۔ طریقہ سجدہ تلاوت کا وہی ہے جو نماز کے سجدہ کی ادائیگی کا ہے یعنی تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جانا اور تکبیر کہتے ہوئے سجدہ سے سر اٹھانا۔ اس سجدہ میں وہی تسبیحات پڑھی جاتی ہیں جو سجدہ صلوٰۃ میں پڑھی جاتی ہیں۔ علامہ نے جو دعا نقل فرمائی ہے اسکے جواز اور مشروعیت سے انکار نہیں ہے۔

علامہ ابن قیم نے اپنے بیان میں عمومیت رکھی ہے حالانکہ سجدہ تلاوت دو طرح پر ادا کیا جاتا ہے نماز میں یا خارج نماز میں جو سجدہ تلاوت ادا کیا جائے گا اس میں وہی پڑھا جائیگا جو نماز کے سجدہ میں پڑھا جاتا ہے یعنی سبحان ربی الاعلیٰ اور جو سجدہ خارج صلوٰۃ ادا کیا جائیگا اسکے متعلق دو دعائیں علامہ نے نقل فرمائیں۔ امام ابن ہمام بیان فرماتے ہیں بعض حضرات نے آیت مبارکہ سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا پڑھنا مستحب قرار دیا ہے علامہ نے یہ بھی (باقی آئندہ)

مفصلات میں سے کوئی سورت اس میں شمار نہیں کرائی ہے سورہ اعراف، سورہ الرعد، سورہ النمل، سورہ النحل، سورہ بنی اسرائیل، سورہ مریم، سورہ الحج، سورہ فرقان میں دو سجدے، سورہ سجدہ، سورہ ص، سورہ

گزشتہ سے پیوستہ غلط فرمایا ہے کہ سجدے سے سر اٹھاتے وقت تکبیر کہنا ثابت نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے بیان فرمایا ہے یسجد ثم کبر و رفع راسہ اعتبارًا لسجدۃ الصلوٰۃ وھو المروی عن ابن مسعودؓ یعنی بلا ہاتھ اٹھائے تکبیر کہہ کر سجدہ کرے اور پھر تکبیر کہے اور سر کو اٹھائے جس طرح نماز کے سجدے میں کیا جاتا ہے یہی حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے فتح القدیر صفحہ ۲۳۶ ج ۱۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ روایت ابن عمرؓ کی ہے جمہور اور امام شافعی نے اسی کو اختیار کیا ہے البنایہ صفحہ ۹۵۱ ج ۲۔

تعداد سجدہ تلاوت ۱ ۲ ۳ قرآن پاک میں سجدہ تلاوت چودہ ہیں آخر سورہ اعراف، الرعد، النحل، بنی اسرائیل، مریم، سورۃ الحج کا پہلا سجدہ، سورۃ الفرقان، النمل، الم تنزیل، ص، حم السجدہ، النجم، اذا السماء انشقت، اقرأ۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے مگر وہ سورہ حج میں دو سجدے مانتے ہیں اور سورہ ص میں سجدہ نہیں مانتے۔ ان کی تائید میں بخاری کی وہ روایت ہے جو ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ "سجدہ ص عزائم میں سے نہیں ہے" دوسری حدیث سنن ابی داؤد کی ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپ نے خطبہ پڑھتے وقت سورہ ص پڑھی اور سجدہ کیا اور صحابہؓ نے بھی سجدہ کیا دوسری مرتبہ پڑھی تو آپ نے فرمایا یہ تو نبی کی توبہ ہے، ہر دو حدیث سے امام شافعی کے مسلک کی تائید نہیں ہوتی اسلئے کہ عزائم سے مراد فرائض نہیں بلکہ واجبات ہیں، آپ نے فرضیت کی نفی فرمائی ہے دوسری حدیث سے بھی اسکا وجوب باطل نہیں ہوتا کیونکہ تمام فرائض اور واجبات خدا کی نعمتوں کے شکریہ میں ادا کئے جاتے ہیں، امام صاحب کی دلیل ایک حدیث..... ہے جو انھوںؒ اپنی مسند میں عن سماک عن عیاض الاشعری عن ابی موسیٰ اشعریؓ روایت کی ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سجد فی ص — آپ نے سورہ ص میں سجدہ کیا

دوسرے وہ واقعہ ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورہ ص لکھ رہا ہوں جب آیت سجدہ پر پہنچا تو دوات و قلم غرض کہ تمام موجودات سر بسجود ہو گئے، یہ قصہ میں نے حضور صلعم سے بیان کیا تو اسکے بعد آپ برابر سجدہ کرتے تھے۔" معلوم ہوا کہ خطبہ والا واقعہ پہلا ہے اور یہ بعد کا ہے۔ اس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔

امام شافعی نے سورہ حج میں دو سجدوں کے متعلق جو روایت ذکر کی ہے جو مسند احمد اور مستدرک حاکم میں بھی موجود ہے اسکو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ اسکی سند میں ابن لہیعہ ہیں جو ضعیف ہیں آخر عمر میں انکا حافظہ کمزور ہو گیا تھا ان پر ابو الفرج یحییٰ بن سعید اور یحییٰ بن معین نے بھی جرح کی ہے اسکے علاوہ امام شافعی صاحبؒ ایک دوسری روایت عمرو بن العاصؓ کی عبد اللہ بن مبین کی سند سے ذکر کی ہے جسکو عبد الحق نے ضعیف قرار دیا ہے بالفرض اگر ان آثار اور احادیث کو صحیح قرار دیدیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا جو امام طحاوی نے بیان فرمایا ہے۔

عن ابن عباسؓ انہ قال سجود الحج الاولیٰ عزیمۃ والاخری تعلیم — ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سورہ حج کا پہلا سجدہ وجوبا دوسرا تعلیما ہے۔

اسکے اسناد صحیح ہیں۔ مبسوط میں کہا ہے کہ پہلے سجدہ سے مراد سجدہ تلاوت ہے اور دوسرے سجدے سے مراد سجدہ صلوٰۃ ہے البنایہ صفحہ ۹۳۸ ج ۲۔

الغرض یہ بات واضح ہے کہ قرآن پاک میں چودہ سجدے ہیں بقیہ گیارہ والی روایت اور پندرہ والی روایت پر خود علامہ تنقید کر چکے ہیں صاحب فتح القدیر نے پندرہ والی روایت کے راوی پر ابن قطان کی جرح نقل کی ہے "لا یعرف حالہ" یعنی یہ مجہول ہیں۔ فتح القدیر صفحہ ۲۳۰ ج ۱۔

اختلاف اقوال تعداد سجود قرآن میں بارہ قول ہیں، ایک قول تو وہ ہے جو امام ابو حنیفہ نے بیان فرمایا ہے دوسرا قول گیارہ سجدوں کا ہے اسمیں تین سجدے مفصلات کے ترک کر دیئے ہیں حالانکہ روایت سے صرف (باقی آئندہ)

الحوائیم[1]۔ ابوداؤد نے فرمایا ہے کہ حضرت ابودرداء رضی حضور صلعم سے گیارہ سجدے ہی روایت کئے ہیں مگر اس حدیث کی اسناد کمزور ہیں اس کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی کی یہ حدیث کہ :۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	حضور صلعم جب سے مدینہ منورہ تشریف
لم یسجد فی المفصل منذ تحول	لائے آپ نے مفصلات میں سجدہ
الی المدینۃ	نہیں کیا ۔

یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ابو قدامہ الحارث بن عبید ہیں جن کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جاتا ۔ امام احمد فرماتے ہیں وہ مضطرب الحدیث ہیں ۔ یحییٰ بن معین نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے البتہ امام نسائی نے انکی تصدیق کی ہے مگر وہ منکر روایت بھی بیان کر دیتے ہیں ۔ ابو حاتم البتی نے کہا ہے کہ وہ آدمی صالح ہیں لیکن کثیر الوہم ہیں ۔ ابن قطان نے مطر الوراق کی وجہ سے علت بتلائی ہے اور کہا ہے کہ ان میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی وجہ سے سوء حفظ کا شبہ ہوتا ہے ۔ امام مسلم پر انکی حدیث نقل کرنیکی وجہ سے شبہ ہوتا ہے لیکن امام مسلم کے اوپر یہ تنقید مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ احادیث سے اس قسم کی چیزوں کو اسی طرح چھانٹ دیتے ہیں جس طرح وہ ثقہ راویوں کی روایات میں غلطی معلوم ہونے پر چھانٹ دیا کرتے ہیں لہٰذا وہ لوگ غلطی پر ہیں جو امام مسلم کے بارے میں یہ کہا کرتے ہیں کہ انھوں نے تمام روایات ثقہ ہی سے نقل کی ہیں یا انھوں نے کسی سوء حفظ راوی کی حدیث میں ضعف کے باوجود اسکو نقل کر دیا ہے مطلب یہ ہے کہ امام مسلم کا طریقہ صحیح ہے اسلئے کہ اگر انھوں نے کسی ضعیف راوی کی روایت کو ذکر کیا ہے تو پہلے اس حدیث کے اتنے ضعف کو دور کرکے نقل کیا ہے ہاں اس سے انکار نہیں ہے کہ امام حاکم کا طریقہ بہتر ہے اور دوسرے نمبر پر امام ابن حزم کا طریقہ ہے لیکن امام مسلم کا طریقہ وہ ہے جو اس فن کے ائمہ کا ہوا کرتا ہے ۔

حضرت ابوہریرہ رضی سے صحیح روایت ہے کہ انھوں نے حضور صلعم کے ساتھ سورۂ اقراء میں اور سورۂ اذا السماء انشقت میں سجدہ کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی حضور صلعم کے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد ۶ھ یا ۷ھ میں مسلمان ہوئے تھے اگر مذکورہ دونوں حدیثوں میں صحت کے باوجود تعارض موجود ہے تو حضرت ابوہریرہ رضی کی حدیث کو مؤخر ہونیکی وجہ سے ترجیح حاصل رہیگی پھر وہ حدیث مثبت ہے اور اس میں زیادہ علم ہے جو حضرت ابن عباس رضی کی حدیث میں نہیں ہے ۔ علاوہ ازیں حضرت ابوہریرہ رضی کی حدیث میں غایت درجہ صحت ہے اور حضرت ابن عباس رضی کی روایت میں ضعف ہے ۔[1]

---

[1] **گزشتہ سے پیوستہ** اسقدر معلوم ہو رہا ہے کہ راوی نے حضور صلعم کیساتھ گیارہ سجدے کئے ۔ انکے علم سے بقیہ کا انکار نہیں ہو سکتا یہ قول امام حسن، ابن مسیب، عکرمہ ...... مجاہد، عطا، طاؤس، مالک کا ہے تیسرا قول پندرہ سجدوں کے بارے میں ہے ۔ یہ قول لیث، اسحٰق کا ہے ۔ چوتھا قول چودہ سجدوں کا باختلاف مذکور امام شافعی کا (۵) اس قول میں (باقی آئندہ)

بیسواں[۲۰] باب

جمعہ اور اس کے فضائل و احکامات وغیرہ

خصائص یوم جمعہ بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میں آنے والوں میں سب سے آخر میں ہوں لیکن قیامت کے دن ہم اولین و سابقین میں ہونگے فرق صرف اسقدر ہے کہ ان حضرات کو ہم سے پہلے کتاب ملی۔ پھر یہ دن جمعہ کا ان کو عطا ہوا وہ اس میں مختلف ہوگئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسکے بارے میں ہدایت دی۔ لوگ اس معاملہ میں ہمارے مقلد ہیں۔ کل کو یہود اور پرسوں کو نصاریٰ۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی

گذشتہ سے پیوستہ سورہ نجم کے سجدہ کو ساقط مان کر چودہ سجدے تسلیم کئے ہیں یہ قول ابی ثور کا ہے (۶) بارہ سجدوں کے متعلق ہے ایسی سورہ حج کا دوسرا سجدہ ساقط مانا ہے اور سورہ انشقاق کے سجدے سے بھی انکار کر دیا ہے یہ قول مسروق کا ہے (۷) یہ قول تیرہ سجدوں کا ہے اس میں سورہ حج کا دوسرا سجدہ نہیں مانا اور سورہ انشقاق کا سجدہ بھی نہیں مانا (۸) پانچ ..... سجدوں کے متعلق ہے یعنی اعراف، بنی اسرائیل، النجم، الانشقاق، اقراء، ان کو عزائم سجود میں شمار کیا ہے یہ قول ابن مسعود رضہ کا ہے (۹) چار سجدوں کے متعلق حضرت علیؓ کا قول ہے (۱۰) تین سجدوں یعنی الم تنزیل، النجم، اقراء کے متعلق حضرت علی رضہ کا قول ہے (۱۱) عزائم سجود میں صرف الم تنزیل الاعراف، حم، بنی اسرائیل ان چار سجدوں کو شمار کیا ہے یہ قول عبید بن عمار کا ہے (۱۲) بارہ سجدوں کے متعلق بھی ایک قول ہے لیکن مسلک حق وہی ہے جو امام ابوحنیفہ نے بیان فرمایا ہے واللہ اعلم۔ البنایہ صفحہ ۹۳۸ ج ۲۔

لہ اس تنقید سے علامہ کا مقصود پندرہ سجدوں ..... کی تردید ہے۔

جمعہ کا دن لہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اس امت کیلئے جمعہ کے دن کی تخصیص یہ ہے کہ تمام ملتوں میں عرب و عجم میں ہفتہ میں ایک دن مخصوص تھا اللہ تعالیٰ کو جب تمام عالم میں اشاعت صلوٰۃ مقصود ہوئی تو اس کیلئے ایک دن ہفتہ میں مقرر فرمایا تاکہ کسی کو محرومی نہ ہے۔ اسکا انکشاف پہلے اصحاب نبی صلعم کو حضور صلعم کے مدینہ تشریف لانے سے قبل ہوا اور انھوں نے آپ کی آمد سے پیشتر جمعہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ اتفاق سے یہ انتخاب وحی الٰہی کے عین مطابق ہوگیا اور یہود و نصاریٰ سے اپنے اجتہاد میں غلطی ہوئی کہ انھوں نے ہفتہ اور اتوار کو منتخب کر لیا صفحہ ۲۸ ج ۲ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جمعہ کے حقوق کی ادائیگی کی ہدایت عطا فرمائی اور یہود و نصاریٰ اس سے محروم رہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فھدی اللہ الذین اٰمنوا لما اختلفوا فیہ	اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اس حق میں ہدایت اپنے حکم
من الحق باذنہ	سے عطا فرمائی جس میں دوسرے مختلف ہوگئے تھے۔

ابن بطال فرماتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہود و نصاریٰ پر جمعہ کا دن فرض تھا اور وہ اس سے پھر گئے بلکہ مطلب ہے کہ ان کو ایک دن منتخب کرنیکا اختیار دیا تھا انھوں نے اپنے اجتہاد سے ہفتہ کا دن اور اتوار کا دن اختیار کر لیا اور جمعہ کو منتخب نہ کیا۔ علامہ نووی نے فرمایا ہے ان پر فرض تو جمعہ کا دن ہی کیا تھا مگر یہ اپنی اختلاف پسند عادت قدیمہ کی وجہ سے مختلف ہوگئے اور کہا کہ ہمیں معین کرنے کا اختیار ہے اور اس تعیین میں ان سے غلطی ہوگئی اور ہم کو ہدایت ملی۔ ابن ابی حاتم نے ایک روایت بھی نقل کی ہے۔ (باقی آئندہ)

اور حضرت حذیفہ رضؓ کی روایت ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا "ہم سے مقدم لوگ جمعہ کے بارے میں گمراہ ہوگئے یہود نے یوم سبت کو اختیار کر لیا اور نصاریٰ نے یوم احد (اتوار) کو اختیار کر لیا اللہ تعالیٰ نے ہمیں جمعہ کے لئے ہدایت مرحمت فرمائی وہ ہمارے تابع ہیں۔ ہم دنیا میں سب کے آخر میں ہیں لیکن قیامت میں سب سے مقدم ہیں اور ہمارا فیصلہ بھی سب سے پہلے ہو چکے گا۔

مسند امام احمد اور سنن میں حدیث ہے آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے "دنوں میں افضل ترین دن جمعہ کا ہے اسی میں حضرت آدم عم پیدا ہوئے اور اسی میں انکی وفات ہوئی اسی میں قیامت آئے گی۔

فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان	اس دن میرے اوپر زیادہ درود و صلوٰۃ بھیجو!
صلوٰتکم معروضۃ علیّ	کیونکہ وہ میرے پاس پہنچائی جاتی ہے۔

حضرت صحابہ رضؓ نے عرض کیا ہماری صلوٰۃ آپ پر کیوں کر پیش ہوگی جب آپ کی ہڈیاں بھی قبر میں پرانی ہو چکی ہونگی۔ آپ نے ارشاد فرمایا زمین پر اجساد انبیاء علیہم السلام حرام کر دیئے گئے ہیں۔ [۱]

اس حدیث کو امام حاکم ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے بہترین دن جس میں سورج طلوع کرتا ہے جمعہ کا دن ہے اسی میں آدم پیدا ہوئے اسی دن وہ جنت میں داخل ہوئے اور اسی دن وہ جنت سے نکالے گئے اور قیامت بھی جمعہ کے دن قائم ہوگی۔ [۲]

گذشتہ سے پیوستہ

ان اللہ فرض علی الیھود الجمعۃ فابوا	اللہ تعالیٰ نے یہود پر جمعہ کا دن فرض کیا تھا مگر انھوں نے انکار کر دیا

اسلئے وہ اس حکم میں اگرچہ مقدم ہیں مگر انسے اپنے اجتہاد میں خطا ہوئی اسلئے وہ ہم سے پیچھے ہیں گویا ہم متبوع ہیں وہ تابع ہیں فتح الملہم صفحہ ۳۹۷ ج ۲

حیات النبی

[۱] حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب میں ارشاد فرمایا ہے "حیات انبیاء علیہم السلام میں کسی کو اختلاف نہیں اسکے پر اجماع ہے قرآن پاک نے شہداء تک کی حیات کی شہادت دی ہے انبیاء کا مقام تو ان سے اعلیٰ وارفع ہے اب یہ بات کہ اجساد انبیاء اور شہداء زمین پر کیوں حرام ہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ جسم میں بگاڑ روح کے جدا ہونے کی وجہ سے آتا ہے اور انقطاع ہی کا نام موت ہے انبیاء اور شہداء اور صلحا کی روحیں ذکر و عبادت کیوجہ سے بہت قوی ہو جاتی ہیں حد یہ ہے کہ انکی تمام زندگی مقتضیات روح میں گذرتی ہے وہ سراسر روح ہی روح ہوتے ہیں انکی روح اور جسم میں بہت ہلکا تعطل پیدا ہوتا ہے (اسی کو موت کہا جاتا ہے) پھر وہی تعلق قائم ہو جاتا ہے چنانچہ وہ دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد ذکر و فکر اور مشاہدہ ربانی میں مشغول ہوتے ہیں حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو میں اسکا جواب دیتا ہوں۔ غرضکہ اجساد انبیاء کا قبور میں محفوظ رہنا عقل کے خلاف نہیں ہے آج بھی لوگ زمین میں زندہ دفن ہو کر زندہ نکلنے کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جسم میں بگاڑ جب آئیگا جب روح کا کلیۃً انقطاع ہو جائیگا ؎ زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشان ہونا

ساعت اجابت

[۲] گویا اشیاء عالمین کے وجود اور معدوم ہونیکا دن یہی جمعہ کا دن ہے اس پر کلام آئندہ ملاحظہ فرمائیں ع ساعت اجابت کے بارے میں علماء نے آئندہ ابواب بہت زیادہ تفصیل ذکر کی ہے میرے نزدیک جمعہ کے دن ساعت اجابت کے متعلق جتنا بہترین کلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے کیا ایسا کلام کسی نے نہیں کیا۔ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ثلث آخر کو پسند فرمایا ہے سال کا ثلث آخر رمضان، شوال، ذلیقعدہ، ذی الحجہ ہیں۔ رمضان کا ثلث آخر آخری عشرہ، اور اس عشرے میں بھی ثلث آخر، ۲۷ ویں شب۔ عشرہ ذوالحجہ کا ثلث آخر ایام حج۔ (باقی آئندہ)

یہ حدیث حسن صحیح ہے امام حاکم نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ انھوں نے ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا سید الایام یوم الجمعۃ یعنی دنوں کا سردار جمعہ کا دن ہے الخ امام مالک نے بروایت حضرت ابو ہریرہؓ نقل کیا ہے جس میں اتنے الفاظ اور زیادہ ہیں۔

وفیہ تیب علیہ وفیہ مات وفیہ	جمعہ کے دن ہی ان کی توبہ قبول ہوئی اور
تقوم الساعۃ الخ	اسی دن انکا انتقال ہوا اور اسی دن قیامت

قائم ہوگی اور جمعہ کے دن تمام جانور سورج کے طلوع ہونے تک قیامت کے ڈر سے شور کرتے ہیں مگر جنات اور انسان ایسا نہیں کرتے اس دن ایک گھڑی ایسی ہے جسمیں دعا قبول ہوتی ہے۔

حضرت کعب کہتے ہیں ایسا وقت سال بھر میں صرف ایک دن ہوتا ہے۔ میں نے کہا بلکہ وہ وقت تو ہر جمعہ کو آتا ہے تو انھوں نے تورات پڑھ کر سنائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں یہ سن کر میں نے حضرت عبداللہ بن سلام سے یہ بات کہی تو انھوں نے فرمایا میں جانتا ہوں وہ کونسی گھڑی ہے؟ میں نے عرض کیا فرمائیے! تو ارشاد فرمایا۔

ھی اخر ساعۃ فی یوم الجمعۃ فقلت	وہ جمعہ کے دن میں آخری گھڑی ہے میں نے
کیف وقد قال رسول اللہ صلی	عرض کیا کیسے؟ حالانکہ رسول اللہ صلعم نے
اللہ علیہ وسلم لا یصادفھا	فرمایا ہے کہ اس وقت جو مسلمان نماز پڑھتا
عبد مسلم وھو یصلی وتلک	ہے" اور اس وقت نماز پڑھنا جائز نہیں
الساعۃ لا یصلی فیھا فقال ابن	ہے تو ابن سلام نے فرمایا کیا حضور صلعم نے
سلام الم یقل رسول اللہ صلی	یہ ارشاد نہیں فرمایا جو شخص نماز کے انتظار
اللہ علیہ وسلم من جلس مجلسا	میں نماز پڑھنے تک بیٹھتا ہے وہ بھی نماز
ینتظر الصلوٰۃ فھو فی الصلاۃ حتی یصلی	میں ہوتا ہے۔

یوم المزید کیا ہے

اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ "افضل ترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن ہے اور مسند امام شافعی میں ہے کہ "ایک دن حضور صلعم کی خدمت میں ایک سفید آئینہ (جس میں ایک نکتہ تھا) حضرت جبرئیل علیہ السلام لیکر حاضر ہوئے۔ آپ نے دریافت کیا یہ

حاشیہ گذشتہ صفحہ نشان "ع" پر ملاحظہ فرمائیں۔

گذشتہ سے پیوستہ

نمازوں میں دن کی آخری نماز یعنی عصر، رات میں، رات کا ثلث آخر، ہفتہ میں آخری دن جمعہ کا ہے دن میں ثلث آخر، بعد زوال سے غروب آفتاب تک۔ صفحہ ۲۹۲ ج ۲ فتح الملہم۔

کیا ہے تو حضرت جبرئیل ؑ نے عرض کیا یہ یوم جمعہ ہے جس کی فضیلت آپ کو اور آپ کی امت کو عطا ہوئی ہے اور دیگر انسان یہود و نصاریٰ اس میں آپ سے پیچھے ہیں اور اس دن میں آپ کے لئے خیر ہے اس میں ایک ساعت ایسی ہے جس میں دعا قبول ہوتی ہے اس دن کا ہمارے یہاں "یوم المزید" نام ہے حضور صلعم نے دریافت کیا اے جبرئیل یوم المزید کیا ہے؟ عرض کیا۔

ان ربك اتخذ فی الفردوس
وادیا افیح فیه کثب من مسك
فاذا کان یوم الجمعة انزل سبحانه
ماشاء من ملائکته وحوله منابر
من نور علیها مقاعد
النبیین وحف تلك المنابر بمنابر
من ذهب مکللة بالیاقوت
والزبرجد علیها الشهداء و
الصدیقون فجلسوا من ورائهم
علی تلك الکثب

آپ کے رب نے جنت میں ایک وادی بنائی
ہے اور اس میں خوشبودار مشک کے ٹیلے
قائم کئے ہیں، جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو
اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو جسقدر چاہتا ہے
وہاں بھیجتا ہے۔ ان ٹیلوں کے گرد نور کے
منبر نصب ہیں جو انبیاء کے بیٹھنے کیلئے ہیں
اور ان کو گھیرے ہوئے سونے کے منبر ہیں
جو زبرجد اور یاقوت سے جڑے ہیں جن پر
شہداء اور صدیقین، انبیاء علیہم السلام
کی قطار کے بعد ان ٹیلوں پر بیٹھیں گے۔

پس اس وقت اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اسکو پورا کیا اب جو کچھ تم مانگو گے تم کو دوں گا۔ یہ کہیں گے اے اللہ بس ہم آپ کی رضا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوگا میں تم سے راضی ہوں اور جس چیز کی تم تمنا کرو وہ موجود ہے اور میرے یہاں بہت کچھ ہے پس یہ تمام جمعہ کے دن کو پیش کریں گے۔ یہ دن وہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوا اور آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی میں قیامت قائم ہوگی۔

سند حدیث پر کلام

امام شافعی نے اس حدیث کو بروایت ابراہیم بن محمد یوں روایت کیا ہے حدثنی موسیٰ بن عبیدة قال حدثنی ابوالازهر معاویة بن اسحاق بن طلحة عن عبد الله بن عبید عن عمیر بن انس۔ اس کے بعد امام شافعی نے ارشاد فرمایا

ہمیں ابراہیم نے خبر دی کہ حدیث بیان کی مجھ سے ابو عمر نے بروایت ابراہیم بن جعد عن انس۔ اسی کے مثل۔

امام شافعی صاحب اپنے شیخ ابراہیم کے بارے میں بہت اچھی رائے رکھتے تھے لیکن ان کے بارے میں امام احمد نے ارشاد فرمایا ہے "وہ معتزلی، جہمی، قدری ہیں سب برائیاں ان میں ہیں۔ اس روایت کو ابوالیمان الحکم بن نافع نے بروایت حضرت انس رضؓ اس طرح نقل کیا ہے کہ ________ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل عؑ آئے الخ اسی روایت کو محمد بن شعیبؒ نے بروایت عمر مولیٰ عفرۃ عن انس بھی روایت کیا ہے اور ابوطیبہ نے عن عثمان بن عمیر عن انس روایت کیا ہے۔ ابوبکر بن ابی داؤد نے ان تمام طرق کو جمع کیا ہے یہی روایت مسند احمد میں بروایت علی بن ابی طلحہ عن ابی ہریرہ رضؓ اس طرح ہے کہ

حضور صلعم سے دریافت کیا گیا کہ جمعہ کا یہ نام کیوں ہوا فرمایا اس میں تمہارے باپ حضرت آدم عؑ پیدا ہوئے۔ اسی میں قیامت ہوگی اور اسی میں حشر بپا ہوگا اور اسی میں حساب کتاب ہوگا۔ (گویا کہ یہ دن جامع المتفرقات ہے) اور ارشاد فرمایا:۔

وفی اٰخر ثلاث ساعات منہا ساعۃ — اور اسکے آخر کی تین ساعت میں ایک ساعت کہ
من دعا اللہ فیہا استجیب لہ — کہ جو بھی اسوقت اللہ سے دعا مانگے گا قبول ہوگی۔

حسن بن سفیان نسوی نے کہا ہے کہ مجھ سے ابو مروان ہشام خالد نے حسن بن یحییٰ کی سند سے حضرت انس رضؓ کی روایت بیان کی ہے اس میں یہ ہے کہ میں نے حضور صلعم سے سنا آپ نے فرمایا میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے ان کے ہاتھ میں آئینہ کی طرح کوئی چیز تھی اس میں سیاہ نکتہ تھا۔ میں نے پوچھا جبرئیل عؑ! یہ کیا؟ تو کہا یہ جمعہ کا دن ہے جو آپ کو عطا کیا گیا ہے اور

تکون عیداً لک ولامتک — آپ کے اور آپکی امت کیلئے عید ہے

میں نے پوچھا ہمارے لئے اس میں کیا ہے کہا اس میں آپ کے لئے خیر کثیر ہے آپ (اور آپ کی امت) آخر میں آئے ہیں لیکن قیامت میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے) اس دن میں ایک گھڑی ہے جو بھی مسلمان اس وقت اللہ سے جو کچھ مانگے گا اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا کرے گا۔ میں نے پھر دریافت کیا۔

فما ھذہ النکتۃ السوداء یا جبرئیل! — اے جبرئیل یہ سیاہ نکتہ کیا ہے۔

تو حضرت جبرئیل عؑ نے جواب دیا یہ ایک ساعت ہے جو جمعہ کے دن میں ہوتی ہے، یہ دن سید الایام ہے اور ہم (فرشتے) اس کو یوم المزید کہتے ہیں۔ میں نے دریافت کیا یوم المزید کیا ہے؟ حضرت جبرئیل عؑ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک خوشبودار وادی بنائی ہے جو سفید مشک کی ہے۔ جب آخرت کے دنوں میں جمعہ کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے عرش سے کرسی کی طرف نزول اجلال فرمائے گا۔ وہ کرسی نور کے منبروں سے گھری ہوگی جس پر انبیاء علیہم السلام رونق افروز ہوں گے۔ ان منبروں کے گرد سونے کی کرسیاں

بھی ہوں گی جن پر شہداء اور صدیقین تشریف فرما ہوں گے۔ ان کے بعد جنت کے دوسرے لوگ اپنے اپنے بالاخانوں سے اتر کر ان کے گرد مشک کے ٹیلوں پر بیٹھ جائیں گے۔ اس مجلس میں بایں مراتب کوئی بھی اپنے کو دوسرے سے افضل نہ خیال کرے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان حاضرین کے سامنے اپنے کو ظاہر فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا "مانگو! کیا مانگتے ہو؟" سب لوگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی مانگیں گے۔ ارشاد ہوگا ہم تم سے راضی ہیں۔ پھر مانگو کیا مانگتے ہو؟ غرضکہ نوبت بنوبت ہر ایک سے سوال ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی خصوصی ان کو دکھائی دیگی وہ ایسی ہوگی۔

مالا عین رأت ولا اذن سمعت	نہ آنکھ نے دیکھی اور نہ کانوں نے سنی اور نہ
ولا خطر علی قلب بشر	قلب بشر میں اس کا کبھی خیال ہی گزرا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کرسی سے عرش کی طرف متوجہ ہوگا اور جنتی اپنے بالاخانوں میں داخل ہو جائیں گے جو سفید موتیوں یا سرخ یاقوت یا سبز زمرد کے ہوں گے۔ جو نہ کبھی ٹوٹیں گے اور نہ چٹخیں گے۔ ان میں جنت کی نہریں چمک دکھا رہی ہوں گی اور جنتی درختوں کے پھلوں کے خوشے لٹک رہے ہوں گے وہاں جنتیوں کی بیویاں (حوریں وغیرہ) اور خدام (غلماں) ہوں گے۔

فاھل الجنة یتباشرون فی الجنة	جنتی لوگ جمعہ کے دن ایک دوسرے کو ایسے
بیوم الجمعة کما یتباشر اھل	ہی مبارکباد پیش کریں گے جیسے دنیا میں
الدنیا فی الدنیا بالمطر	بارش ہونے پر پیش کرتے تھے۔

جمعہ کے دن کی فضیلت

ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب میں صفت جنت کے بیان میں حضرت حذیفہ رضؓ کی حدیث اس طرح ذکر کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن حضرت جبرئیل علؑ حسین ترین اور روشن ترین آئینہ لیکر آئے۔ اس کے بیچ میں ایک سیاہ قسم کی چمک تھی۔ میں نے پوچھا تو فرمایا یہ جمعہ کا دن ہے۔ میں نے پوچھا جمعہ کا یوم کیوں افضل ہے ارشاد فرمایا اس کی دنیا میں کیا فضیلت ہے اور آخرت میں اس کا کیا مرتبہ ہے۔ میں آپ کو بتلاؤں گا۔ دنیا کے اعتبار سے تو یہ فضیلت ہے کہ اس میں تمام مخلوق کو پیدا کیا گیا اور آخرت کے اعتبار سے یہ ہے کہ اس میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس وقت جو مسلمان مرد یا عورت اللہ سے جو بھی سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرماتا ہے اور آخرت کے اعتبار سے جمعہ کی فضیلت اور شرافت یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جب جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں داخل فرما چکے گا تو یہ عرصہ ان پر ایسا گزریگا کہ جس میں نہ رات ہوگی اور نہ دن۔ اللہ تعالیٰ ہی اس مدت کی مقدار سے خوب واقف ہے لیکن جب جمعہ کا دن آئے گا تو ایک ندا دینے والا جنتیوں کو آواز

دے گا اے جنتیو! وادی المزید کی طرف چلو۔ اللہ تعالیٰ ہی اس وادی کے طول و عرض سے خوب واقف ہے۔ اس وادی میں مشک کے ٹیلے ہیں جن کے سر آسمان سے لگے ہوں گے" فرمایا" انبیاء کے غلمان نور کے منبر اٹھا کے لائیں گے اور مومنین کے غلمان یاقوت کی کرسیاں لائیں گے۔ ان کے رکھے جانے کے بعد ہر ایک اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائے گا۔ اس وقت ایک ہوا ادھر کو ہو کر چلے گی جو ان اہل مجلس کے کپڑوں کے اندر گھس کر روئیں روئیں سے نکلے گی یہ خوشبو مشک سے زیادہ تیز ہو گی۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ خوشبو کیسی ہو گی؟ اس کے بعد اللہ تعالےٰ حاملین عرش کو حکم دیگا۔ عرش عظیم کو اس وادی میں لے چلو! اس وقت اللہ تعالیٰ کا جو سب سے پہلا کلام ہو گا۔ یہ ہو گا

یاعبادی الذی اطاعونی بالغیب	اے میرے بندو! جنھوں نے میری غیب کے
ولم یرونی وصدقوا برسلی واتبعوا	ساتھ اطاعت کی اور میرے رسولوں کی تصدیق
امری سلوا ھذا یوم المزید	کی اور میرے حکم کو مانا۔ مانگو! یہ یوم المزید ہے

اس وقت سب حاضرین بیک زبان ہو کر عرض کریں گے ہم آپ سے راضی ہیں آپ ہم سے راضی ہو جائیں اس وقت ارشاد ربانی ہو گا۔

یا اھل الجنۃ انی لو لم ارض عنکم	اے جنتیو! اگر میں تم سے راضی نہ ہوتا تو
لم اسکنکم داری سلونی فھذا	تم کو اپنے اس گھر میں نہ ٹھہراتا مانگو یہ یوم المزید
یوم المزید	ہے۔

اس وقت سب حاضرین بیک زبان ہو کر عرض کریں گے الٰہی! ہم آپ کا روئے مبارک دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس وقت تمام حجابات اٹھا دیئے جائیں گے۔ اس وقت ایک نور ان کو ڈھانپ لے گا۔ اگر اللہ کا یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ یہ لوگ نہ جلیں تو سب حاضرین جل جاتے۔ پھر حکم ہو گا اچھا اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہونچ جاؤ۔ اور تم کو پہلے سے دو چند دیا۔ جب یہ حضرات اپنے جنتی مکانات میں داخل ہوں گے تو از دیاد نور کی وجہ سے نہ یہ اپنی بیویوں کو شناخت کر پائیں گے اور نہ ان کی بیویاں ان کو شناخت کر پائیں گی۔ جب اس کے اثرات کسی قدر زائل ہوں گے تو ان کی عورتیں ان سے پوچھیں گی آپ گئے تھے کسی اور صورت میں اور واپس ہوئے دوسری صورت میں معاملہ کیا ہے۔ یہ لوگ کہیں گے ہم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ نے فرمایا قسم خدا کی اس کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا لیکن اللہ تعالیٰ جنتیوں کو اپنی عظمت دکھائے گا۔ الحاصل جنتیوں پر ہر ساتویں دن جنت کی خوشبوئیں اور اس کی نعمتیں دو چند ہوتی رہیں گی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے۔

فلا تعلم نفس ما اخفی لھم قرۃ	کوئی نفس نہیں جانتا کہ اس سے کیا کچھ

اعین جزاءً بما کانوا یعملون — پوشیدہ ہے ان کیلئے آنکھ کی ٹھنڈک ہے بدلہ ہے ان کے اعمال کا جو انھوں نے کئے تھے ۔

اس کو ابو نعیم نے صفت جنت میں عصمۃ بن محمد کی سند سے بروایت حضرت انس رضؓ نقل کیا ہے ۔ اور مسعودی کی سند سے اتنا اور اضافہ کیا ہے :-

سارعوا الی الجمعة فی الدنیا فان الله تبارك وتعالیٰ یبرز لاهل الجنة فی کل جمعة علی کثیب من کافور ابیض فیکونون بالقرب منه قدر سرعتهم الی الجمعة و یحدث لهم من الکرامة شیئا لم یکونوا راوه قبل ذلك فیرجعون الی اهلیهم

دنیا میں جمعہ کی طرف سبقت کرو اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جنتیوں کے لئے ہر جمعہ کو ظاہر ہوگا کہ وہ لوگ سفید کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے اس وقت اللہ تعالیٰ سے قرب لوگوں کے جمعہ کے لئے جلدی جانے کے مطابق ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے ایسی کرامت پیدا فرمائے گا جو اس سے پہلے انھوں نے نہ دیکھی ہوگی، اس کے بعد یہ لوگ (جنت) میں اپنی ازواج کے پاس لوٹ کر آئیں گے ۔

۲۱
اکیسواں باب

ابتداء جمعہ اور آداب و اعمال جمعہ

جمعہ کی ابتداء کا بیان

ابن اسحاق نے محمد بن ابی امامہ کی سند سے حضرت کعب بن مالک کی روایت اس طرح نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ابی حسین کے ساتھ اس وقت جارہا تھا کہ جب ان کی آنکھیں بیکار ہوگئی تھیں۔ میں ان کے ساتھ ایک دن جمعہ کے لئے حاضر ہوا۔ جب انھوں نے جمعہ کی اذان سنی تو اسعد بن زرارہ کے لئے دعائے مغفرت کی۔ میں نے متعدد باران سے یہی سنا ایک مرتبہ جب انھوں نے پھر حضرت اسعد بن زرارہ کیلئے استغفار کی تو میں نے ان سے پوچھا

یا ابتا ارایت استغفارک لاسعد	والد محترم! جب آپ جمعہ کی اذان سنتے ہیں
بن زرارۃ کلما سمعت الاذان	تو اسعد بن زرارہ کے لئے استغفار کرتے
یوم الجمعۃ قال ای بنی کان اسعد	ہیں اسکے متعلق کچھ بتلایئے۔ فرمایا بیٹے! حضور
اول من جمع بنا بالمدینۃ قبل مقدم	صلعم کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے قبل
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	انھوں نے ہمیں مدینہ میں جمعہ کیلئے جمع کیا۔

میں نے ان سے پوچھا آپ کی تعداد اس وقت کیا تھی۔ فرمایا چالیس مرد۔ بیہقی نے کہا ہے محمد بن اسحاق جب کسی روایت کی سماعت ذکر کریں اور راوی ثقہ ہو تو وہ حدیث سند کے اعتبار سے درست ہے اور یہ حدیث حسن ہے اور سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں یہ جمعہ کی ابتداء ہے۔ جب رسول اللہ صلعم مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ قبا میں قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں قیام پذیر ہوئے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے یہاں آپ کا قیام پیر، منگل، بدھ، جمعرات کو رہا جمعرات کے دن آپ نے یہاں ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ جب جمعہ کا دن آیا تو آپ یہاں سے تشریف لے گئے۔ جمعہ کی نماز کا وقت آپ کو بنی سالم بن عوف میں ہوگیا تو آپ نے وہاں بطن وادی میں جو مسجد ہے اس میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ یہ پہلا جمعہ ہے جو آپ نے مدینہ منورہ میں ادا کیا۔ اور یہ مسجد نبوی کی بنیاد سے قبل کی بات ہے۔ اور ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ یہ پہلا خطبہ تھا جو آپ نے یہاں دیا تھا۔ ؎ چودہ یا پندرہ دن قیام رہا۔ (اوثق العری)

سب سے پہلا خطبہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے سلمہ بن عبدالرحمٰن کی روایت پہونچی ہے۔ انھوں نے فرمایا میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ جو ایسی بات کہوں جو حضور صلعم نے ارشاد نہ فرمائی ہو۔ آپ نے حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا:۔

امابعد یاایھا الناس فقدموا	اے لوگو اپنے لئے آگے نیکی بھیجو۔ جان لو اخدا
لانفسکم تعلمن واللہ لیصعقن	کی قسم تم میں سے ہر ایک پر اچانک موت آپڑیگی
احدکم ثم لیدعن غنمہ لیس	پھر وہ اپنی بکریوں کو بلائے گا تو اس کا کوئی
لھاراع ثم لیقولن لہ ربہ لیس	چرواہا نہ ہوگا پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا
لہ ترجمان ولاحاجب یحجبہ دونہ	کہ جس کا نہ کوئی ترجمان ہے اور نہ کوئی حاجب
الم تاتک رسولی فبلغک واتیتک	ہے جو رکاوٹ ہو (اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا)
مالا وافضلت علیک فماقدمت	کیا تیرے پاس میرا رسول نہ آیا تھا جس نے
لنفسک فلینظرن یمیناوشمالا	تجھے تبلیغ کی، کیا میں نے تجھے مال نہ دیا تھا
فلا یری شیأ ثم لینظرن قدامہ	اور تجھ پر اپنا فضل نہ کیا تھا پھر تو نے اپنے لئے
فلا یری غیرجھنم فمن استطاع	آگے کیا بھیجا۔ پھر وہ شخص دائیں بائیں دیکھے
ان یتقی بوجھہ من النار ولو بشق	گا تو اسے کچھ نظر نہ آئے گا، پھر آگے دیکھے گا تو
من تمرۃ فلیفعل ومن لم یجد	بجز دوزخ کے کچھ نہ دکھائی دے گا لہٰذا جو بھی
فبکلمۃ طیبۃ فانھا تجزی الحسنۃ	اپنا چہرہ آگ سے بچا سکے اگرچہ چھوہارے کے
بعشرامثالھا سبع مائۃ ضعف	ریشہ کی برابر کیوں نہ ہو اس کو گریز نہ کرنا
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ[1]	چاہیئے اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اچھی بات

ہی کہی جس کا بدلہ دس گنے سے لیکر سات سو گنے تک دیا جائے گا والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

خطبۂ ثانیہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ نے دوسرا خطبہ دیا[1] وہ یہ ہے۔

---

[1] اس مسئلہ میں کلام گزر چکا ہے۔ اس جگہ بیان کر دیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ صحیح احادیث میں خطبات نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو کیفیات مذکور ہیں ان میں السلام علیکم کا ذکر نہیں ہے۔ **اردو زبان میں خطبہ**

[2] خطبہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ کس کو خطبہ کہتے ہیں؟ امام ابوحنیفہ مطلقاً "ذکر" کو خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر خطبہ کہتے ہیں اور حضرات صاحبین اور امام شافعی ذکر طویل کو خطبہ کہتے ہیں جس میں حمد و صلوٰۃ ہو، مومنین کو نصیحتیں کی جائیں اور ان کیلئے استغفار کی جائے یعنی عرف میں جسکو خطبہ کہتے ہیں وہ انکے نزدیک خطبہ ہے۔ علامہ سرخسی نے مبسوط میں امام صاحب کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ہے لا ینبغی للامام ان یتکلم فی خطبتہ بشیٔ من حدیث الناس لانہ ذکر منظوم (ج ۲ ص ۲۶) یعنی امام کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے خطبہ میں کلام ناس میں سے کوئی چیز بیان کرے کیونکہ خطبہ ذکر منظوم ہے۔ اسکی تائید آیات اور احادیث سے ہوتی ہے۔ (باقی آئندہ)

الحمد لله واحمده واستعينه
ونعوذ بالله من شرور انفسنا و
من سيات اعمالنا من يهده
الله فلا مضل له ومن يضلل فلا
هادى له واشهد ان لا اله الا
الله وحده لا شريك له ان احسن
الحديث كتاب الله قد افلح من
زينه الله فى قلبه وادخله
الاسلام بعد الكفر فاختاره على
ما سواه من احاديث الناس
وابلغه احبوا ما احب الله احبوا
الله من كل قلوبكم ولا تملوا كلام
الله وذكره ولا تقس عنه قلوبكم
فانه قد سماه خيرته من الاعمال

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، میں اسکی حمد
کرتا ہوں اور اس سے مدد چاہتا ہوں اور
شرارت نفس اور اپنے برے اعمال سے اسکی
پناہ مانگتا ہوں جس کو اللہ ہدایت دے
اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ
گمراہ کرے اسکو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا
میں گواہی دیتا ہوں کہ بجز خدا کے کوئی معبود
نہیں ہے وہ اکیلا ہے اسکا کوئی شریک
نہیں، بیشک بہترین بات اللہ تعالیٰ کی
کتاب ہے۔ وہ کامیاب ہے جسکے دل کو
اللہ نے اس سے زینت بخشی[1] اور کفر کے بعد
اسکو اسلام میں داخل کیا اور اس نے[2] لوگوں کی
باتوں کے مقابلہ میں اسکی چیزوں کو اختیار کیا
کیونکہ یہ ابلغ ترین کلام ہے[3] لہٰذا جسکو

گزشتہ سے پیوستہ قرآن پاک میں موجود ہے فاسعوا الی ذکر اللہ یعنی اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ بخاری شریف میں موجود ہے۔ اذا خرج الامام حضرت الملئکۃ یستمعون الذکر جب امام خطبہ کیلئے آتا ہے تو فرشتے ذکر سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ خطبہ ذکر ہے تذکیر نہیں ہے ہاں تبعاً تذکیر ہے۔ بنابریں خطبہ کا عربی زبان میں پڑھنا ضروری ہے اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ خطبہ ہر اعتبار سے تذکیر ہی ہے ذکر نہیں ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ آسمانی زبان عربی ہے۔ جس طرح سے شاہی اعلان اسی زبان میں پڑھے جاتے ہیں جو زبان حکومت کی ہوتی ہے۔ اور عوام کی اطلاع کے لئے بعد میں تراجم شائع کر دیئے جاتے ہیں۔ تو یہاں بھی یہی کہا جائیگا۔ بعض حضرات نے امام صاحب کے اس قول سے استدلال کیا ہے جو انھوں نے فارسی زبان میں قرآن کے متعلق فرمایا ہے۔ اسکے متعلق اتنا عرض ہے کہ امام صاحب نے اپنے اس قول سے صاحبین کے قول کیطرف رجوع کر لیا تھا اور اسی پر اجماع ہے روی ابوبکر رازی ان ابا حنیفۃ رجع الی قولھما وعلیہ الاعتماد لتنزل منزلۃ الاجماع وھو الصحیح کفایۃ وعلیہ الاعتماد۔ ہدایہ لہٰذا لوگوں کو ذہن سے یہ خیال نکال دینا چاہیئے کہ اردو زبان میں خطبہ دیا جائے۔

[1] یعنی قرآن پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا اور اسکی تلاوت کرنا اس سے قلب کا زنگ دور ہوتا ہے اور نور پیدا ہوتا ہے اور قلب اپنی فطرت اصلی پر عود کرکے اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو جاتا ہے اور اسی میں قلب کی زینت ہے۔

[2] یعنی رسم ورواج اور باطل نظام کو اپنی زندگی اور معاشرت میں داخل نہ کیا بلکہ زندگی کے تمام شعبوں اور تہذیب و معاشرت کے تمام نشیب وفراز میں اسلام اور قرآن کی بات اختیار کی۔

والصالح من الحديث ومن كل ما
اوتي الناس من الحلال والحرام
فاعبدوه ولا تشركوا به شيئا و
اتقوه حق تقاته واصدقوا الله
صالح ما تقولون بافواهكم و
تحابوا بروح الله بينكم ان الله
يغضب ان ينكث عهده والسلام
عليكم ورحمة الله وبركاته

اللہ محبوب رکھے تم بھی محبوب رکھو اور اپنے پورے دل کی محبت اللہ کیلئے وقف کردو۔ اللہ کے کلام اور اسکے ذکر سے نہ اکتاؤ۔ اور تمہارے قلوب اسکے متعلق کھوئے نہ جائیں[1] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہترین اعمال اور اچھی باتوں کا نام عطا کیا ہے[2]۔ اور اس میں تمام حلال و حرام جو لوگوں کو بتلائے ہیں موجود ہیں۔ لہٰذا تنہا اسی خدا کی عبادت کرو اور اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور اس سے ایسا ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اپنے منہ کی نیک ترین باتوں سے اس کی تصدیق کرو[3]۔ اللہ کی رحمت سے آپس میں محبت کرو اللہ تعالیٰ عہد توڑنے سے ناراض ہوتا ہے والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

حضور صلعم کے خطبہ کا کچھ حصہ گذر چکا ہے۔

حضورؐ کے اعمال جمعہ کے دن

حضور صلعم جمعہ کا اہتمام اور اس کی تعظیم عبادات کے ذریعہ فرماتے تھے جس کی وجہ سے جمعہ کا دن دوسرے ایام کے مقابلہ میں ممتاز معلوم ہوتا تھا۔ علماء میں اختلاف ہے کہ جمعہ افضل ہے یا یوم عرفہ افضل ہے۔ اس میں حضرت شوافع کے دو قول ہیں۔

حضور صلعم جمعہ کی فجر میں سورۂ الم تنزیل اور سورۂ ھل اتی علی الانسان نماز میں قرأت فرمایا کرتے تھے بعض ناواقفوں نے یہ خیال کر لیا کہ اس نماز کی خصوصیت ایک سجدۂ زائد (جو سورۂ سجدہ میں ہے) کی وجہ سے ہے اسی وجہ سے وہ اسکو سجدۂ جمعہ کہا کرتے تھے اور اگر کوئی یہ سورۃ نہ پڑھتا تو اس کے بجائے کوئی دوسری سورۃ پڑھتا جس میں سجدہ ہوتا (خصوصاً ایک سجدۂ زائد کرنا ضرور تھا) لہٰذا بعض ائمہ نے اسی وجہ سے فجر جمعہ میں اس سورت کی قرأت ناجائز قرار دیدی تاکہ اس وہم کی تردید ہو جائے[4]۔

---

[1] غافل باللہ کی یاد سے خالی ہونا مراد ہے جس دل میں خدا کی یاد نہ ہو وہ کھوٹا ہے اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں [2] اسکے دو مطلب ہو سکتے ہیں ۱ یہ کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے تمام اچھی باتوں اور اعمال کا نام دیا ہے یعنی اسمیں تمام اچھی باتیں و بہترین اعمال موجود ہیں ۲ یہ کہ قلب تمام اچھی باتوں اور اچھے اعمال (عقائد اور یقین مع اللہ) کیلئے پیدا کیا گیا۔ اغیار اور خرافات دل میں نہ ہونا چاہیئے کیونکہ قلب اسکے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔
[3] تصدیق لسانی یعنی اقرار تو زبان سے ہوتا ہے لیکن تصدیق جس کیفیت قلبی کا نام ہے اسکا ثبوت زبان سے نکلنے والے اچھے اور نیک کلمات اور صالح اعمال سے ہوتا ہے کیونکہ اگر قلب میں یہ کیفیت مخصوص ہے تو جوارح اور زبان سے اسکی نورانی شعاعیں پھوٹ کر نکلتی ہیں اسلئے کہ ظرف میں جو ہوتا ہے وہی ٹپکتا ہے [4] اس سے معلوم ہوا کہ کسی امر مستحب کا وجوب و لزوم اگر لوگوں کے ذہن میں بیٹھ جائے تو اسکی تردید ضروری ہے فتاوی حامد...

میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ حضور صلعم ان دونوں سورتوں کی قرأت اس وجہ سے کیا کرتے تھے کہ ان دونوں میں وہ مضامین ہیں جو اس دن ہو چکا ہے اور آئندہ پیش آئے گا یعنی مبداء و معاد اور حشر و نشر وغیرہ۔ بنابریں ان دونوں کی قرأت سے امت کو ان واقعات اور حالات کی یاد دلانا مقصود تھی۔ اور سجدہ تو تبعاً آگیا ہے، مقصود بالذات نہیں ہے۔ بہرحال چند خصوصیات میں سے یہ بھی ایک خصوصیت ہے۔

جمعہ کے دن درود شریف

جمعہ کی خصوصیات میں سے دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس دن درود شریف کی کثرت کرنا چاہیئے اور اس شب میں بھی اسکا اہتمام رکھنا چاہیئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

اکثروا من الصلوٰة علیّ یوم الجمعة	جمعہ کے دن اور جمعہ کی شب میں مجھ پر کثرت
ولیلة الجمعة	سے درود بھیجا کرو۔

چونکہ حضور صلعم عالمین کے سردار ہیں اور یہ دن ایام کا سردار ہے اس لئے اس دن درود شریف کو ایک خاص فضیلت حاصل ہے جو دوسرے ایام کو نہیں ہے۔ پھر اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں اس امت کو آپ ہی کے وسیلہ سے حاصل ہوئی ہیں اور سب سے بڑی کرامت اس امت کو جمعہ کے دن حاصل ہوگی اور وہ یہ ہے کہ جنت میں ان کو یوم المزید حاصل ہوگا (اور اس کی تفصیل گذر چکی ہے) یہ دن اس امت کے لئے دنیا میں بھی عید ہے (اور آخرت میں بھی عید ہے) اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ان کے مطالبات اور ضروریات اور سوالات کو پورا فرمائے گا اور یہ سب کچھ حضور صلعم کی بدولت ہے۔ لہٰذا جس نے آپ کا شکریہ ادا کیا اس نے آپکا حق ادا کیا اسلئے اس رات اور اس دن میں درود شریف کی کثرت کرنا چاہیئے۔

صلاۃ جمعہ

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فرض جمعہ ادا ہوتے ہیں۔ جو فرائض اسلام میں مؤکد ترین فرض ہیں اور ایک کثیر مجمع کے ساتھ ادا ہوتے ہیں یہ مجمع عرفات کے مجمع کے علاوہ سب سے زیادہ موکد ہے۔ جو اس کو ترک کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر مہر لگا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں یوم المزید (جمعہ) کے دن جنتیوں کے بہت قریب ہوگا اور یہ قربت وہاں بقدر قربت امام اور بقدر جلد پہونچے بطرف مسجد ہوگی۔

غسل جمعہ

چوتھی خصوصیت جمعہ کے دن غسل کرنا ہے اور یہ امر موکد ہے اور اس کا وجوب و ترک وجوب سے

لے حضرت قطب العالم مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ نے اپنے بعض مکتوب میں تحریر فرمایا ہے "شب جمعہ میں درود شریف کی کثرت سے زیارت سرور کائنات صلعم نصیب ہوتی ہے (غیر مطبوعہ مکتوب)

زیادہ قوی ہے۔ اور بسم اللہ کی نماز میں قرأت[1] اور عورتوں کے چھونے سے وضو کا ٹوٹ جانا[2] اور مس ذکر سے وضو کا ٹوٹ جانا[3]، نکسیر آنے سے وضو کا واجب ہونا[4]، پچھنے لگوانے سے وضو ٹوٹ جانا[5]، قے سے وضو کا ٹوٹ جانا[6]، درود شریف کا تشہد میں واجب ہونا[7]، مقتدی پر قرأت کا واجب ہونا[8]، ان تمام امور کے وجوب سے غسل جمعہ کا وجوب سب سے زیادہ موکد ہے۔ اسکے متعلق علماء کے تین قول ہیں نفی، اثبات، تفصیل[9] وہ یہ کہ جس کے بدن سے بدبو آرہی ہو

تسمیہ جہراً پڑھنا [1] حنفیہ کے یہاں بسم اللہ کی نماز میں جہراً قرأت نہیں ہے حضرت امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک تسمیہ کی جہراً قرأت ہے امام حفص بھی یہی فرماتے ہیں۔ "وجہ اختلاف تسمیہ کا جزو سورت ہونا ہے حنفیہ اسکو جزو سورت نہیں مانتے ہیں۔ امام حفص کا فرمانا ہے کہ اگر تسمیہ کو ہر سورت کے شروع میں نہ پڑھا گیا تو قرآن پاک ناقص ختم ہوگا اسی بنا پر بعض حضرات تراویح میں بھی تسمیہ کی جہراً قرأت فرماتے ہیں جو حضور صلعم سے ثابت نہیں ہے حضور صلعم نے تو محض تعلیماً کبھی کبھی جہر کر دیا تھا اور وہ بھی ثنا اور فاتحہ کے درمیان امام حفص نے جو کچھ فرمایا ہے وہ خارج از صلوٰۃ تلاوت قرآن پاک کے متعلق ہے رہا نماز و تراویح کا معاملہ تو قرأت نماز کے تابع ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نماز کے تمام ارکان میں تو حنفی فقہ کی تقلید ہو اور صرف قرأت میں امام حفص کی جبکہ امام حفص کی تصریح کی یہ توجیہ اور مطلب ہے کہ تلاوت خارج صلوٰۃ مراد ہے۔" اسکے علاوہ حافظ بدرالدین عینی نے فرمایا ہے جہراً تسمیہ پڑھنا منسوخ ہے اسلئے کہ تسمیہ جہراً اس آیت کے نزول سے قبل پڑھی جاتی تھی لا تجهر بصلوٰتك ولا تخافت الآیۃ البنایہ صفحہ ۶۲۵ جلد ۱ [2] یہ امام شافعی صاحب کا مسلک ہے حنفیہ کے نزدیک مس امراۃ ناقض وضو نہیں ہے بلکہ متعدد روایات ایسی موجود ہیں جن سے ثابت ہے کہ مس امراۃ ناقض وضو نہیں ہے۔ [3] یہ مسلک بھی امام شافعی صاحب کا ہے حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ مس ذکر ناقض وضو نہیں حدیث شریف میں موجود ہے کہ ذکر بھی مثل الف کے ایک عضو ہے۔ پھر وضو سے مراد وضو شرعی نہیں ہے بلکہ وضو لغوی بھی مراد ہو سکتی ہے جو اضادات سے ماخوذ ہے۔ اس صورت میں زیادہ سے زیادہ صرف ہاتھ کا دھونا لازم آتا ہے [4] حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ نکسیر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے امام شافعی صاحب نکسیر کو ناقض وضو نہیں مانتے [5، 6] امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے امام شافعی صاحب انکو بھی ناقض وضو نہیں مانتے [7] حنفیہ کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا مسنون ہے واجب نہیں ہے۔ حنفیہ کے نزدیک حضرت ابن مسعود رضؓ کی یہ روایت ہے:۔

اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوٰتك — جب تونے تشہد پڑھ لیا یا قعدہ کر لیا تو تیری نماز پوری ہو گئی۔

[8] مقتدی پر قرأت واجب نہیں بلکہ اس کیلئے سکوت ضروری ہے قرآن پاک کی آیۃ مبارکہ ہے اذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون ترجمہ جب قرآن پاک کی قرأت کی جائے تو اسکو سنو اور خاموش ہو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر رحم فرمائے۔

غسل یوم جمعہ مذکورہ بالا نظائر کو پیش کرنے سے علامہ کا مقصود جمعہ کے غسل کا وجوب ثابت کرنا ہے حنفیہ کے نزدیک غسل جمعہ مستحب ہے حضرت ابن عباس رضؓ سے غسل جمعہ کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا غسل جمعہ واجب ہے؟ فرمایا نہیں اور فرمایا کہ غسل جمعہ کی ابتداء یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں (مراد قیام مدینہ) لوگ محنت مزدوری کرتے اور صوف کا لباس پہنتے تھے۔ مسجد تنگ تھی پسینہ کی وجہ سے جب بدبو پھیلتی تو لوگوں کو اذیت ہوتی اسوقت حضور صلعم نے ارشاد فرمایا:۔

یا ایها الناس اذا کان هذا الیوم فاغتسلوا — لوگو! جب جمعہ آئے تو غسل کیا کرو

اسکے بعد جب کشادگی ہوئی مسجد بھی بڑی ہوگئی اور محنت و مزدوری سے بھی وہ لوگ رک گئے تو یہ حکم ختم ہوگیا چنانچہ حدیث شریف موجود ہے۔

من توضأ یوم الجمعة فبها ونعمت و من اغتسل فالغسل افضل — جس نے جمعہ کے دن صرف وضو کیا بس وہ بھی ٹھیک ہے اور غسل کرنا افضل ہے۔

پہلی حدیث ابوداؤد اور معانی الآثار میں موجود ہے اور دوسری حدیث ترمذی، نسائی، ابوداؤد، مسند امام احمد وغیرہ میں موجود ہے فتح الملہم صفحہ ۳۸۴ ج ۲۔ اسکے بعد دوسری بات یہ ہے کہ غسل جمعہ کی سنیت کب ادا ہوگی؟ بعض نے کہا ہے کہ اسی غسل سے نماز جمعہ پڑھی جائے لیکن جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اگر بعد فجر غسل کر لیا اور نماز جمعہ وضو سے پڑھی تو سنت ادا ہوگئی صاحب بحر نے فرمایا اس میں زیادہ نظافت ہے ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمٰن بن ابزی کی عن ابیہ سے روایت کی ہے کہ وہ جمعہ کے دن غسل کرتے پھر انکو حدث ہو جاتا تو وضو کر کے جمعہ پڑھتے اور غسل کا اعادہ نہ فرماتے امام احمد نے بھی یہی فرمایا ہے ہمارے فقہا کا کلام شاد تو یہاں تک ہے کہ جسنے پنجشنبہ یا شب جمعہ غسل کر لیا سنت ادا ہو جائے گی (فتح الملہم صفحہ ۳۸۶ ج ۲)

اسکو غسل کرنا واجب ہے اور جو اس سے مستغنی ہو اس کیلئے مستحب ہے تیسرا قول اصحاب احمد کا ہے۔

خوشبو کا استعمال

پانچویں خصوصیت اس دن خوشبو کا استعمال ہے جو دوسرے ہفتہ کے دنوں کے مقابلہ میں افضل ہے[1]۔ چھٹی خصوصیت مسواک کرنا ہے۔ اس دن مسواک کرنا نسبتہً دوسری نمازوں کے لئے مسواک کرنے سے افضل ہے[2]۔ ساتویں خصوصیت یہ ہے کہ جب تک امام نماز پڑھانے کے لئے باہر آئے اس وقت تک ذکر، تلاوت قرآن اور نماز میں مشغول رہنا چاہیئے۔ نویں خصوصیت یہ ہے کہ خطبہ سننے کے لئے خاموش رہنا چاہیئے۔ یہ واجب ہے اور جس نے ترک انصات کیا اس نے لغو کیا، چنانچہ مسند میں ایک حدیث مرفوع موجود ہے جس میں آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

والذی یقول لصاحبه انصت فلا جمعة له	جو اپنے برابر والے سے بوقت خطبہ چپ رہنے کو کہے اس کا جمعہ نہیں ہے[3]۔

سورہ کہف کی تلاوت

دسویں خصوصیت سورہ کہف کی قرأت کرنا ہے حضور صلعم سے مروی ہے۔

من قرا سورة الکهف یوم الجمعة سطع له نور من تحت قدمه الی عنان السماء یضیٔ به یوم القیامة و	جس نے جمعہ کے دن سورہ کہف کی قرأت کی اس کے لئے قیامت کے دن ایسا نور ہوگا جو اس کے پیروں سے لیکر آسمان تک جائیگا اور قیامت کے دن وہ اس سے منور

---

[1] مسلم شریف میں حدیث موجود ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہر بالغ پر غسل جمعہ کرنا، مسواک کرنا، اور جو خوشبو میسر ہو اسکو لگانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضؓ جمعہ کے دن جوان کے یہاں خوشبو یا تیل ہوتا استعمال کرتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے "غسل کرنا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، مکملات طہارت میں سے ہے۔ صـ۲۸ ج ۲۔

مسواک کی اہمیت

[2] مسواک کی اہمیت اور فضیلت کے متعلق بہت زیادہ احادیث موجود ہیں ان میں سے چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں:۔

۱۔ چار چیزیں مرسلین کی سنت میں سے ہیں ختنہ، مسواک کرنا، خوشبو لگانا، نکاح کرنا۔ رواہ ترمذی

۲۔ طہارت چار چیزوں سے کامل ہوتی ہے مونچھیں تراشنا، زیر ناف کے بال مونڈنا، ناخن تراشنا، مسواک کرنا۔ رواہ طبرانی

۳۔ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا حضرت جبرئیل علیہ مجھے ہمیشہ مسواک کی وصیت کرتے رہے (رواہ ابن ماجہ) ۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں حضور صلعم سفر میں اپنے ساتھ مسواک، آئینہ، کنگھا، سرمہ دانی رکھا کرتے تھے۔ ۵۔ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا مجھے مسواک کی اتنی تاکید کی گئی کہ مجھے ڈر ہونے لگا کہ کہیں یہ میرے اوپر فرض نہ کردی جائے۔ ۶۔ آپ نے ارشاد فرمایا اگر مجھے فرضیت کا ڈر نہ ہوتا تو میں ہر نماز کیلئے مسواک کا حکم کرتا۔ ۷۔ حضور صلعم نے وصال سے تھوڑی دیر قبل بھی مسواک کی ہے۔ البنایہ...،

[3] اس میں کمال کی نفی ہے یعنی اس کا جمعہ کامل درجہ کا نہ ہوگا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا بجز ذوالفقار کے کوئی دوسری تلوار، تلوار ہی نہیں ہے۔" مطلب اس کا بھی یہی ہے جتنی کامل تلوار ذوالفقار ہے دوسری نہیں ہے۔ مقصود صرف یہ ہے کہ لوگ خطبہ کو نہایت توجہ اور غور سے سنیں۔ غور فرمایئے خطبہ جمعہ کی نماز کے لئے شرط ہے اگر اس شرط کو ضائع کردیا جائے تو کتنا بڑا نقصان ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

غفرلہ ما بین جمعتین — ہوگا اسکے ہفتہ بھر کے گناہ معاف ہو جائیں گے

اس حدیث کو سعید بن منصور نے حضرت ابو سعید خدری رض کا قول قرار دیا ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے[1]

گیارہویں خصوصیت یہ ہے کہ اس دن زوال کے وقت نماز........ پڑھنا مکروہ نہیں ہے یہ امام شافعی صاحب کا قول ہے اور اسی کو ہمارے شیخ ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے۔ ان حضرات نے اس حدیث کے اوپر اعتماد نہیں کیا جس میں مذکور ہے۔

صلوٰۃ وقت زوال

انہ کرہ الصلوٰۃ نصف النہار الا یوم الجمعۃ وقال ان جہنم تسجر الا یوم الجمعۃ — آپ نے جمعہ کے علاوہ نصف نہار کے وقت نماز کو مکروہ قرار دیا ہے کیوں کہ جمعہ کے علاوہ اس وقت دوزخ بھڑکتی ہے۔

بلکہ ان حضرات نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہے۔

من جاء الی الجمعۃ یستحب لہ ان یصلی حتی یخرج الامام — جو جمعہ کیلئے آئے اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ امام کے نکلنے سے پہلے نماز پڑھ لے۔[2]

اور حدیث صحیح میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو آدمی جمعہ کے دن غسل نہ کرے وہ اپنی استطاعت کے مطابق پاکی حاصل کرے، تیل لگائے اور جس گھر میں خوشبو ہو وہ خوشبو استعمال کرے اور پھر جمعہ کے لئے جائے اور جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے۔ پھر جتنی چاہے نماز پڑھے اور جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش بیٹھا رہے تو اس کے

---

[1] لیکن حاکم نے اسکو شیخین کی شرط کے مطابق حدیث مرفوع قرار دیا ہے۔ فرمایا ہے ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ الخ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳

زوال کے وقت نماز

[2] امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اوقات ثلاثہ مکروہ (سورج نکلتے وقت، وقت زوال، وقت غروب) کوئی سی نماز بھی جائز نہیں ہے ہاں عصر کی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا ہے جمعہ کے دن زوال کے وقت نوافل بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔ اسی کو علامہ نے اختیار کیا ہے اور استدلال میں دو حدیثیں پیش کردی ہیں۔ ہمارے نزدیک حضرت عقبہ بن عامر رض والی روایت اس روایت کی ناسخ ہے جس میں ہے۔

ثلثۃ اوقات نہانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الخ — حضور صلعم نے ہمیں تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے الخ

حضرت ابن مسعود رض فرماتے ہیں "ہمیں حضور صلعم نے جمعہ کے دن زوال کے وقت نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اسی طرح سے ایک روایت سعید المقبری کی ہے اور حضرت ابو سعید رض والی روایت میں الا یوم الجمعۃ" کا جواب دیا ہے کہ یہاں الا بمعنی "لا" ہے یعنی نہ جمعہ کے دن۔ اور قرآن پاک میں بھی یہ استعمال موجود ہے "الا خطاء" یعنی لا خطاء "البنایہ ج ۱ ص ۵۱۶۔

[3] اس سے استدلال تام نہیں ہے کیونکہ امام کے نکلنے سے پہلے زوال کا وقت لازم نہیں آتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ امام کے آنے سے پہلے وقت جائز میں نماز پڑھی جا سکتی ہے وقت مکروہ میں نہیں۔ اور وقت ممنوع تو بلا ذکر کے مستثنیٰ ہوتا ہے اسکا ذکر اور عدم ذکر دونوں برابر ہیں۔ واللہ اعلم

آنے والے ہفتہ بھر کے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

اس روایت کو امام بخاری نے روایت کیا ہے اس حدیث میں خروج امام کے وقت نماز سے منع کیا ہے اسی وجہ سے متعدد اسلاف نے یہ فرمایا کہ زوال کے وقت نماز جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے اور ان ہی کی اتباع کرتے ہوئے امام احمد نے فرمایا ہے۔

خروج الامام یمنع الصلوٰۃ وخطبتہ تمنع الکلام	امام کا نکلنا نماز کو مانع ہے اور اسکا خطبہ دینا بات چیت کو مانع ہے۔

ان حضرات نے خروج امام کو تو مانع صلوٰۃ قرار دیا ہے نہ کہ نصف نہار کو۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ہے کہ جمعہ کے دن زوال کے وقت لوگ مسجدوں میں چھت کے نیچے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیںؒ اس وجہ سے انکو وقت زوال نہیں معلوم ہوتا پھر کوئی نماز میں مشغول ہوتا ہے، اس کے علاوہ یہ دشوار ہے کہ لوگوں کی گردنوں پر اترتا ہوا باہر جائے اور وقت کا پتہ لگائے جبکہ گردنوں کو پھلانگنا ناجائز بھی ہے۔ اور امام بخاری کی مذکورہ حدیث جس کو حضرت ابوقتادہؓ نے نقل کیا ہے اس کے متعلق امام ابوداؤد نے فرمایا ہے۔

ھو مرسل لان ابا خلیل لم یسمع من ابی قتادۃ	یہ حدیث مرسل ہے کیوں کہ خلیل نے ابوقتادہ سے نہیں سنا۔

اور حدیث مرسل کے بارے میں یہ حکم ہے کہ جب اس کو عمل اور قیاس یا قول صحابی کی تائید حاصل ہو یا شیوخ حدیث نے اس کو برغبت اختیار کیا ہو اور ضعفا و متروکین کی روایت ترک کردی ہو تو وہ مرسل حجۃ قرار دی جاسکتی ہےؒ چنانچہ مذکورہ حدیث کے کچھ شواہد بھی موجود ہیں ان کو امام شافعی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ حضرت اسحاق نے حضرت سعید بن ابی سعید سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا کہ

نھی عن الصلوٰۃ نصف النھار حتی تزول الشمس الا یوم الجمعۃ	حضور صلعم نے نصف نہار کے وقت سورج کے زائل ہونے کے وقت تک نماز پڑھنے سے منع

۱؎ لیکن ان صحیح احادیث کے بارے میں کیا کہا جائے گا جن میں زوال کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہے جیسا کہ گذشتہ سطور میں بھی عرض کیا جاچکا ہے۔ اور جمعہ کے دن لوگوں کا سائبان کے نیچے بیٹھنا کوئی معقول عذر نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وقت کا احساس نہ ہوسکتا ہو۔ کیا حرام سے بچنے کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ جو لوگ باہر ہوں ان سے دریافت کرلیا جائے کہ وقت زوال ختم ہوگیا یا نہیں۔ یا خود باہر جاکر اس قدر تکلیف برداشت نہیں کی جاسکتی۔ کیا اندر سے بیٹھے بیٹھے سایہ کا زوال نہیں دکھائی دے سکتا معلوم نہیں کیوں یہ بات کہی گئی یہ استدلال تو نہایت بچکانہ استدلال ہے۔ ۲؎ حدیث مرسل ہونے کے علاوہ ابوقتادہؓ والی روایت میں ایک علت یہ بھی ہے کہ اس کو ابوالفرج نے ضعیف قرار دیا ہے فرمایا ہے اسکی سند میں لیث بن مسلم ہیں جو ضعیف ہیں (البنایہ ج۱ ص۵) اسلئے علامہ کا یہ دعویٰ تو رد ہوگیا کہ وہ مرسل مقبول ہے جسکو ضعفاء نے روایت نہ کیا ہو۔

کیا ہے مگر جمعہ کے دن (اس کی اجازت ہے)

اسی طرح اس حدیث کو انھوں نے کتاب اختلاف الحدیث میں باب الجمعہ میں بھی ذکر کیا ہے کہ ابراہیم بن محمد نے اسحاق سے اور ابو خالد الاحمر نے شیخ مدینہ سے کہ جن کو عبداللہ بن سعید المقبری کہا جاتا ہے اور انھوں نے حضرت ابی ہریرہ رضی سے نقل کیا ہے[1]۔ اس حدیث کو بیہقی نے "المعرفت" میں بروایت عطا بن عجلان عن ابی نضرۃ عن ابی سعید وابی ہریرہ دونوں سے یہی نقل کیا ہے کہ حضور صلعم نے نصف النہار کے وقت جمعہ کے دن کے علاوہ نماز پڑھنے سے منع کیا ہے لیکن اس حدیث کے اسناد قابل حجت نہیں ہیں۔ بیہقی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کو جب ابو قتادہ کی حدیث کے ساتھ شامل کر لیا جائے تو قوت پیدا ہو جائے گی۔ امام شافعی صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ لوگوں کی عادت یہ بھی ہے کہ وہ جمعہ کو دوپہر کے وقت پڑھتے ہیں اور نماز امام کے نکلنے تک پڑھتے رہتے ہیں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ امام شافعی نے جو کچھ فرمایا ہے وہ احادیث صحیحہ میں موجود ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور صلعم جمعہ کی نماز کیلئے سویرے پہونچنے
رغب فی التبکیر الی الجمعۃ و	اور امام کے نکلنے کے وقت تک نماز پڑھنے
فی الصلوٰۃ الی الخروج	کو پسند فرماتے تھے[1]

اس حدیث میں کوئی قید نہیں ہے اور یہ حدیث ان احادیث کے موافق ہے کہ جن میں جمعہ کے دن نصف نہار کے وقت نماز کو مباح قرار دیا گیا ہے چنانچہ ہم نے یہی رخصت عطا، حسن، مکحول سے بھی روایت کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس وقت نماز کے مکروہ ہونے کے بارے میں تین قول ہیں۔

اول یہ کہ کسی حال میں مکروہ نہیں ہے۔ یہ مسلک امام مالک کا ہے دوم یہ کہ زوال کے وقت جمعہ ہو یا نہ ہو مطلقاً مکروہ ہے یہ مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے اور امام احمد کا بھی یہی مسلک مشہور ہے تیسرا یہ قول ہے کہ جمعہ کا دن مستثنیٰ ہے یہی مسلک امام شافعی صاحب کا ہے[1]۔

قرأت سورہ جمعہ

بارھویں خصوصیت سورۂ جمعہ اور منافقین یا سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کی قرأت ہے کیونکہ حضور صلعم جمعہ کی نماز میں ان کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ اسکو امام مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ آپ جمعہ کی نماز سورۂ جمعہ اور سورۂ غاشیہ کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ آپ سے یہ سب کچھ تو ثابت ہے لیکن یہ مستحب نہیں ہے کہ ایک رکعت میں کسی سورۃ کا کچھ

---

[1] لیکن سعید المقبری نے یہ بھی فرمایا ہے ادرکت الناس وھم ینھون عن ذلک میں نے لوگوں کو زوال کے وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے پایا ہے [2] اس حدیث سے استدلال تام نہیں کیونکہ وقت ممنوع بلا ذکر کے مستثنا ہوتا ہے [3] لیکن حضرت ابن عمر، عطا، نخعی، اوزاعی، ثوری، احمد بن حنبل، اسحاق، امام ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے کہ زوال کے وقت کوئی نماز جائز نہیں ہے، البنایہ ص۵۱۵ علاوہ ازیں امام شافعی صاحب سے الابرکۃ بھی منقول ہے جسکو مشاہیر نے غریب قرار دیا ہے۔

اور دوسری رکعت میں کسی دوسری سورۃ کا کچھ یا ایک سورت کو دو رکعت میں پڑھا جائے یہ خلاف سنت ہے[1] لیکن جاہل قسم کے امام اس پر مداومت کرتے ہیں۔

یوم العید جمعہ یوم العید ہے جو ہر ہفتہ آتی رہتی ہے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ان یوم الجمعۃ سید الایام و اعظمہا عند اللہ وھو اعظم عند اللہ یوم الاضحٰے ویوم الفطر	جمعہ کا دن، ایام کا سردار اور ان میں افضل ہے اور وہ اللہ کے نزدیک عیدین کے دنوں سے بھی افضل ہے۔

اس میں پانچ خصوصیت ہیں۔ اس میں آدم عم پیدا ہوئے اور اسی میں وہ زمین پر اتارے گئے اور اسی میں ان کی وفات ہوئی اور اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ جو دعا کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے بشرطیکہ امر حرام کا سوال نہ ہو۔ اسی میں قیامت قائم ہوگی۔ زمین، آسمان، ہوا، پہاڑ، شجر اور فرشتوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس دن سے خوفزدہ نہ رہتا ہو۔

احسن الثیاب چودہویں خصوصیت یہ ہے کہ اس دن اپنی بساط کے مطابق اچھے کپڑے پہنیں جائیں۔ امام احمد نے حضرت ابو ایوب رضہ کی ایک حدیث اپنی مسند میں ذکر کی ہے فرمایا

سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول من اغتسل یوم الجمعۃ ومس من طیب ان کان لہ ولبس من احسن ثیابہ ثم خرج وعلیہ السکینۃ حتی یاتی المسجد ثم یرکع ان بدا لہ ولم یوذ احداً ثم انصت اذا خرج امامہ حتی یصلی کانت کفارۃ لما بینہما	میں نے حضور صلعم سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، اگر خوشبو پاس ہے تو اس کو لگایا اور اچھے کپڑے پہنے۔ پھر جمعہ کے لئے نہایت متانت سے چلا اور مسجد میں آیا اور گنجائش ہونیکی صورت میں بلا کسی کو ایذا دیئے نماز پڑھی اور امام کے آنے تک خاموش رہا حتی کہ نماز ادا کرلی تو یہ عمل دو جمعوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن سلام رضہ کی حدیث ہے۔ انھوں نے سنا کہ حضور صلعم نے جمعہ کے دن ممبر پر ارشاد فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کوئی آدمی روزانہ کے استعمال کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ

[1] حضرات حنفیہ اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

کے لئے دو کپڑے خریدے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث ہے کہ جمعہ کے دن حضور صلعم نے خطبہ دیا۔ اس وقت لوگ بالوں کا لباس پہنے ہوئے تھے (اور پسینہ کی وجہ سے ان میں سے بدبو آرہی تھی) آپ نے ارشاد فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اگر کسی کے پاس گنجائش ہے تو وہ جمعہ کیلئے دو کپڑے خرید لے۔

پندرہویں خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں دھونی دینا مستحب ہے۔ حضرت عمر رضؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے

امر ان یجمر مسجد المدینۃ کل	انھوں نے فرمایا تھا کہ ہر جمعہ کو مسجد نبوی میں
جمعۃ حین ینتصف النہار	نصف نہار کے وقت دھونی دی جائے۔

میں کہتا ہوں کہ اسی روایت کی وجہ سے اس حدیث کے ایک راوی نعیم بن عبداللہ کو نعیم المجمر کہتے ہیں۔

جمعہ کے دن سفر

سولھویں خصوصیت یہ ہے کہ جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے ان کو قبل ادائیگی جمعہ سفر جائز نہیں ہے۔ اس کے متعلق تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ جہاد کے لئے سفر جائز ہے۔ امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ زوال کے بعد جمعہ کے دن سفر کرنا حرام ہے۔ سفر طاعت کے بارے میں ان کے دو قول ہیں جن میں سے ایک میں حرام ہے جس کو امام نووی نے اختیار کیا ہے اور دوسرے میں جواز کا حکم ہے اس کو رافعی نے اختیار کیا ہے۔

سفر قبل زوال کے متعلق بھی امام شافعی کے دو قول ہیں قول قدیم میں جواز منقول ہے لیکن قول جدید مثل قول سفر بعد زوال ہے۔ امام مالک کا مسلک صاحب تفریع نے یہ نقل کیا ہے۔

لا یسافر احد یوم الجمعۃ بعد زوال	جمعہ کے دن کوئی بعد زوال سفر نہ کرے تاوقتیکہ
حتی یصلی الجمعۃ ولا باس ان	نماز نہ پڑھ لے ہاں قبل زوال میں کوئی
یسافر قبل الزوال	مضائقہ نہیں ہے۔

۱؎ یہ ابتدائے اسلام کی بات ہے۔ اس وقت مہاجرین اور انصار دونوں کی مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ اونی کپڑے پہنتے تھے جو پسینہ کی وجہ سے بدبو دینے لگتے تھے۔ اسی وجہ سے ابتدائے قیام مدینہ میں غسل جمعہ واجب تھا اور غالباً اسی وجہ سے جمعہ کے دن صاف کپڑوں اور خوشبو کی تاکید تھی تاکہ بدبو سے لوگوں کو ایذا نہ پہونچے واللہ اعلم۔

۲؎ غرض اس سے بھی یہی ہے کہ اجتماع کثیر کی وجہ سے اگر بدبو پھیلنے لگے تو مسجد کی خوشبو (جو دھونی یا اگربتی سے پیدا ہوتی ہے) غالب رہے کہ لوگوں کو ایذا نہ ہو۔ غالباً یہ سب کچھ اسوجہ سے ہے کہ مسجدیں آباد رہیں لوگوں کو نماز پڑھنے میں رغبت ہو اسکے خلاف جو امور ہونگے مثلاً مسجد میں بدبودار چیزوں (بیڑی، سگریٹ، حقہ، لہسن، پیاز) کو استعمال کرکے آنا یا ایسے افعال وحرکات کرنا جس سے لوگوں کو ایذا ہو یا جماعت میں تقلیل ہو مثلاً امام کا جاہل، غیر متقی ہونا، موذن کا بداخلاق، منتظمین کا بداخلاق، بدخو اور لاپرواہ ہونا یہ سب چیزیں مسجد کی ویرانی کا سبب ہیں اور نص قرآنی کی رو سے ناجائز ہیں۔ عزیز الرحمن غفرلہٗ

مختار مسلک یہ ہے کہ جب طلوع فجر ہو جائے تو سفر نہ کرنا چاہیئے۔ امام ابو حنیفہ مطلقاً جواز کے قائل ہیں۔[۱] دار قطنی نے ایک حدیث حضرت ابن عمر رضؓ کی نقل کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا

من سافر من دار اقامتہ یوم	جس نے جمعہ کے دن اپنے گھر سے سفر کیا
الجمعۃ دعت علیہ الملئکۃ ان	فرشتے اس کے لئے بد دعا کرتے ہیں کہ اس کا
لا یصحب فی سفرہ	سفر میں کوئی ساتھی نہ ہو۔[۲]

یہ حدیث ابن لہیعہ کی ہے۔ مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضؓ کی حدیث یہ ہے کہ حضور صلعم نے عبداللہ بن رواحہ کو ایک سریہ میں بھیجا۔ اتفاق سے یہ دن جمعہ کا تھا۔ انھوں نے طے کیا کہ صبح کو جمعہ پر حضور صلعم کے پیچھے جمعہ کی نماز پڑھ کر سفر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ جب حضور صلعم نے جمعہ کی نماز پڑھی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ کو دیکھا تو ارشاد فرمایا

ما منعك ان تغد مع اصحابك	تمھیں صبح اپنے ساتھیوں کے ساتھ جانے سے کیا مانع ہوا۔

انھوں نے اپنی غرض ظاہر فرما دی تب حضور صلعم نے ارشاد فرمایا

لو انفقت ما فی الارض ما	اگر تو تمام دنیا کا سرمایہ بھی خرچ کر دے تو
ادرکت فضل غدوتہم	انکے ساتھ صبح جانیکی فضیلت نہیں پا سکتا

اس حدیث میں یہ علت بیان کی ہے کہ حکم نے مقسم سے یہ حدیث نہیں سنی۔ بہر حال یہ اس صورت میں ہے کہ جب مسافر کو اپنے ساتھیوں سے جدا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو لیکن اگر یہ اندیشہ ہو تو پھر ہر حال میں سفر جائز ہے اس لئے کہ یہ عذر جمعہ اور جماعت کو ساقط کر دیتا ہے۔ امام اوزاعی سے معلوم کیا گیا ایک مسافر نے اذان جمعہ سنی اور وہ بالکل سفر کے لئے تیاری کر چکا تھا وہ کیا کرے؟ فرمایا سفر پر چلا جائے۔ ایسے ہی ایک قول حضرت ابن عمر رضؓ کا ہے۔

---

[۱] جمعہ کے دن نماز سے قبل سفر نہ کرنے میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ جمعہ یوم عبادت ہے اسلئے اسکو تمام امور سے فارغ کر لینا چاہیئے اور جمعہ کے اہتمام میں وقت صرف کرنا چاہیئے۔ سفر چونکہ ان امور کی ادائیگی میں مخل ہوتا ہے اسلئے اس سے منع کیا ہے جن حضرات نے اسکو جہ کیطرف نظر کی ہے انھوں نے قبل جمعہ سفر کو مکروہ قرار دیا ہے۔ امام صاحب نے اصولی اور ضابطہ کی بات کہی ہے وہ یہ کہ وجوب سے قبل مکلف قرار دیدینا حرج اور ضرر کا باعث ہے اور تکلیف مالایطاق ہے کیونکہ وجوب جمعہ، جمعہ کا وقت آنے پر ہوگا نہ کہ قبل وقت، چنانچہ متعدد احادیث علامہ ہیثمی نے ایسی بیان فرما دی ہیں جن سے امام صاحب کے مذہب کی تائید ہوتی ہے۔ اور جن احادیث سے شق اول کی تائید ہوتی ہے اسمیں غالباً وہی مصلحت پیش نظر ہے جو ہمنے بیان کر دی ہے۔ در مختار میں بیان کیا ہے جمعہ کے دن زوال کے بعد سفر مکروہ ہے زوال سے قبل جائز ہے الخ ج ۱

[۲] اس حدیث میں بھی وہی تنبیہ مقصود ہے اور دنیا کی طرف رغبت کرنے والی ذہنیت کی تردید مقصود ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف رغبت کریں۔ واللہ اعلم عزیز الرحمٰن غفرلہ

الجمعۃ لا تحبس عن السفر — جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔

اس سے مراد اگر مطلقاً جواز سفر ہے تو اس کا فیصلہ کسی دلیل ہی سے ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں عن معمر عن خالد الحذاء عن ابن سیرینؒ وغیرہ یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس پر لباس سفر تھا اور وہ جمعہ ادا کر چکا تھا۔ پوچھا کیا حال ہے؟ عرض کیا سفر پر جارہا ہوں۔ میں نے یہ اچھا نہ سمجھا کہ نماز بغیر یہاں سے چلا جاؤں تب حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا

الجمعۃ لا تمنعك السفر مالم یحضر وقتھا — جب تک جمعہ کا وقت نہ آجائے وہ سفر سے مانع نہیں ہے۔

اس قول سے معلوم ہورہا ہے کہ سفر بعد زوال ممنوع ہے قبل زوال ممنوع نہیں ہے۔ اسی حدیث کو عبدالرزاق نے بروایت ثوری عن اسود عن قیس عن ابیہ حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے (جس کے الفاظ اور ہیں لیکن معنی اور واقعہ بالکل یہی ہے) اس کے علاوہ ایک حدیث بروایت زہری ہے جس میں موجود ہے۔

خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسافراً یوم الجمعۃ ضحی قبل الصلوٰۃ — حضور صلعم جمعہ کے دن چاشت کے وقت جمعہ کی نماز سے قبل سفر پر تشریف لے گئے

معمر سے یہ بھی منقول ہے کہ انھوں نے یحیی بن ابی کثیر سے سوال کیا۔ کیا جمعہ کے دن سفر پر جایا جاسکتا ہے؟ انھوں نے اس کو مکروہ قرار دیا اور فرمایا جو جمعہ کے دن نماز پڑھے بغیر سفر پر جائے اس کو ناگوار امور پیش آہی جاتے ہیں۔ میں نے ایسا ہی پایا ہے۔ ابن مبارک نے بروایت اوزاعی، حسان بن عطیہ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب کوئی جمعہ کے دن نماز سے قبل سفر کرتا ہے تو اس پر دن "بد دعا کرتا ہے کہ تیری حاجت پوری نہ ہو اور تیرا سفر میں کوئی ساتھی نہ ہو۔ اوزاعی نے ابن مسیب کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ سفر بعد صلوٰۃ کرنا چاہیئے۔ جریج نے کہا ہے کہ میں نے عطا سے دریافت کیا۔ کیا آپ کو یہ معلوم ہے۔

اذا امسی فی قریۃ جامعۃ لیلۃ الجمعۃ فلا یذھب حتی یجمع — جب ایسی بستی میں جہاں جمعہ ہوتا ہو شب گذارنے کا اتفاق ہو وہاں سے جمعہ پڑھے بغیر نہ جانا چاہیئے۔[۱]

فرمایا ہاں یہ مکروہ ہے۔ میں نے پوچھا اگر کوئی جمعرات کے دن جانا چاہے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا تب کوئی حرج نہیں ہے۔

جمعہ کی نماز کیلئے پیدل جانا

سترہویں خصوصیت یہ ہے کہ جو آدمی جمعہ کی نماز کے لئے پیدل جائے اس کو ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور ایک

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ جمعرات کے دن سورج غروب ہونے کے بعد چونکہ جمعہ کا دن شروع ہوجاتا ہے اور جمعہ کے دن نماز جمعہ سے قبل سفر جائز نہیں ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام گزر چکا ہے۔

سال کی تہجد کی نماز کا ثواب ملے گا۔ عبدالرزاق نے بسند متصل اوس بن اوس کی روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا

من غسل واغتسل یوم الجمعۃ بکر	جس نے خود غسل کیا اور کرایا جمعہ کے دن
وابتکروو نا من الامام فانصت	اور سویرے اٹھا اور جلد جمعہ کیلئے گیا اور امام
کان لہ بکل خطوۃ یخطوھا صیام	سے قریب ہو کر خاموش بیٹھا اس کو ہر قدم
سنۃ وقیامھا وذلک علی اللہ یسیر	رکھنے کے عیوض ایک سال کے صیام اور قیام

کا ثواب ملے گا اور یہ اللہ کے لئے بہت آسان ہے[1]

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے انھوں نے فرمایا ہے کہ غسّل تشدید کے ساتھ ہے جسکے معنی جماع کر نیکے ہیں۔[2]

کفارہ سیّات

اٹھارہویں خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ کفارہ سیات کا دن ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت سلمان فارسی رضؓ کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم نے مجھ سے ارشاد فرمایا جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یہ دن وہ ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ حضور صلعم نے فرمایا بات یہ ہے کہ جو آدمی اس دن اچھی طرح پاکی حاصل کرے اور جمعہ کی نماز پڑھنے آئے اور امام کے فارغ ہونے تک خاموش رہے تو یہ عمل آنے والے جمعہ تک کفارہ ہو جائے گا۔ حدیث مسند میں عطا خراسانی کی بنیشہ الھذلی کی سند سے یہ روایت بھی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا سلمان جب جمعہ کے دن غسل کرے اور مسجد میں آئے اور بلا کسی کو ایذا دیئے۔ اگر وقت میں گنجائش ہو تو نماز پڑھ لے اور نہ ہو تو خاموش بیٹھ جائے تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور کم از کم آنے والے جمعہ تک کے لئے تو کفارہ سیات ہو ہی جائے گا۔ بخاری شریف میں حضرت سلمان رضؓ کی یہ حدیث ہے۔ جس آدمی نے جمعہ کو اچھی طرح پاکی حاصل کی اور خوشبو لگائی پھر گھر سے چلا اور بلا دو آدمیوں میں تفریق کئے بیٹھ گیا پھر جتنی توفیق ہوئی نماز پڑھی۔ پھر خطبہ شروع ہوتے ہی خاموشی سے سنا۔ تو اس کے ایک ہفتہ (آنے والے جمعہ تک) کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ابوداؤد میں حضرت ابو درداء رضؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، کپڑے پہنے۔ خوشبو لگائی اور پھر متانت کے ساتھ جمعہ کے لئے چلا۔ اور کسی کی گردن پھلانگے اور ایذا دیئے بغیر بیٹھ گیا اور حسب توفیق نماز ادا کی تو اس کے دو جمعوں کے درمیان کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

---

[1] غرض یہ ہے کہ تھوڑے عمل پر کثیر اور بے اندازہ ثواب۔ اسکے لئے اللہ تعالیٰ کو کون روک سکتا ہے اسکے لئے سب آسانی ہے سہ

یہ ترا کرم ہے مولا جو بے حساب بخشے ۔ تیری رحمتوں کا بدلا مری بندگی نہیں ہے

[2] شب جمعہ میں جماع کرنا افضل ہے اسلئے ظاہر ہے کہ جب غسل جنابت کیا جائے گا تو اس میں پاکی کا زیادہ اہتمام رہے گا پھر ایک کے بجائے دو کو غسل کرنا پڑے گا غالباً غسّل واغتسل کا یہی مطلب ہے۔ عزیز الرحمٰن

جمعہ کا دن اور دوزخ جیسا کہ گذر چکا ہے کہ دوزخ روزانہ دھونکائی جاتی ہے مگر جمعہ کے دن نہیں اسکا بھید اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ مگر سمجھ میں یوں آتا ہے کہ یہ دن افضل ترین دن ہے۔ اس دن طاعت، عبادت اور دعائیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ چیزیں وہ ہیں جو دوزخ کی بھڑک کو مانع ہیں۔ پھر اس دن اہل ایمان سے بہ نسبت دوسرے ایام کے گناہ کم ہوتے ہیں حد یہ ہے کہ فساق وفجار بھی اس دن نسبتاً گناہوں سے باز رہتے ہیں۔ حدیث سے ظاہر مراد یہ ہے کہ دنیا میں جمعہ کے دن دوزخ کا بھڑکانا بند رہتا ہے اب رہا قیامت کا معاملہ۔ سو اس وقت کوئی ایسا وقفہ نہیں ہوگا بلکہ دوزخی دوزخ کے محافظین سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے عذاب میں تخفیف کے لئے کہدیجئے۔ تو ان کو کوئی جواب نہیں دیا جائے گا۔

ساعت جمعہ بیسویں خصوصیت یہ ہے کہ اس دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ جس میں دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی حدیث موجود ہے (یہ حدیثیں مکرر سہ مکرر اس باب میں گذر چکی ہیں اسلئے ان کا اعادہ نہیں کیا گیا ہے)

بائیسواں باب

ساعت جمعہ اور اختلاف علماء

اختلاف علماء علماء میں اختلاف ہے کہ وہ ساعت جمعہ اب بھی (مع تاثیر) موجود ہے یا اسکا یہ حکم ختم ہو گیا ہے۔ اس میں دو قول ہیں جن کو علامہ ابن عبدالبر وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ جن حضرات نے اس ساعت کی موجودگی تسلیم کی ہے ان میں بھی اختلاف ہے آیا وہ ساعت مذکور معین ہے یا غیر معین ہے۔ اس میں بھی دو قول ہیں یعنی اگر معین نہیں ہے تو کیا وہ منتقل ہوتی رہتی ہے یا نہیں؟ جن لوگوں نے اس کو ساعت معین قرار دیا ہے ان کے اس میں گیارہ قول ہیں۔ ابن منذر نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ساعت مذکور

من طلوع الفجر الی طلوع الشمس	طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک
وبعد صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس	اور عصر کی نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زوال شمس کے وقت ہے۔ اس کو ابن منذر نے حسن بصری اور ابوالعالیہ کیطرف منسوب کیا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جب موذن اذان جمعہ دیتا ہے۔ ابن منذر نے کہا ہے اس کو حضرت عائشہ رضؓ نے بیان فرمایا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ جب امام منبر پر خطبہ کے لئے بیٹھے اور اس سے فارغ ہو اس کو حسن بصری نے روایت کیا ہے۔ پانچواں قول یہ ہے جس کو ابوہریرہ رضؓ نے نقل کیا ہے کہ وہ ساعت وہی ہے جس وقت نماز جمعہ ہوتی ہے۔ چھٹا قول یہ ہے جسکو ابوالاسود نے بیان کیا ہے۔

کانوا یرون ان الدعا یستجاب مابین زوال الشمس الی ان یدخل الصلوٰۃ	صحابہ رضؓ کا خیال تھا کہ زوال کے وقت سے نماز پڑھنے کے وقت تک دعا قبول ہوتی ہے۔

ساتواں قول یہ ہے کہ جب سورج ایک بالشت نکلے اور ایک ہاتھ اونچا ہو جائے اس کو حضرت ابوذر رضؓ نے بیان کیا ہے۔ آٹھواں قول یہ ہے کہ وہ عصر سے لیکر مغرب تک ہے اسکو حضرت ابوہریرہ رضؓ، عطاء،

حضرت عبداللہ بن سلام، طاؤس نے بیان کیا ہے۔ نواں قول یہ ہے کہ وہ عصر کے بعد کی آخری ساعت ہے۔ یہی قول امام احمد اور جمہور صحابہ اور تابعین کا ہے۔ دسواں قول یہ ہے کہ امام کے نکلنے سے لیکر نماز سے فارغ ہونے تک یہ ساعت رہتی ہے اس کو امام نووی وغیرہ حضرات نے نقل کیا ہے۔ گیارہواں قول یہ ہے کہ وہ دن کی تیسری ساعت ہے اس کو صاحب مغنی نے نقل کیا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی جمعہ کے دن کی تقسیم کرے اور اس کو تین برابر حصوں میں بانٹ دے تو یہ ساعت مل سکتی ہے [1]

کونسا قول قابل ترجیح ہے

ان اقوال میں دو قول قابل ترجیح ہیں کیونکہ ان دونوں کی تائید صحیح احادیث سے ہو رہی ہے۔ اور ان دونوں میں بھی ایک قول راجح تر ہے۔ وہ یہ کہ ساعت مذکور امام کے منبر پر بیٹھنے سے لیکر نماز جمعہ کے ختم تک رہتی ہے۔ اس قول کے لئے حجت مسلم شریف کی حدیث ہے جس کو ابی بردہ بن ابی موسیٰ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان سے کہا کیا تمھیں معلوم ہے کہ تمہارے والد محترم ساعت جمعہ کے متعلق جو کچھ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا ہاں معلوم ہے وہ فرماتے تھے حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ھی مابین ان یجلس الامام الی ان یقضی الصلوٰۃ	وہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے نماز کے ختم تک ہے۔

ابن ماجہ اور ترمذی نے عمرو بن عوف المزنی کی روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک ساعت ایسی ہے اس میں اللہ سے جو کچھ بھی مانگا جاتا ہے وہ ملتا ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا وہ گھڑی کونسی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا جس وقت نماز ادا کی جاتی ہے (یعنی جمعہ کی نماز)

دوسرا قول یہ ہے کہ ساعت مذکور بعد عصر ہے اور یہ قول سب سے زیادہ راجح ہے اور اسی کو حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ، حضرت ابوہریرہ رضؓ، اور امام احمدؒ اور بہت سے لوگوں نے اختیار کیا ہے اسکے متعلق امام احمد نے مسند میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ جو بندہ اللہ سے خیر کا سوال کرتا ہے اس کو وہ مل جاتی ہے اور وہ ساعت "بعد عصر ہے" امام ابو داؤد اور نسائی نے بروایت حضرت جابر رضؓ نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن میں بارہ ساعت ہیں ان میں بھی ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں دعا قبول ہوتی ہے۔

فالتمسوھا اخر ساعۃ بعد العصر	اسکو عصر کے بعد والی آخری ساعت میں تلاش کرو۔

---

[1] اس تقسیم سے غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ ساعت مذکور کے متعلق جتنے اقوال ہیں وہ ان ہی تین ساعتوں میں محصور ہیں یعنی دن کا اول حصہ، دوم حصہ بعد زوال اور تیسرا حصہ بعد عصر۔ اگر ان تینوں اوقات کو ایک جمعہ میں یا تین جمعوں میں عبادات اور دعا سے بھر دیا جائے تو اقوال منقولہ کے بموجب ساعت مذکور حاصل ہو ہی جائیگی واللہ اعلم۔ عزیز الرحمٰن غفرلہ

سعید بن منصور نے اپنی سنن میں بروایت ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ اصحاب رسول اللہ صلعم جمع ہوئے اور انھوں نے جمعہ کی ساعت کے متعلق مذاکرہ شروع کیا۔ سب کے مختلف اقوال تھے لیکن اس میں کسی کو اختلاف نہ تھا کہ وہ جمعہ کے دن کوئی آخری ساعت ہوتی ہے۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن سلام کی روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے حضور صلعم سے عرض کیا کہ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ جمعہ کے دن میں ایک ساعت ایسی ہے۔

لا یوافقہا عبد مومن یصلی یسال اللہ عزوجل شیئاً الا قضی اللہ لہ حاجتہٗ	جو مومن بھی اسوقت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی حاجت پوری فرماتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ میری طرف حضور صلعم نے اشارہ کیا اور فرمایا وہ بعض ساعت ہے۔ میں نے عرض کیا آپ نے سچ فرمایا لیکن وہ کونسی ساعت ہے تو فرمایا

ھی اخر ساعۃ من اخر ساعات النہار	وہ دن کی ساعتوں میں سے آخری ساعت ہے

میں نے عرض کیا وہ آخری ساعت تو نماز کے لئے نہیں ہے (کیونکہ بعد عصر نماز پڑھنا مکروہ ہے) ارشاد فرمایا صحیح ہے لیکن

ان العبد المومن اذا صلی ثم جلس لا یجلسہ الا للصلوٰۃ فھو فی الصلوٰۃ	مومن جب نماز پڑھ کر صرف نماز ہی کے لئے بیٹھتا ہے تو وہ نماز میں ہوتا ہے۔

مسند امام احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی روایت ہے کہ حضور صلعم سے دریافت کیا گیا کس وجہ سے جمعہ کے دن کی تخصیص ہوئی تو فرمایا اس دن تمھارے والد محترم حضرت آدم عؑ کی طینت کا پتلا تیار ہوا۔ اسی دن قیامت قائم ہوگی اور اسی دن حشر قائم ہوگا اور اس دن میں آخر کی تین ساعت ایسی ہیں کہ جن میں دعا مقبول ہوتی ہے۔ سنن ابی داؤد، ترمذی، نسائی میں ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ "دنوں میں بہترین دن جمعہ کا ہے۔ اس میں آدم عؑ پیدا کئے گئے۔ اس میں وہ زمین پر اتارے گئے۔ اسی دن انکی توبہ قبول ہوئی۔ اسی دن ان کی وفات ہوئی۔ اسی میں قیامت قائم ہوگی[1]۔ تمام جانور جمعہ کے

---

[1] اس حدیث میں پانچ چیزوں کا ذکر ہے جو سب کی سب نعمت عظمیٰ ہیں وجود آدم اور انکا نزول ارض، قبول توبہ یہ سب چیزیں وہ ہیں کہ جن سے انسان کی شرافت اور فضیلت کا مظاہرہ ہوا ہے ورنہ حقیقت انسان اور اس کی شرافت پردہ راز میں رہتی۔ قیام ساعت یہ مومنین کے لئے لقائے رب اور حصول انعام کا دن ہے کہ انکو رضائے رب کا اعلیٰ مقام (جنت) حاصل ہوگا اور انکے دشمنوں کو غضب رب (دوزخ) حاصل ہوگا اور یہ امور یوم جمعہ میں ظہور پذیر ہوئے ہیں اور وقوع پذیر ہوں گے۔

دن خوف خداوندی سے بیٹھتے ہیں بجز انسان اور جنات کے [1] اس دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ

لا یصادفہا عبد مسلم وھو یصلی	جو مسلمان بھی اس وقت نماز پڑھ کر اللہ
یسال اللہ عزوجل حاجۃ الا	تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے اس کی مراد پوری
اعطاھا ایاہ	ہوتی ہے۔

حضرت کعب نے فرمایا یہ پورے سال میں ایک دن ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں بلکہ ہر جمعہ میں وہ گھڑی موجود ہے۔ حضرت کعب نے تورات کی طرف رجوع کیا اور پڑھ کر فرمایا حضور صلعم نے صحیح فرمایا ہے (کیونکہ توریت میں بھی یہی لکھا ہے) حضرت ابو ہریرہ رضؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن سلام سے ملاقات کی اور ان سے اپنی اور حضرت کعب کی گفتگو نقل کی۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا آپ کو معلوم ہے کہ وہ کونسی ساعت ہے۔ کہا آپ ہی فرمایئے؟ انھوں نے فرمایا۔

ھی اٰخر ساعۃ من یوم الجمعۃ	وہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے فرمایا یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے جو مسلمان اسوقت نماز پڑھ کر دعا کرے اس کی دعا قبول ہوگی اور اس وقت نماز (نفلی) پڑھنا جائز نہیں ہے (کیونکہ بعد عصر، غروب آفتاب تک نفل پڑھنا مکروہ ہے) حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا حضور صلعم نے تو یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جو نماز پڑھ کر نماز کے انتظار میں بیٹھ جائے وہ نماز ہی میں ہوتا ہے۔ میں نے کہا ہاں...... جواب دیا یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔ امام ترمذی نے فرمایا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بخاری مسلم میں بھی اس حدیث کا بعض حصہ منقول ہے۔

وہ ساعت خطبہ کے وقت ہوتی ہے

جن لوگوں نے یہ نقل کیا ہے کہ ساعت مذکور امام کے خطبہ شروع کرنے کے وقت سے فراغت صلوٰۃ تک رہتی ہے۔ ان کی دلیل مسلم شریف کی حدیث ہے جس کو حضرت ابی بردہ بن ابی موسیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضؓ نے ان سے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے والد محترم ساعت مذکورہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا ہاں جانتا ہوں، وہ فرماتے تھے کہ میں نے حضور صلعم سے سنا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا " وہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے فراغت صلوٰۃ تک ہوتی ہے۔

جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ ساعت مذکور وہی ہے جس وقت نماز ادا کی جاتی ہے ان کے نزدیک ابن ماجہ اور ترمذی کی وہ حدیث ہے جسکو عمرو بن عوف المزنی نے روایت کیا ہے (اس کی تفصیل گذر چکی ہے)

---

[1] چونکہ انسان اور جنات ایمان بالغیب کے مکلف ہیں غالباً اسی وجہ سے ان سے یہ اشیاء پوشیدہ ہیں۔ واللہ اعلم

اس حدیث میں یہ مذکور ہے۔

حین تقام الصلوٰۃ — جس وقت نماز قائم کی جاتی ہے۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے ابن عبدالبر نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کو کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف نے روایت کیا ہے وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی روایت کو قبول کیا جائے۔ روح بن عباد عن عوف عن معاویہ بن قرۃ عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ کی روایت اس طرح منقول ہے کہ انھوں نے حضرت ابن عمرؓ سے فرمایا کہ ساعت مذکور

ھی الساعۃ التی یخرج فیھا الامام — اس وقت ہے جب امام خطبہ کے لئے نکلے
الی ان یقضی الصلوٰۃ — اور نماز سے فارغ ہو جائے۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا آپ نے صحیح فرمایا ہے۔ عبدالرحمٰن بن حجیرہ نے حضرت ابوذرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ ان کی اہلیہ نے پوچھا وہ گھڑی کونسی ہے؟ جس میں دعا قبول ہوتی ہے۔ تو فرمایا

ھی مع رفع الشمس بیسیر — جب تھوڑا سا سورج بلند ہو جائے۔

نتیجہ خیز کلام

اس کے بعد فرمایا اگر اس کے بعد تو نے پھر پوچھا تو تجھے طلاق۔ ان حضرات نے حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں ہے "ہو قائم یصلی" اور بعد عصر نماز پڑھی نہیں جاتی اس لئے ظاہر حدیث کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ابو عمر فرماتے ہیں اس مسئلہ میں حضرت علیؓ کی حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے جس میں ہے کہ جب سورج زائل ہو جائے اور سایہ ڈھلنے لگے اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے مراد مانگو اس لئے کہ یہ ساعتِ اوابین ہے اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔

انہ کان للاوابین غفوراً — وہ رجوع کرنیوالوں کو معاف کرنیوالا ہے۔

حضرت ابن عباس کی بھی روایت اس مسئلہ میں موجود ہے جس کو سعید بن جبیر نے نقل کیا ہے اس روایت میں ہے کہ جمعہ کے دن

ما بین صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس — وہ گھڑی عصر کی نماز سے لیکر غروب آفتاب تک ہے۔

حضرت سعید بن جبیر کی عادت تھی کہ وہ عصر کی نماز پڑھ کر خاموش بیٹھ جاتے تھے یہی قول اکثر اسلاف کا ہے اور اسی کے مطابق اکثر احادیث ہیں اسی کے قریب ساعت صلوٰۃ والا قول ہے اور بقیہ اقوال کے ساتھ تو کوئی دلیل نہیں ہے۔ میرے نزدیک بھی یہی ہے کہ ساعت صلوٰۃ اقرب الی الاجابت ہے بہر حال یہ دونوں ساعتیں ساعت اجابت ہیں۔ اگر ساعت سے مراد کوئی ساعت مخصوصہ ہے تو پھر عصر کے

بعد والی ساعت ہے اور ..... معینہ ہے۔ رہا ساعت صلوٰۃ کا معاملہ تو وہ نماز کے تابع ہے وہ آگے پیچھے ہوتی رہتی ہے کیونکہ نماز تو جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہے اور اس میں دیر سویر ہو سکتی ہے پھر جماعت میں مسلمانوں کی تضرع وزاری اور رجوع الی اللہ کو اجابت دعا میں زیادہ دخل ہے۔ اس طرح تمام احادیث میں موافقت ہو جاتی ہے جس میں یہ نکتہ بھی ہے کہ حضور صلعم نے امت کو اس طرف رغبت دلائی ہے تاکہ وہ ان دونوں ساعتوں میں خوب تضرع وزاری کریں۔ اسی کے مثل حضور صلعم کا یہ ارشاد بھی ہے جس میں آپ سے پوچھا گیا کہ وہ مسجد کونسی ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا

ھو مسجدکم ھذا	وہ تمہاری یہی مسجد ہے [1]

اس سے اشارہ مسجد مدینہ کی طرف ہے۔ اس سے یہ غرض نہیں ہے کہ مسجد قبا اس سے خارج ہے بلکہ دونوں مسجدوں کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ یہی حال اس ساعت کے بارے میں ہے۔ ایک ساعت تو وہ ہے جب امام منبر پر جاتا ہے اور نماز سے فارغ ہوتا ہے۔ اس سے ساعت بعد عصر کا انکار نہیں ہوتا ہے اسی کے مشابہ حضور صلعم کا یہ ارشاد بھی ہے جس میں فرمایا

ما تعدون الرقوب فیکم قالوا	تم اپنے میں رقوب کس کو کہتے ہو عرض کیا
من لم یولد لہ قال الرقوب من	جسکے کوئی بچہ نہ پیدا ہوا۔ فرمایا رقوب وہ بھی
لا یقدم من ولدہ شیئاً	ہے جسکو اپنے بچے سے فائدہ حاصل نہ ہو

مطلب یہ ہے کہ جس کا بچہ اس کے سامنے فوت ہو گیا وہ اس کے لئے ذخیرۂ آخرت ہو گیا اور جس کے کوئی بچہ ہی نہیں ہوا اس کے لئے کیا؟ یہ حدیث اس کے منافی نہیں ہے کہ جس کے کوئی بچہ نہیں وہ رقوب نہیں ہے۔[2]
اسی کے مثل یہ حدیث بھی ہے۔

ما تعدون المفلس فیکم قالوا	تم مفلس کس کو کہتے ہو۔ عرض کیا جس کے
من لا درھم لہ ولا متاع قال	پاس نہ درہم ہو اور نہ سامان ہو۔ فرمایا
المفلس من یاتی یوم القیامۃ	مفلس وہ ہے کہ جس کی نیکیاں تو پہاڑ کے
بحسنات امثال الجبال ویاتی و	برابر ہوں مگر وہ سب لوٹ جائیں جن کے

---

[1] اس حدیث میں وجہ استدلال یہ ہے کہ مذکورہ دو ساعتوں (یعنی وقت صلوٰۃ جمعہ اور بعد صلوٰۃ عصر) میں سے ایک ساعت (وقت صلوٰۃ جمعہ) کو اقرب الی الاجابت قرار دینے سے دوسری ساعت (بعد صلوٰۃ عصر) کا انکار نہیں ہے جس طرح مسجد نبوی کی فضیلت سے مسجد قبا وغیرہ کی فضیلت کا انکار نہیں ہے۔

[2] وجہ استدلال یہ ہے کہ جنکے بچے نابالغی کی حالت میں مرجاتے ہیں وہ (فرط) ماں باپ کیلئے دخول جنت اور ذخیرۂ آخرت کا سبب بنتے ہیں لیکن جنکے کوئی بچہ ہی پیدا نہیں ہوا وہ فرط والی خصوصیت سے محروم ہیں یہ بھی اسی خانہ میں آتے ہیں۔ عزیز الرحمٰن

قد لطم هذا او ضرب هذا او سفك دم هذا فيأخذ هذا من حسناته — کبھی چپت مارا تھا یا پٹائی کی تھی یا قتل کیا تھا. پس وہ اسکی نیکیاں لے لیگا۔

اسی طرح وہ حدیث بھی ہے جس میں ہے کہ مسکین وہی نہیں ہے جو گھوم پھر کر لقمہ حاصل کرے یا ایک دو چھوہارہ حاصل کرے بلکہ مسکین وہ بھی ہے جو نہ کسی سے مانگے اور نہ اسکو مسکین سمجھے تاکہ کچھ صدقہ اسکو دیدے۔ بہر حال ساعت مذکور عصر کے بعد والی ساعت ہے اسی کے اوپر تمام علتوں اور اہل کتاب کا اجماع ہے اور یہی قبولیت کی گھڑی ہے[۱]۔

ساعت مذکور منتقل ہوتی رہتی ہے

جن حضرات نے اس ساعت کے منتقل ہوتے رہنے کو کہا ہے انھوں نے ان مذکورہ احادیث کے بارے میں ایسی ہی بات کہی ہے جیسی لیلۃ القدر کے بارے میں (یعنی جس طرح لیلۃ القدر منتقل ہوتی رہتی ہے ویسے ہی یہ ساعت بھی منتقل ہوتی رہتی ہے) حالانکہ یہ بات قوی نہیں ہے لیلۃ القدر کے بارے میں تو حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے "جب پانچ، چھ، سات، نو رات باقی رہ جائیں تو .... لیلۃ القدر کو تلاش کرو. ایسی بات ساعت جمعہ کے متعلق منقول نہیں ہے پھر لیلۃ القدر کے بارے میں کوئی حدیث صریح موجود نہیں ہے کہ وہ فلاں رات ہے بخلاف ساعت جمعہ کے کہ اس میں صراحت موجود ہے کہ فلاں ساعت ہے لہذا ان دونوں روایتوں کا فرق ظاہر ہے ایک دوسرے پر قیاس نہیں جاسکتا۔

کیا ساعت مذکور اٹھالی گئی ہے

جن لوگوں کی غرض یہ ہے کہ ساعت مذکور کا علم امت سے اٹھالیا گیا ہے اگر ان کی غرض یہ ہے کہ پہلے یہ ساعت معلوم تھی اب اس کا علم اٹھالیا گیا ہے. تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ کل امت سے اس کا علم نہیں اٹھایا گیا اور اگر یہ مراد ہے کہ اس کی حقیقت اور اس کا ساعت اجابت ہونا ختم ہوگیا ہے تو یہ قول بھی باطل ہے اور احادیث صحیحہ اور صریحہ کے بالکل خلاف ہے (کیونکہ اس ساعت کا کسی حدیث سے انکار ثابت نہیں ہے)

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ ساعت جمعہ کی فضیلت سے بعد صلوٰۃ عصر والی ساعت کا انکار نہیں لازم آتا۔ عزیز الرحمٰن۔

۳۳ تیئسواں باب

جمعہ کے دیگر خصائص

خصوصیات نماز جمعہ اکیسویں خصوصیت یہ ہے کہ اس دن نماز جمعہ ادا ہوتی ہے اور اس نماز کو وہ خصوصیات حاصل ہیں جو دوسری نمازوں کو حاصل نہیں ہیں۔ مثلاً اجتماع، عدد مخصوص، اقامت پذیر ہونا، اور قرأت جہراً کرنا، (جو دن کی دوسری نمازوں میں نہیں ہے)

سنن اربعہ میں ابی جعد ضمری رضؓ کی حدیث ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا

من ترك ثلاث جمع تهاونا طبع الله على قلبه — جس نے بوجہ سستی تین جمعہ ترک کر دیئے اللہ تعالیٰ اسکے قلب پر مہر لگا دیتا ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے محمد سے ابی جعد کے بارے میں پوچھا تو فرمایا میں ان کا اصلی نام نہیں جانتا اور بجز اس حدیث کے مجھے ان سے کوئی دوسری حدیث نہیں ملی سنن میں یہ حدیث موجود ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے جس نے ترک جمعہ کر دیا

ان يتصدق بدينار فان لم يجد فنصف دينار — وہ ایک دینار صدقہ کرے اگر موجود نہ ہو تو نصف دینار صدقہ کرے۔

اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی نے قدامہ بن برۃ عن سمرۃ بن جندب سے روایت کیا ہے امام احمد نے فرمایا قدامہ بن وبرۃ مجہول ہیں۔ ابن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے۔ بخاری نے کہا ہے کہ ان کا سمرۃ بن جندب سے سماع ثابت نہیں ہے۔ بہرحال مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جمعہ فرض عین ہے جن لوگوں نے امام شافعی سے یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ غلط ہے بلکہ انھوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ صلوٰۃ عید ان لوگوں پر واجب ہے جن پر صلوٰۃ جمعہ واجب ہے۔ اس سے قائل نے یہ سمجھ لیا کہ عید کی نماز فرض کفایہ ہے تو جمعہ کی نماز بھی فرض کفایہ ہے۔ یہ قول فاسد ہے بلکہ امام شافعی سے تو صراحۃً منقول ہے کہ عید کی نماز سب پر واجب ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ عید کی نماز مثل جمعہ کے فرض عین ہے یا فرض کفایہ ہے فرض کفایہ کا مطلب ہے کہ فرض تو سب پر ہے لیکن بعض کی ادائیگی سے سبکی ذمہ داری ادا ہو جائے گی۔

جمعہ کا خطبہ بائیسویں خصوصیت یہ ہے کہ اس دن خطبہ پڑھا جاتا ہے جس میں خدا کی حمد و ثنا، توحید رسالت کی شہادت ہوتی ہے۔ لوگوں کو وعظ و نصیحت کی جاتی ہے۔ اور ان چیزوں کا امر ہوتا ہے جو خدا سے قریب کر دیں اور ان چیزوں سے منع کیا جاتا ہے جو خدا کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں۔ غرض خطبہ سے یہی مقصود ہے۔

جمعہ یوم عبادت ہے ۲۳ ویں خصوصیت یہ ہے کہ اس دن کو عبادت کے لئے خالی کر لیا جائے اور مختلف انواع کی عبادات (واجب، مستحب) ادا کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ملت کے لئے ایک دن ایسا ضرور رکھا ہے جس کو وہ عبادت ہی کے لئے خالی کر لیں اور امور دنیا سے علیحدہ رہیں۔ لہٰذا یوم جمعہ بھی مثل رمضان کے ہے اور اس کی ساعت اجابت مثل لیلۃ القدر کے ہے لہٰذا جس کا ایک جمعہ گناہوں سے اجتناب میں گزرا اس کا پورا ہفتہ گناہوں سے اجتناب میں گذرے گا اور جس کا رمضان گناہوں سے اجتناب میں گذرا اس کا پورا سال سالم گذرے گا اور جس کا حج گناہوں سے اجتناب میں گذرا اس کی عمر ایسی ہی گذرے گی۔ الحاصل یوم جمعہ ہفتہ بھر کے لئے میزان ہے اور رمضان سال بھر کی میزان ہے اور حج عمر بھر کی میزان ہے۔

جمعہ کی چوبیسویں خصوصیت یہ ہے جمعہ کی حیثیت ہفتہ میں اسی طرح ہے جیسا کہ عید کی حیثیت سال میں، اور نماز عید، قربانی، دونوں عبادت ہیں۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے یوم جمعہ کو یوم صلوٰۃ قرار دیا اور اسکے لئے (سعی الی الجمعہ) جلدی جلدی چل کر جانے کو قربانی کے درجہ میں رکھا۔ گویا جو شخص مسجد میں جلدی جلدی تیاری کر کے جا رہا ہے وہ گویا نماز اور قربانی دونوں کو جمع کر رہا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث سے ثابت ہے آنحضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔

> جو مسجد میں اول ساعت داخل ہوا اس نے گویا اونٹ کی قربانی کی۔ اور جو دوسری ساعت میں گیا اس نے گویا گائے کی قربانی کی۔ اور جو تیسری ساعت میں گیا اس نے گویا بھیڑ کی قربانی کی۔

فقہاء امت کا اختلاف اس ساعت مذکور کے متعلق فقہاء امت میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ ساعت شروع دن میں ہوتی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد نے اسی کو اختیار کیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ساعت زوال کے بعد چھٹی ساعت ہوتی ہے اسی کو امام احمد اور بعض اصحاب شافعی نے اختیار کیا ہے اور اس پر دو دلیلیں پیش کی ہیں۔ ایک یہ کہ الرواح یہ وقت بعد زوال ہی ہوتا ہے اور اس کے مقابل "الغدو" ہوتا ہے جس کا اطلاق قبل زوال پر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے غدوھا شہر و رواحھا شہر، جوہری نے بھی یہی کہا ہے کہ رواح، بعد زوال کو

کہتے ہیں۔ دوسری دلیل ہے کہ اسلاف کو نیکیوں سے بہت زیادہ رغبت تھی اس کے باوجود وہ سورج طلوع ہوتے ہی جمعہ کے لئے نہیں جاتے تھے چنانچہ امام مالک نے "التبکیر" سویرے جانے کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے۔

لم ندرك عليه اهل المدينة — ہم نے اہل مدینہ کو اس پر نہیں پایا۔

پہلے قول والے حضرات نے حضرت جابرؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم نے فرمایا ہے۔

يوم الجمعة اثنا عشر ساعة — جمعہ کے دن بارہ ساعت ہوتی ہیں۔

فقہائے بیان کیا ہے کہ ساعت کی دو قسم ہیں ساعت معتدلہ اور ساعت زمانیہ" چنانچہ حضور صلعم نے چھ ساعت کا تو ذکر کیا ہے اس سے زیادہ کا نہیں کیا۔ اگر ساعت کے اجزاء صغار بھی ہوتے تو پھر جمعہ چھ ساعت میں ہی منحصر نہ ہوتا۔ بخلاف اس صورت کے اگر ساعت مقررہ مراد لی جائے تو جب چھٹی ساعت ختم ہوگی ساتویں ساعت شروع ہو جائے گی۔ جب ہی امام نکل کر آتا ہے اور فرشتے اپنے صحیفۂ اعمال بند کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد کسی کیلئے کسی قربانی کا ثواب نہیں لکھا جاتا ہے[1]۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں مذکور ہے:۔

اذا كان يوم الجمعة غدت الشيطين	جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو شیاطین اپنے
برايا تها الى الاسواق فيرمون	جھنڈے لے کر بازاروں میں جاتے ہیں اور
الناس بالترابيث او الربائث و	لوگوں کو مکر و فریب میں مبتلا کرتے ہیں اور
يثبطونهم عن الجمعة وتغدوا	انھیں جمعہ سے روکتے ہیں اور فرشتے بھی صبح
الملائكة وفتجلس على ابواب المساجد	ہوتے ہی آتے ہیں اور مساجد کے دروازوں
فيكتبون الرجل من ساعة و	پر بیٹھ جاتے ہیں اور لوگوں کو ایک ساعت
الرجل من ساعتين حتى يخرج	میں دوسروں کو دوسری ساعت میں لکھتے
الامام	ہیں یہاں تک کہ امام آجاتا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا ہے اہل علم کا اس ساعت کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ ساعت سے مراد طلوع شمس سے اس کے صاف ہونے تک کا وقت ... ہے اس لئے ان حضرات کے نزدیک اس وقت جمعہ کے لئے جانا افضل ہے۔ یہی قول ثوری، امام ابو حنیفہ، امام شافعی کا ہے اور یہی اکثر علماء نے فرمایا ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں:۔

---

[1] غرض یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیث میں تین ساعتوں کا ذکر ہے ساعت اول میں اونٹ کی قربانی کا ثواب ملتا ہے الخ اس حدیث میں تین ساعتوں کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں بارہ ساعتوں کا ذکر ہے اور چھٹی ساعت کے بعد جمعہ ہوتا ہے۔ تو وہ تین ساعت کب سے شروع ہوتی ہیں اسی بنا پر فقہاء نے اختلاف کیا ہے۔ امام مالک نے اس کو تسلیم نہیں کیا کہ طلوع فجر سے ہی جامع مسجد میں جایا جائے اور دوسرے حضرات نے اس کو تسلیم کیا ہے۔

لو بکر الیہا بعد الفجر وقبل طلوع الشمس کان حسناً

اگر جمعہ کے لئے فجر کے بعد طلوع شمس سے قبل جائے تو بہت اچھا ہے۔

امام مالکؒ کے مسلک پر جرح

اثرم نے بیان کیا ہے کہ امام احمد سے پوچھا گیا کہ امام مالک نے فرمایا ہے کہ جمعہ کے لئے سویرے ہی جانا مناسب نہیں ہے۔ فرمایا یہ حضور صلعم کی حدیث کے خلاف ہے۔ "سبحان اللہ" انھوں نے یہ مسئلہ اس طرح کیوں بیان کر دیا حالانکہ حضور صلعم نے خود فرمایا ہے کہ جو اول وقت جائے وہ اونٹ کی قربانی کرنے والے کے مثل ہے۔

یحییٰ بن عمر نے حرملہ کا قول ذکر کیا ہے کہ انھوں نے ابن وہب سے ان ساعات کی تفسیر معلوم کی کہ کیا ان ساعات سے صبح سویرے ہی کی ساعات مراد ہیں یا بعد زوال کی ساعات مراد ہیں۔ انھوں نے فرمایا ان ساعات سے مراد زوال کے بعد کی ساعات ہیں یعنی زوال کے بعد کی پہلی، دوسری، تیسری ساعتوں میں جائے گا تو اسکو اتنا اتنا ثواب ملے گا نہ یہ کہ وہ ساعت صبح ہی سے شروع ہو جاتی ہیں چنانچہ میں نے امام مالک سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا

اما الذی یقع بقلبی فانہ انما اراد ساعۃ واحدۃ تکون فیہا ھذا الساعات من راح من اول تلک الساعۃ او الثانیۃ او الثالثۃ او الرابعۃ او الخامسۃ او السادسۃ ولو لم یکن کذالک ما صلیت الجمعۃ حتی یکون النہار تسع ساعات فی وقت العصر او قریبا من ذلک[1]

میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ ساعت سے مراد ساعت واحدہ ہی ہے اس میں ہی یہ تینوں ساعت ہوتی ہیں لہٰذا جو بھی زوال کے بعد ان میں سے پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی ساعت میں جائے اگر ایسا نہیں ہے تو میں جمعہ کی نماز نہ پڑھتا تاوقتیکہ دن کی نو ساعتیں نہ ہوتیں اور یہ وقت عصر کے قریب تر ہو جاتا ہے۔

ابن حبیب قول مالک کا انکار کرتے ہیں اور وہ پہلے قول کی طرف مائل ہیں اور فرماتے ہیں امام مالک کا قول حدیث کے مطلب میں تعریف کے مرادف ہے اور چند وجہ سے محال ہے کیونکہ ایک ساعت میں بہت سی ساعتیں ہونا ناممکن ہے اس لئے کہ سورج زائل ہوتے ہی چھٹی ساعت شروع ہو جاتی ہے اور وہی اذان کا وقت ہے اور اسی وقت امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے اس لئے معلوم ہوا کہ حدیث میں جن ساعات کا ذکر ہے وہ دن کی ساعتیں ہیں چنانچہ صاف ظاہر ہے من راح فی الساعۃ الاولی فکانما قرب بدنۃ الخ اس کے بعد پانچویں ساعت

---

[1] یحییٰ بن عمر..... سے لیکر یہاں تک رئیس احمد جعفری نے عبارت بالکل حذف کر دی ترجمہ تو کیا کرتے۔

میں بیضہ کا ثواب ملتا ہے پھر دوپہر ختم ہو جاتا ہے اور اذان کا وقت ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب نہایت واضح ہے امام مالک نے مطلب میں تحریف کی ہے اور دوسرا مطلب بیان کر دیا ہے۔ شارح حدیث کا زید اسی میں ہے کہ اسلاف کی سی تفسیر بیان کرے چنانچہ حضور صلعم نے تہجیر سے مراد اول نہار لیا ہے۔ امام مالک نے یہ مراد لیا کہ یہ ساعتیں ایک ہی ساعت میں موجود ہیں اور وہ زوال کے وقت سے شروع ہوتی ہیں اور تہجیر سے مراد اول نہار ہی ہے چنانچہ بہت سے آثار اس بارے میں موجود ہیں جن کو ہم نے کتاب واضح السنن میں بیان کیا ہے یہاں تک عبد الملک بن حبیب کا قول تھا۔

امام مالکؒ کی تائید میں

ابن عبد البر نے اس قول کا رد کیا ہے کہ ابن حبیب نے امام مالک پر زیادتی کی ہے جو ان کو اختلاف میں داخل کر لیا اور تحریف کا الزام ان پر عائد کر دیا بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ امام مالک کے قول کی تائید صحیح آثار اور ائمہ کے اقوال سے ہو رہی ہے پھر اہل مدینہ کا عمل بھی انکے سامنے ہے کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ ہر ہفتہ جمعہ کے دن انھوں نے اہل مدینہ کو دیکھا ہے۔

آثار میں تو یہ ہے جس کو زہری نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا

اذا کان یوم الجمعۃ قام علی کل باب	جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے ہر
من ابواب المسجد ملائکۃ یکتبون	دروازہ پر بیٹھ جاتے ہیں اور پہلے آنے والوں
الناس الاول فالمھجر الی الجمعۃ	کو لکھتے ہیں چنانچہ اول وقت دوپہر کو آنے
کالمھدی بدنۃ ثم الذی یلیہ کالمھدی	والے کو اونٹ قربان کرنے کا ثواب ملتا ہے پھر
کبشا حتی ذکر الدجاجۃ والبیضۃ	اس کے بعد والے کو گائے اور پھر اس کے بعد والے
فاذا جلس الامام طویت الصحف	کو دنبہ حدیہ ہے کہ آپ نے مرغی اور بیضہ کا بھی
واستمعوا الخطبۃ	ذکر کیا ہے جب امام بیٹھ جاتا ہے تو فرشتے اپنا

دفتر لپیٹ کر خطبہ سنتے ہیں

دیکھئے! اس حدیث میں سب سے پہلے دوپہر کو آنے والے کا ثواب مثل اونٹ کے قربان کرنے کے ہے، پھر اس کے بعد والے کو۔ لفظ تہجر الہاجرۃ سے ماخوذ ہے اور تہجیر جمعہ کے لئے جانا ہے اور یہ وقت طلوع شمس کا نہیں ہے کیونکہ اس وقت پر ہاجرہ یا تہجیر کا اطلاق نہیں ہوتا ہے پھر اس حدیث میں "ثم الذی یلیہ" کا تو ذکر ہے ساعت کا ذکر نہیں ہے علاوہ ازیں یہی الفاظ مختلف طرق سے منقول ہیں بعض احادیث میں المتعجل الی الجمعۃ (جمعہ کے لئے جلدی جانا) کا لفظ ہے اور اکثر میں المھجر کا لفظ موجود ہے۔ بعض احادیث میں الرائح الی الجمعۃ

کا لفظ ہے اور بعض احادیث میں الساعۃ الثانیۃ کا ذکر ہے۔ بعض اصحاب شافعی نے فرمایا ہے کہ حضور صلعم کی مراد اپنے ارشاد المہجر الی الجمعۃ "سے یہ ہے کہ جو لوگ اشغال دنیوی میں مشغول رہتے ہیں وہ محض جمعہ کو ادا کرنے کے لئے ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر جمعہ کے لئے آتے ہیں اس لئے کہ یہ لفظ "ہجرۃ" سے ماخوذ ہے اسی وجہ سے ، ہجرت کرنے والوں کو مہاجرین کہا جاتا ہے امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک تبکیر الی الجمعۃ افضل ہے یہاں تک ابن عبد البر کا کلام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تبکیر (اول نہار) کے انکار پر تین قول ہیں۔

تبکیر یا تہجیر

اول یہ ہے کہ لفظ "رواح" کا اطلاق بعد زوال ہی پر ہوتا ہے دوم یہ کہ لفظ "تہجیر" اس کا اطلاق دوپہر پر گرمی کی شدت کے وقت ہوتا ہے سوم یہ کہ اہل مدینہ کا عمل یہی تھا کہ وہ جمعہ کے لئے دن کے اول حصہ میں نہیں آتے تھے۔

جہاں تک رواح کا معاملہ ہے اس میں شک نہیں ہے کہ زوال کے گذرنے پر ہی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اکثر یہی استعمال ہے خصوصاً جب یہ "غد" کے ساتھ بولا جائے تب یہی معنی ہوں گے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

غدوھا شھر ورواحھا شھر — اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ کی [1]

حضور صلعم کا ارشاد گرامی ہے۔

من غدا الی المسجد وراح اعد اللہ لہ نزلا فی الجنۃ کلما غدا اوراح — جو آدمی صبح اور شام مسجد کی طرف چلا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بنائے گا جب بھی وہ صبح یا شام جائے۔

ایک شاعر نے بیان کیا ہے ؎

نروح ونغد ولحاجاتنا — ولاحلجۃ من عاش لا تنقضی

"رواح" کا اطلاق کبھی "جانے" پر بھی ہوتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب یہ لفظ تنہا مستعمل ہو اور غد کے ساتھ نہ ہو۔ ازہری نے تہذیب میں بیان کیا ہے کہ میں نے بعض عرب سے سنا ہے "رواح" ہر وقت کی سیر پر بھی بولا جاتا ہے چنانچہ جب کوئی جماعت جاتی ہے تو کہا جاتا ہے "راح القوم" چنانچہ "تروح" اور "روحوا" کا استعمال اخبار صحیحہ میں بھی بمعنی "سیر" بکثرت موجود ہے خلاصہ یہ ہوا کہ یہاں سیر الی الجمعۃ یعنی جمعہ کے لئے جانا مراد ہے نہ کہ شام کے وقت جانا۔

---

[1] حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہوا پر بھی قدرت دی تھی ان کا تخت ہوا میں اڑ کر شام سے یمن اور یمن سے شام چلا جاتا تھا اور یہ ایک ماہ کی مسافت تھی لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام صبح سے دوپہر تک اور پھر دوپہر سے شام تک اس مسافت کو طے کر لیتے تھے علامہ کا مقصد اس جگہ غدا اور رواح کے معنی بیان کرنا ہے۔

لفظ "تہجیر، ہجر، ہاجرہ" کے بارے میں جوہری نے کہا ہے کہ اس کا اطلاق نصف النہار پر ہوتا ہے خصوصاً جب گرمی تیز ہو جائے امرؤ القیس نے کہا ہے ؎

فدعھا وسل الھم عنھا بجسرة	ذیول اذا صام النہار وھجرا

عربی میں کہا جاتا ہے اتینا اھلنا مھجرین۔ ہم اپنے اہل میں دوپہر کے وقت آئے۔ چنانچہ اسی بنا پر تہجیر دوپہر کے وقت چلنے کو کہتے ہیں یہی اہل مدینہ کا مسلک ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ جو کلام رواح کے بارے میں ہے وہی تہجیر کے بارے میں بھی ہے چنانچہ رواح بول کر تبکیر مراد ہوتی ہے۔ ازہری نے کہا ہے۔ امام مالک نے سمی عن ابی صالح عن ابی ہریرہ روایت کیا ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

لو یعلم الناس ما فی التھجیر	اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے تہجیر میں کیا اجر
لا ستبقوا الیہ	ہے تو وہ اسکے لئے ضرور پیش قدمی کریں

ایک دوسری حدیث میں یہ ہے کہ جمعہ کے لئے دوپہر کو جانے والا مثل اونٹ کی قربانی کرنے والے کے ہے بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان احادیث میں تہجیر کا لفظ "ہاجرہ" سے ماخوذ ہے جسکے معنی وقت زوال کے آتے ہیں اور یہ غلط ہے۔ صحیح یہ ہے جس کو ابو داؤد مصاحفی اور نضر بن شمیل نے کہا ہے کہ تہجیر الی الجمعہ کے معنی تبکیر یعنی سویرے جانے کے ہیں انھوں نے فرمایا کہ میں نے خلیل[1] سے اس حدیث کی تفسیر میں یہی سنا ہے۔ ازہری نے بھی یہی کہا ہے اور اس کو اہل حجاز کی زبان قرار دیا ہے۔ بسید شاعر نے کہا ہے۔ ع

راح القطین بھجر بعد ما ابتکر

بیان، ہجر کا ابتکار کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ اہل حجاز کے نزدیک رواح کے معنی "جانے" تک کے آتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے "راح القوم جب وہ سیر کو جائیں" اور اس کے لئے کسی وقت کی پابندی نہیں ہے اور حضور صلعم کے ارشاد گرامی "لو یعلم الخ" کا مطلب تمام نمازوں کے لئے جلد جانا ہے۔ ازہری نے کہا ہے تمام اہل عرب "ہجر الرجل" اس وقت بولتے ہیں جب کوئی دوپہر کو جائے۔ ابو عبیدہ نے ابو زید سے یہی روایت کیا ہے کہ وہ نصف نہار کا وقت ہے۔ ازہری نے کہا ہے، مندری نے اپنے اشعار میں کہا ہے۔

ھل تذکرین قسمی و تدری	ازمان انت بعروض الجفر
اذا انت مضواجواد الخضر	علی ان لم تنھضی بوقر
بار لعین قدرت بقدری	بالخالدی لا یضاع حجر
وتصحبی ایا نقا فی سفری	یھجرون بھجیر الفجر

---

[1] مراد خلیل بن احمد مشہور نحوی و اہل لغت ہیں۔

ثمت تسری لیلھم فتسری   تطوی اثار الفجاج الغبر

طی اخی التجر یرون التجر

(ان اشعار میں شعر ۲ کے آخری مصرعہ سے استدلال مقصود ہے جس کو ازہری کے حوالہ سے سطور ذیل میں درج کیا جا رہا ہے)

ازہری نے کہا ہے مصرعہ "یہجرون بہجیر الفجر" کے معنی فجر کے وقت سویرے جانا ہیں" رہا اہل مدینہ کا عمل یہ زیادہ سے زیادہ امام مالک کے زمانے میں ہوگا اور یہ کوئی دلیل نہیں ہے خصوصًا ان لوگوں کے نزدیک جو صرف اہل مدینہ کے اجماع کو حجت قرار نہیں دیتے۔ پھر امام مالک کے قول سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل مدینہ ضرورۃً ابتکار کو ترک کر دیتے تھے اور یہ جائز ہے کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی اور اپنے اہل و عیال کے دینی اور دنیاوی مصالح میں مشغول ہوتا ہے جو کہ (بعض دفعہ) جمعہ کے لئے جلد جانے سے افضل ہوتے ہیں۔

ایک عجیب استدلال

اس میں شک نہیں ہے کہ نماز کے بعد نماز کا انتظار اور آدمی کا نماز کے بعد اپنی جگہ دوسری نماز کے لئے بیٹھے رہنا اس کے آنے جانے سے افضل ہے جیسا کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔

والذی ینتظر الصلوۃ ثم یصلیھا	جو آدمی نماز کا انتظار کرتا ہے پھر امام کے
مع الامام افضل من الذی یصلی	ساتھ نماز پڑھتا ہے یہ افضل ہے اس سے
ثم یروح الی اھلہ	کہ وہ نماز پڑھ کر گھر چلا جائے۔

یہ بھی حدیث ہے کہ جب تک نمازی نماز پڑھ کر اپنی جگہ بیٹھا رہتا ہے فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور یہ بھی حدیث ہے نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنے سے خطا معاف ہوتی ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں اور بمنزلہ رباط[۱] کے ہے۔ حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے اس آدمی کا فخریہ ذکر کرتا ہے جو نماز ادا کرنے کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے، یہ تمام چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز صبح پڑھ کر جمعہ

---

[۱] رباط وہ فوجی چوکیاں جو دارالاسلام کی حدود پر اسلامی ملک کی حفاظت کیلئے بنائی جاتی ہیں۔ ان چوکیوں کے محافظ سپاہی ہر وقت جہاد کا ثواب حاصل کرتے ہیں خواہ وہ سوتے ہی کیوں نہ رہیں کیونکہ ان کے قیام کی وجہ سے دارالاسلام کی حفاظت ہوتی ہے ایسے ہی نمازی نماز پڑھ کر جب بیٹھ جاتا ہے تو اس کا دین اور ایمان بالکل محفوظ ہوتا ہے کیونکہ باہر جانے کی صورت میں شیطان گھات میں رہتا ہے کب باہر آئے اور کب وہ اس پر حملہ کرے۔ گویا اس نمازی کا بیٹھا رہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ محافظ دستہ سرحدی چوکی پر ہوتا ہے

کے لئے بیٹھا رہنا یہ اس سے افضل ہے کہ آدمی چلا جائے اور پھر جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے آئے۔ اور اہل مدینہ ایسا نہیں کرتے تھے اور یہ مکروہ بھی نہیں ہے۔ اسی پر جمعہ کے لئے اول وقت صبح کو سویرے آنے کو قیاس کر لینا چاہیئے۔[1]

جمعہ کے دن صدقہ کرنا

پچیسویں خصوصیت یہ ہے کہ اس دن صدقہ کرنا، ہفتہ کے اور دنوں کے مقابلے میں افضل ہے جیسا کہ رمضان المبارک میں صدقہ کرنا بقیہ مہینوں کے مقابلہ میں افضل ہے۔ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو دیکھا ہے کہ وہ جب جمعہ کے لئے تشریف لاتے تھے تو گھر میں جو کچھ ہوتا تھا اس کو خیرات کر دیتے تھے۔ میں نے ان سے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں حضور صلعم سے مناجات کرنے سے پہلے صدقہ کا حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے سے قبل تو صدقہ اور بھی افضل ہے۔[2]

احمد بن زہیر نے عن مجاہد عن ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ رضؓ اور حضرت کعب رضؓ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ یہ دونوں صاحب ایک دن جمع ہوئے تو حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک ساعت ایسی ہے (یہ حدیث بہت مرتبہ گذر چکی ہے اس کے آخر کے الفاظ یہ ہیں)

الصدقة فيه اعظم من الصدقة	اس دن صدقہ کرنا تمام ایام کے مقابلہ میں
فی سائر الايام ولم تطلع الشمس	افضل ہے اور جمعہ کے دن کی برابر افضل دن
ولم تغرب على مثل يوم الجمعة	پر سورج کا طلوع وغروب نہیں ہوا۔

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس اس دن خوشبو ہو تو ضرور لگانا چاہیئے۔

تجلی رب کا دن

۲۶ ویں خصوصیت یہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ جمعہ کے دن اپنے دوستوں کو اپنی تجلی دکھلائے گا۔ اس دن اللہ تعالیٰ سے وہی زیادہ قریب ہوں گے جو امام سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اور وہی زیارت میں سبقت کریں گے جو جمعہ کیلئے آنے میں سبقت کرتے ہیں، یحییٰ بن یمان نے بسند متصل حضرت انس بن مالک رضؓ کا قول اس آیۃ مبارکہ کے بارے میں نقل کیا ہے۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ جو جتنی جلدی آئے گا وہی زیادہ فضیلت کا مستحق ہو گا۔

[2] غالباً ابن تیمیہ کا اشارہ اس آیت کی طرف ہے یا ایها الذين امنوا اذا ناجيتم الرسول فقدموا بين يدى نجواكم صدقة الآیۃ ایمان والو جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو پہلے صدقہ کیا کرو، یہ آیت اس وجہ سے نازل ہوئی تھی کہ منافقین اپنی جھوٹی خیر خواہی جتلانے کیلئے ایسے ہی بعض مسلمان غیر اہم باتوں میں آپ سے سرگوشی کرنے میں وقت بہت ضائع کرتے تھے۔ جب آیت نازل ہوئی تو منافقین اپنے بخل کیوجہ سے رک گئے، بعد میں یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا فاذ لم تفعلوا وتاب الله عليكم فاقيموا الصلوٰة واتوا الزكوٰة الآیۃ جب تم سے یہ نہ ہو سکا اور اللہ نے بھی معاف کر دیا تو اب نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ کیا علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم سے یہ دریافت کیا جا سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے کیلئے پہلے صدقہ ادا کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ علامہ کا خیال ہے تو پھر نماز پنجگانہ کو اس خصوصیت سے کیوں محروم کیا گیا۔

ولدینا مزید　　　　اور ہمارے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔

اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی تجلّی ہے۔ طبرانی نے اپنی معجم میں ابو نعیم المسعودی کی حدیث نقل کی ہے فرماتے ہیں حضرت عبداللہ نے بیان فرمایا کہ جمعہ کے لئے جلدی کیا کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں ہر جمعہ کو جنتیوں کے لئے تجلّی فرمائیں گے اور ان کے ساتھ نہایت اعزاز سے پیش آئیں گے (یہ حدیث گذر چکی ہے) یہ بیان فرماتے ہوئے جناب عبداللہ مسجد میں داخل ہو گئے تو دو آدمی اور بیٹھے ہوئے تھے اور یہ تیسرے تھے فرمایا میں تیسرا ہوں اور انشاء اللہ تیسرے میں برکت ہے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود رض کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ جب داخل ہوئے تو تین آدمی ان سے پہلے آئے ہوئے تھے۔ فرمایا چوتھا تو بہت دور ہوتا ہے اس کے بعد فرمایا کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے قریب اسی اعتبار سے ہوں گے جس اعتبار سے جمعہ کے لئے آتے ہیں۔ پہلے اول، پھر دوسرا، پھر تیسرا، پھر چوتھا اور چوتھا تو بہت دور ہے۔ دار قطنی نے حضرت انس بن مالک رض کی حدیث نقل کی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	حضور صلعم نے ارشاد فرمایا جب قیامت کا
اذا کان یوم القیامۃ رائی المومنون	دن ہوگا تو مومنین اپنے رب کو دیکھیں گے ان
ربھم فاحدثھم عیدًا بالنظر الیہ	میں سب سے اول وہ ہیں جو جمعہ کیلئے سویرے آئے
من بکر فی کل جمعۃ وتراہ المومنات	اور مومنہ عورتیں اللہ تعالیٰ کو ہر عید الفطر اور
یوم الفطر و یوم النحر	اور یوم نحر کو دیکھیں گی۔[1]

حضرت ابن مسعود رض کی ایک حدیث اور ہے جس میں یہ ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل ع آئے اور ان کے ہاتھ میں سفید آئینہ کی طرح کوئی چیز تھی جس میں ایک سیاہ نقطہ لگا تھا (یہ حدیث بعینہٖ چند مرتبہ گذر چکی ہے) اس حدیث کے متعدد طرق ہیں جنکو ابو الحسن دار قطنی نے کتاب الرویۃ میں ذکر کیا ہے۔

یوم شاہد و مشہود　ستائیسویں خصوصیت یہ ہے کہ اس دن کا نام یوم شاہد ہے جس کی قسم اللہ تعالیٰ نے کھائی ہے[2] چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رض نے فرمایا ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا:۔

---

[1] یہ حکمت سمجھ میں نہ آئی کہ عورتوں کو سال میں صرف دو مرتبہ تجلّی کیوں دکھائی جائیگی؟ بظاہر اسی حدیث سے یہ حدیث متعارض معلوم ہوتی ہے کیونکہ آئندہ حدیث میں یہ ظاہر ہے کہ جنتی عورتوں کو ہر جمعہ کو انکے منازل میں ہی یہ تجلّی دکھائی دیگی۔ چنانچہ جب مرد وادیٔ مزید سے واپس ہونگے تو وہ زیادتی نورانیت کی وجہ سے اپنی ازواج کو شناخت نہ کر پائیں گے اسی طرح انکی بیویاں بھی ان کو شناخت نہ کر پائینگی اس صراحت اور صحیح احادیث کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ دار قطنی کی یہ حدیث ضعیف ہے واللہ اعلم

[2] سورۂ بروج میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے والسماء ذات البروج والیوم الموعود وشاھد ومشھود۔ اس آیت میں بعض مفسرین نے یوم شاہد سے مراد یوم جمعہ لیا ہے۔ واللہ اعلم

یوم موعود سے مراد یوم قیامت اور یوم مشہود سے مراد یوم عرفہ اور یوم شاہد سے مراد یوم جمعہ ہے
سورج نے یوم جمعہ سے زیادہ افضل دن پر نہ طلوع کیا اور نہ غروب کیا اس میں ایک ساعت
ایسی ہے۔ الخ

حارث بن ابی سلمہ نے ربیع بن موسیٰ سے بھی یہ روایت ذکر کی ہے معجم طبرانی میں یہ حدیث اسماعیل بن
عیاش کی سند سے مذکور ہے آخر میں اتنا اضافہ اور ہے۔

شاہد یوم جمعہ ہے اور مشہود یوم عرفہ ہے اور یوم جمعہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت
بنایا ہے اور صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ عصر ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضؓ کی تفسیر ہے چنانچہ امام احمد نے جس میں عمار مولیٰ بنی ہاشم نے
کہا ہے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے سنا ہے وہ اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے تھے کہ شاہد سے مراد یوم جمعہ ہے۔

خوف کا دن

اٹھائیسویں خصوصیت یہ ہے کہ اس دن سے انسان اور جنات کے علاوہ تمام مخلوق
خائف رہتی ہے[1]۔ (چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضؓ اور حضرت کعب رضؓ کی ملاقات والی حدیث
اوپر گذر چکی ہے) اور اسی کے ساتھ حضرت ابن عباس رضؓ نے بھی ایک حدیث بیان کی ہے (یہ حدیث بھی گذر چکی ہے)

۲۹ ویں خصوصیت یہ ہے کہ اس دن کو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لئے ذخیرۂ آخرت بنایا ہے اور
اہل کتاب اس فضیلت کو حاصل نہیں کر سکے ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضؓ کی حدیث ہے جناب
رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا

جمعہ سے بہتر دن پر سورج نے نہ طلوع کیا اور نہ غروب کیا اللہ تعالیٰ نے اس کیلئے ہمیں ہدایت
دی۔ اور دوسرے لوگ گمراہ ہوگئے۔ اور تمام انسان اس بارے میں ہم سے پیچھے ہیں۔ جمعہ ہمارا
دن ہے یہود کیلئے ہفتہ کا دن ہے اور نصاریٰ کیلئے اتوار کا دن ہے۔

دوسری حدیث میں ذخیرہ کا لفظ بھی آیا ہے یعنی اس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ذخیرہ بنایا ہے۔ امام
احمد نے ایک اور حدیث بیان کی ہے۔

یہود و نصاریٰ کا حسد

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور صلعم کے پاس تھی کہ ایک
یہودی نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ جب وہ اندر آیا تو
اس نے السام علیک کہا[2]۔ آپ نے ارشاد فرمایا وعلیک۔ اس کے بعد دوسرا آدمی آیا اور اس نے

---

[1] وجہ غالباً اسکی یہ معلوم ہوتی ہے کہ جنات اور انسان ایمان بالغیب کے مکلف ہیں اسلئے اس دن میں پیش آنے والے مغیبات ان سے پوشیدہ رکھے گئے ہیں ان کے علاوہ دوسری مخلوق کے سامنے وہ مغیبات منکشوف ہوتے ہیں اس وجہ سے وہ خائف رہتے ہیں۔ واللہ اعلم [2] یہ کلمہ بددعا کا ہے یعنی تمہارے اوپر موت طاری ہو۔

بھی السام علیکم کہا تو میں نے کہا بلکہ علیکم غضب اللہ۔ اے سور اور بندروں کی اولاد کب تم رسول اللہ صلعم پر ایسے الفاظ کے ساتھ سلام بھیجتے ہو کہ جن الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے سلام نہیں بھیجا۔ حضور صلعم نے میری طرف دیکھا اور خاموش رہنے کو فرمایا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ فحش کلامی کو پسند نہیں کرتا۔ انھوں نے ایک بات کہی ہے جس نے ہم کو کوئی نقصان نہیں پہونچایا۔ اور یہ بات ان کے لئے لازم ہوگئی ہے کہ یوم جمعہ کی وجہ سے جو فضیلت ہم کو ملی ہے اس پر یہ حسد کرتے ہی رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے ہمیں ہدایت دی اور ان کو گمراہ کر دیا دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ جس چیز پر حسد کرتے ہیں وہ امام کے پیچھے آمین کہنا ہے[۱]

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رض کی حدیث ہے جس میں ارشاد گرامی ہے:۔

نحن الاٰخرون السابقون یوم القیامۃ بید انھم اوتوا الکتٰب من قبلنا واوتیناہ من بعدھم فھذا یومھم الذی فرض اللہ علیھم فاختلفوا فیہ فھدانا اللہ لہ والناس لنا فیہ تبع الیھود غداً والنصاریٰ بعد غدٍ	ہم بعد میں آنے والے ہیں لیکن قیامت میں سابق ہیں۔ بجز اس کے کہ ان کو ہم سے قبل کتاب ملی ہے اور ہم کو ان سے بعد میں ملی ہے پس یہ ان کا دن تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا تھا مگر وہ اختلاف میں پڑ گئے ہمیں اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ہدایت دی لہٰذا لوگ اس بارے میں ہمارے تابع ہیں، یہود کل اور نصاریٰ کل کے بعد پرسوں کو[۲]

لفظ "بید" میں دو لغت ہیں ایک "با" کے ساتھ اور یہی مشہور ہے دوسرے میدہ میم کے ساتھ اس کو ابو عبیدہ نے بیان کیا ہے۔ پھر یہ کلمہ دو معنی میں مستعمل ہے ایک تو بمعنی "غیر" اور دوسرے بمعنی "علی ان" ابو عبیدہ نے اس کے لئے ایک دلیل پیش کی ہے۔

عمداً فعلت ذالك بید انی ... اخال لو ھلکت لن ترنی

ترنی، تفعلی کے وزن پر ہے "الرنین" سے ماخوذ ہے (اس شعر میں بید بمعنی "علی ان" ہے)

ہفتہ کا افضل دن

تیسویں خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ رمضان المبارک کو مہینوں پر اور لیلۃ القدر کو تمام راتوں پر اور حضور صلعم کو تمام رسولوں پر اور مکہ کو تمام

---

[۱] حضرت ابو ہریرہ رض کی روایت ہے فانہ من وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ماتقدم من ذنبہ یعنی جسکے آمین کہنے کی فرشتوں کے ساتھ موافقت ہوگئی اسکے گذشتہ گناہ معاف ہوجائینگے [۲] اس حدیث کا مطلب گذر چکا ہے۔

شہروں پر فوقیت دی ہے ایسے ہی جمعہ کو ہفتہ کے دنوں پر فوقیت دی ہے۔ آدم بن ابی ایاس نے بسند متصل حضرت کعبؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے مہینوں میں سے رمضان کو اور دنوں میں سے جمعہ کو اور راتوں میں سے لیلۃ القدر کو اور ساعات میں سے نماز کی ساعت کو پسند فرمایا ہے۔

جمعہ ایک ہفتہ اور مزید تین جمعوں تک گناہوں کا کفارہ ہے۔ رمضان سال بھر کے اور حج دوسرے حج تک کے لئے اور عمرہ دوسرے عمرہ تک کے لئے کفارہ ہے یعنی اس درمیان میں جو گناہ ہوں گے ان کے لئے یہ اعمال کفارہ ہیں۔ اور اگر اس درمیان میں اس کا انتقال ہو گیا تو دو نیکیوں کے درمیان انتقال ہوتا ہے جس میں حسن ابتدا اور حسن خاتمہ ہے۔ ایک تو وہ جو ادا کر چکا ہے اور ایک وہ جس کا انتظار ہے۔ شیاطین رمضان میں مقید کر دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور تمام رمضان اعلان ہوتا رہتا ہے۔ اے نیکی کے طالب ادھر آ۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک عشرہ اخیرہ کی راتوں سے زیادہ محبوب کوئی رات نہیں ہے۔

یوم الملاقات

۳۱ویں خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ کے دن مردوں کی روحیں اپنی قبور (اجساد) سے متصل ہوتی ہیں اور اپنی زیارت کرنے والوں اور اپنے پاس (قبور) سے گزرنے والوں اور سلام کرنے والوں کو شناخت کرتی ہیں۔ یہ ملاقات یا شناخت دوسرے ایام کے مقابلہ میں زیادہ واضح ہوتی ہے[1]۔ اسی طرح جمعہ کا دن مردوں اور زندوں کی ملاقات کا دن ہے لہٰذا جب قیامت قائم ہوگی

آداب زیارت قبور

[1] اس سے زیارت قبور کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے لہٰذا ذرا تفصیل سے اس مسئلہ کو ذکر کیا جاتا ہے حنفیہ کے نزدیک بھی زیارت قبور کیلئے جمعہ کا دن افضل ہے۔ زائر کو چاہیئے کہ جب قبرستان میں داخل ہو تو "السلام علیکم" کہے اور قبر کے قریب اس سے لحاظ سے کھڑا ہو جس مرتبہ کا صاحب قبر ہے۔ قبر کے پاس جب جائے تو پیروں کی طرف سے داخل ہو نہ کہ سر کی طرف سے۔ قبر کو چھونا، بوسہ دینا، اس کا طواف کرنا بالکل حرام ہے۔ قبر کے قریب بیٹھنے میں اختلاف ہے۔ صاحب در مختار اور دوسرے فقہاء جائز قرار دیتے ہیں لیکن حافظ بدرالدین عینی بنایہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

لا یقعد الزائر عند القبر المیت یستقبل القبلۃ — زائر قبر کے پاس نہ بیٹھے اور میت کیلئے دعا کے وقت مستقبل قبلہ ہو جائے۔

وجہ اس کی غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ تعبد اصنام سے مشابہت نہ ہو جائے۔ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ دعا کے وقت مستقبل قبلہ ہونا چاہیئے۔ قبر کی طرف سے پشت یا دائیں طرف یا بائیں طرف۔ سامنے نہ ہو۔ شوافع قبرستان میں جوتا پہن کر جانے کو منع کرتے ہیں۔ حنفیہ حضرات فرماتے ہیں "لا باس بہ" یعنی اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عورتوں کا قبرستان میں جانا حرام ہے۔ اسی طرح اعراس کے وقت مزارات پر حاضری ناجائز ہے۔ حضرت گنگوہیؒ "زیارت قبور کے لئے قصداً سفر کرنے کو غیر محتاط فرماتے ہیں۔"

واللہ اعلم۔ البنایہ ص۱۱۳۔ الدر مختار ص۶۶۳۔ حاشیہ طحطاوی ص۳۷۶۔ فتاویٰ رشیدیہ، تذکرۃ الرشید۔

(تو وہ بھی جمعہ کا دن ہوگا) وہ دن بھی اولین وآخرین، اہل آسمان اور اہل زمین، عبد اور معبود اور عامل و عمل ظالم و مظلوم اور چاند و سورج کی ملاقات کا دن ہے۔ جو اس سے پیشتر میسر نہیں تھی اسی وجہ سے اسکو یوم الملاقات کہا جاتا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے "کتاب المنامات" میں عاصم جحدری کے دوستوں میں سے کسی کا واقعہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے عاصم کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا، کیا آپ کا انتقال ہوگیا ہے کہا۔ ہاں۔ پھر آپ کہاں ہیں، فرمایا میں دیکھا کہ میں جنت کے باغوں میں ہوں۔ میں اور میرے بعض دوست شب جمعہ کو اور اس کی صبح سے لیکر اگلے دن تک (ہفتہ کی صبح تک) ایک ساتھ رہتے ہیں، ابن عبد اللہ المزنی کہتے ہیں میں نے دریافت کیا تمہارے اجسام ملتے ہیں یا ارواح، فرمایا اجسام تو گل سڑ گئے ارواح کی ملاقات ہوتی ہے۔ پھر پوچھا آپ لوگ جب ہم قبور پر زیارت کو جاتے ہیں تو شناخت کرتے ہو۔ فرمایا ہاں۔ اور یہ معاملہ صرف شب جمعہ اور جمعہ کے دن اور ہفتہ کے دن سورج نکلنے تک رہتا ہے۔ اور یہ یوم جمعہ کی عظمت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے محمد بن واسع کا ایک واقعہ اور ذکر کیا ہے کہ وہ ہر ہفتہ کی صبح کو جنگل جاتے اور قبروں کے پاس ٹھہرتے ان پر سلام پڑھتے اور ان کے لئے دعا کرتے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ ہفتہ کے دن ہی ایسا کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا۔ مردے اپنے زیارت کرنے والوں کو جمعہ کے دن سے ایک دن قبل اور ایک دن بعد تک جانتے ہیں، سفیان ثوری نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت ضحاک نے ارشاد فرمایا۔

من زار قبرا یوم السبت قبل	جس نے ہفتہ کے دن طلوع شمس سے قبل کسی
طلوع الشمس علم المیت بزیارته	قبر کی زیارت کی تو میت کو اسکا علم ہو جاتا ہے

یہ اس وجہ سے کہ جمعہ کے دن سے ہفتہ کا دن متصل ہے۔

جمعہ کا دن کا روزہ

۳۲ ویں خصوصیت یہ ہے کہ تنہا جمعہ کا روزہ رکھنا مکروہ[۱] ہے، یہی امام احمد نے فرمایا ہے، اثرم کہتے ہیں ابو عبد اللہ سے جمعہ کے دن کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے حدیث بیان کی جس میں تنہا جمعہ کے دن کے روزہ کی ممانعت[۲] ہے، اس کے بعد فرمایا اگر یوم جمعہ کو روزے کی عادت ہے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس کے بعد میں نے پھر پوچھا کہ ایک شخص ہے اس کو ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کی عادت ہے اتفاق سے افطار کا دن پنجشنبہ

---

[۱] [۲] جمعہ کے روزہ کی ممانعت یا کراہت غالباً اسی نقطہ نظر سے بیان کی ہے تاکہ اس دن اہتمام جمعہ میں خلل واقع نہ ہو۔ (جیساکہ آئندہ سطور میں بھی اس طرف اشارہ ہے) لیکن یہ دلیل اس وجہ سے کمزور ہے کہ رمضان المبارک میں بھی تو جمعہ واقع ہوتے ہیں۔ ہاں یہ دلیل زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے کہ لوگوں کے دلوں سے ایام پرستی کو ختم کرنا ہے تاکہ لوگ صرف جمعہ ہی کو روزے کے لئے خاص نہ کرلیں جس سے یوم جمعہ کا روزہ ایام مسنونہ میں شمار ہونے لگے۔ واللہ اعلم

پڑا اور روزہ کا دن جمعہ پڑا تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہ بھی مکروہ نہیں ہے۔ مکروہ تو اس وقت ہے کہ صرف جمعہ ہی کا دن خاص کر کے اسی دن رکھے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے بقیہ دنوں کی طرح اس دن کا روزہ بھی مباح قرار دیا ہے۔ میں نے اہل علم اور اہل فقہ میں سے کسی سے نہیں سنا کہ انھوں نے تنہا جمعہ کے دن کو مکروہ قرار دیا ہو بلکہ جمعہ کے دن کا روزہ تو اچھا ہے میں نے بعض اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ جمعہ کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ ابن عبدالبر نے فرمایا ہے اس بارے میں آثار اور احادیث مختلف ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

ان النبی صلعم کان یصوم ثلاثۃ	حضور صلعم ہر مہینہ میں تین دن کے روزے
ایام من کل شھر وما رایتہ مفطراً	رکھا کرتے تھے میں نے ان کو جمعہ کو افطار
یوم الجمعۃ	کرتے نہیں دیکھا

یہ حدیث صحیح ہے۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں نے حضور صلعم کو جمعہ کے دن روزے سے دیکھا ہے اس کو ابن ابی شیبہ نے بسند متصل ذکر کیا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم جمعہ کا پابندی سے روزہ رکھا کرتے تھے۔ امام مالک نے اس حدیث کو محمد بن المنکدر سے روایت کیا ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ حدیث صفوان بن سلیم سے مروی ہے۔ دراوردی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت اس طرح نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا

من صام یوم الجمعۃ کتب لہ عشرۃ	جس نے جمعہ کے دن کا روزہ رکھا اسکے لئے آخرت
ایام غرر زھر من ایام الآخرۃ	کے دس دن نہایت منور لکھے جائیں گے جو
لا یشا کلھن ایام الدنیا	دنیا کے ایام کی مثل نہ ہوں گے۔

جمعہ کے دن کے روزے میں فضیلت یہ ہے کہ یہ ایک نیک کام ہے جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو اس وقت تک اس سے انکار مناسب نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کے خلاف صحیح دلیل موجود ہے جس پر کوئی طعن بھی نہیں ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث شریف ہے۔ ابن عباد فرماتے ہیں۔

سالت جابراً انھی رسول اللہ صلے	میں نے حضرت جابرؓ سے دریافت کیا کیا
اللہ علیہ وسلم عن صیام یوم الجمعۃ	حضور صلعم نے جمعہ کے روزہ سے منع کیا ہے
قال نعم	فرمایا ہاں

صحیح میں یہ حدیث اس طرح ہے۔ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے بحالت طواف سوال کیا کہ کیا حضور صلعم نے جمعہ کے روزے سے منع فرمایا ہے؟ فرمایا ہاں رب کعبہ کی قسم منع فرمایا ہے[1]۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت

---

[1] مقصد اس واقعہ سے روایت کی قوت اور صحت کا اظہار ہے کیونکہ محدثین کے یہاں یہ قاعدہ ہے کہ اگر راوی حال کو بیان کر کے روایت کرے تو یہ اسکے صحت حفظ کی دلیل ہے اس حدیث میں مزید یہ ہے کہ قسم بھی کھائی ہے۔

ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا

لا یصومن احدکم یوم الجمعۃ الا ان یصوم یوماً قبلہ او یوما بعدہٗ — تم میں سے کوئی جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے مگر اس طرح کہ ایک دن قبل یا ایکدن بعد بھی اس میں شامل کرے۔

یہ الفاظ بخاری شریف کے ہیں، امام مسلم نے اس کو اس طرح بیان کیا ہے "شب جمعہ ہی کو قیام کے لئے یوم جمعہ ہی کو روزہ کے لئے مخصوص نہ کرو۔ البتہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ دن روزہ کا پڑ جائے۔ صحیح بخاری میں جویریہ[1] بنت حارث کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ جمعہ کے دن حضور صلعم میرے یہاں تشریف لائے اور میں روزے سے تھی آپ نے فرمایا تم نے کل روزہ رکھا تھا۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا کل رکھوگی۔ عرض کیا نہیں۔ تب آپ نے ارشاد فرمایا تو ابھی افطار کر لو[2]۔ مسند احمد میں حدیث ہے آپ نے ارشاد فرمایا

لا تصوموا یوم الجمعۃ وحدہٗ — تنہا یوم جمعہ کا روزہ نہ رکھو

مسند احمد میں جنادہ ازدی سے ایک حدیث اور ہے فرماتے ہیں کہ میں قبیلہ ازد کے سات آدمیوں کے ساتھ حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اسوقت ناشتہ تناول فرمارہے تھے۔ آپ نے ہم سے کھانے کے لئے فرمایا تو ہم نے عرض کر دیا ہمارا روزہ ہے۔ تب آپ نے فرمایا "کیا تم نے کل روزہ رکھا تھا عرض کیا نہیں۔ فرمایا کل کو رکھوگے عرض کیا نہیں۔ تب آپ نے فرمایا ابھی افطار کر دو"، چنانچہ ہم نے حضور صلعم کیساتھ کھانا کھایا۔ اسکے بعد آپ مسجد میں تشریف لائے۔ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور پانی منگا کر سب کے سامنے پیا[3]، سب لوگ آپکو

---

[1] حضرت جویریہ رضہ امہات المومنین میں سے ہیں۔ یہود خیبر کے سردار کی بیٹی ہیں۔ قوم بنی اسرائیل سے ان کا تعلق تھا۔ غزوہ خیبر میں مسلمان ہو کر امہات المومنین میں داخل ہوئیں، حضور صلعم نے قوم بنی اسرائیل کے اس تصور کی تردید کر دی کہ جس طرح وہ یوم سبت کی تعظیم عبادت کے لئے نہیں بلکہ اعتقاداً کرتے ہیں تو یہ غیر اسلامی تصور ہے۔ اسلام میں اگر کسی دن کو عظمت حاصل ہے تو وہ عبادت کی وجہ سے ہے محض یوم کو "یوم" کے درجہ میں ماننا یہ مشرکانہ تصور ہے اور آج کل مغربی تہذیب اور جمہوریت کا شعار بھی ہے۔ اسی یوم کی صورت اہل بدعت کے یہاں اعراس اور میلاد کی صورت میں منائی جاتی ہے جس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے افسوس کہ موجودہ نام نہاد علماء اس مشرکانہ اور مغربی تہذیب میں بہت بری طرح گرفتار ہیں اور دوسری قوموں کے اطوار کو اختیار کر رہے ہیں۔ [2] افطار کرا کر مذکورہ غیر اسلامی طریقہ کی تردید فرما دی۔

[3] اس جگہ بھی مذکورہ عقیدہ کی تردید ہے تاکہ مسلمان کسی مخصوص دن کی پوجا میں گرفتار ہو کر شرک کی راہ پر نہ جا پڑیں۔ و نیز یہ بھی غرض ہو سکتی ہے کہ مسلمان جمعہ کے روزے کو فرض یا واجب کا درجہ نہ دے دیں اور ان کے یہ ذہن نشین ہو جائے کہ مباح وہی ہے جس کو کبھی نہ کیا۔ اگر مباح پر پابندی کی جائے گی تو واجب کی صورت اختیار کر کے بدعت کے حکم میں آجائے گا جس کا ترک ضروری ہوگا۔ فتاوی الحامدیہ ص ۳۳۳ ج ۲

دیکھ رہے تھے کہ آج جمعہ کے دن حضور صلعم نے روزہ نہیں رکھا۔ اس عمل سے آپ نے لوگوں کو بتلا دیا کہ جمعہ کے دن روزہ نہیں رکھا ہے۔

مسند امام احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ کی حدیث ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آپ نے ارشاد فرمایا یوم جمعہ عید کا دن ہے
یوم الجمعۃ یوم عید فلا تجعلوا یوم	لہٰذا تم اپنی عید کے دن کو روزہ کا دن نہ بناؤ
عیدکم یوم صیامکم۔ الا ان تصوموا	مگر اس طرح کہ اس سے ایکدن پہلے روزہ رکھو یا
قبلہ او بعدہٗ	ایک دن بعد روزہ رکھوئے

ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضؓ کی روایت اس طرح ذکر کی ہے کہ حضرت علی رضؓ نے ارشاد فرمایا تم میں سے جو کوئی ہر مہینہ روزہ رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ جمعرات کے دن روزہ رکھے۔ جمعہ کے دن نہ رکھے کیونکہ یہ کھانے پینے اور ذکر کا دن ہے (جمعرات کے دن روزہ رکھنے کی صورت میں) روزہ دار کے لئے دو فضیلت ہوں گی ایک تو یہ ایک دن کا روزہ ہوگا دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ جمع ہو کر (جمعہ کے لئے اول وقت پہونچنے کی وجہ سے) قربانی کا ثواب ملے گا (اس طرح یوم صوم اور یوم قربانی دو فضیلت حاصل ہو جائیں گی۔)

اسباب کراہت

ابن جریر نے ابراہیم کی روایت مغیرہ کی سند سے اس طرح ذکر کی ہے کہ حضرات اصحاب رضؓ جمعہ کے دن روزہ رکھنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے تاکہ امور صلوٰۃ کو قوت کے ساتھ ادا کریں (اور روزہ رکھنے کی صورت میں جسم میں کمزوری آنے کے باعث جمعہ کے اہتمام میں سستی ہوتی تھی اس وجہ سے اس کو اچھا نہیں جانتے تھے)

میں کہتا ہوں کہ جمعہ کے دن روزہ رکھنے کی کراہت کی وجہ تین ہو سکتی ہیں ایک تو یہی جو بیان کی جا چکی ہے لیکن اس پر ایک اشکال یہ وارد ہو سکتا ہے کہ اگر جمعرات کا روزہ بھی رکھ لیا تو یہ چیز بطریق اولیٰ اور اتم موجود ہوگی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ یوم عید ہے اسی کی طرف حضور صلعم نے اشارہ فرمایا ہے لیکن اس وجہ پر دو اعتراض ہیں ایک یہ کہ صوم عید حرام ہے اور صوم جمعہ حرام نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر اس دن کیساتھ ایک روزہ اور رکھ لیا جائے تو یہ کراہت ختم ہو جاتی ہے (حالانکہ عید کے دن کے روزہ کی حرمت دوسرے دن کے روزے سے ختم نہیں ہوتی) ان دونوں اشکالات کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ عید تو ہفتہ کی ہے نہ کہ سال کی۔

لے اس میں جو حکمت ہے گذشتہ سطور میں اس کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے۔

ٹ یہ روایت ضعیف ہے اگر صحیح بھی ہے تو یہ کہا جائیگا کہ اہتمام جمعہ کیلئے یہ حکم دیا گیا ہے۔ یہ بھی نہیں ہے کہ جمعہ کا روزہ بھی ایام ممنوعہ میں داخل ہے عید کے دن سے مشابہت صرف روزہ نہ رکھنے کیوجہ سے نہیں ہے بلکہ جمعہ دوسری وجہ سے عید المومنین ہے مثلاً جو شرائط عید کیلئے ہیں وہی جمعہ کیلئے ہیں۔ عیدین مومنین کے اجتماع خاص کے دن ہیں اور جمعہ بھی وغیرہ ذلک واللہ اعلم

اور حرمتِ صوم سال کی عید کی ہے۔ لیکن اگر ایک دن قبل یا ایک دن بعد روزہ رکھ لیا تو اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ یوم عید (جمعہ) کی وجہ سے روزہ رکھ لیا گیا تھا لہٰذا کراہت باقی نہ رہے گی۔ اسی وجہ سے امام احمد نے جو روایت ذکر کی ہے اور امام نسائی، ترمذی نے جو روایت حضرت ابن مسعودؓ کی بیان کی ہے (اگر وہ صحیح ہے) یعنی

قل ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفطر یوم الجمعۃ	میں نے حضور صلعم کو جمعہ کے دن بہت کم افطار کرتے دیکھا ہے۔

تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور صلعم جمعہ کا روزہ تبعًا رکھتے تھے تنہا نہیں یعنی صرف جمعہ ہی کا روزہ نہیں رکھتے تھے بلکہ اس کے ساتھ دوسرے دن کے روزے کو داخل کر لیتے تھے، پھر وہ احادیث بھی ثابت ہیں جو صحیحین میں موجود ہیں۔ اور امام ترمذی نے تو ان احادیث پر غریب ہونے کا حکم لگایا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس ذریعہ کا سدِ باب کرنا مقصود ہے کہ جو چیز دین کی تو نہیں ہے مگر دین میں داخل کر لی گئی ہے اور اہل کتاب سے بھی مشابہت لازم آتی ہے[1]۔ کیونکہ ان کی عادت ہے کہ انھوں نے بعض ایام کو صرف دنیا کے کاموں کے لئے مخصوص کیا ہے (اس میں وہ عبادت نہیں کرتے) یہاں بھی یہی احتمال تھا کہ جمعہ کا دن جب افضل ترین دن ہے تو پھر اسی کو روزہ وغیرہ کے لئے مخصوص کر لیا جائے (حالانکہ دوسرے ایام میں بھی کوئی خرابی نہیں ہے) اس اختصاص کی وجہ سے صرف شب جمعہ ہی کو قیام کے لئے خاص کر لینا غلط ہے بعض حضرات نے تو شب جمعہ کو لیلۃ القدر سے بڑھا دیا ہے اسی چیز کے پیش نظر حضور صلعم نے (اس جاہلانہ نظریہ کا

مشابہت غیر مسلمین

[1] اسلامی تعلیمات پر اگر نظر ڈالی جائے تو اس میں ایک خاص طرز معاشرت کیطرف رہنمائی ہوتی ہے جس سے اس نتیجہ پر بآسانی پہنچا جاسکتا ہے کہ اسلام اعتقادات اور عبادات کے علاوہ معاشرتی امور میں بھی مسلمانوں کو وہ طرز زندگی عطا کرتا ہے جس سے انہیں اور غیر مسلموں میں بین طور پر فرق ہو جاتا ہے مثلاً داڑھی منڈانا، ہاتھوں سے آداب و تسلیمات بجالانا۔ دائیں ہاتھ کے بجائے بائیں ہاتھ سے مستحسن کاموں کی ابتدا، کھڑے ہو کر کھانا پینا پیشاب کرنا، قبروں پر میلے لگانا وغیرہ ہزارہا قسم کی چیزیں ایسی ہیں جن کو اسلام نے مشابہت کفار یا اہل کتاب قرار دیا ہے اسی میں لباس اور وضع قطع کا معاملہ ہے۔ عمامہ بغیر ٹوپی کے باندھنا، گاندھی کیپ اوڑھنا، لانگ دار ہندوانہ دھوتی باندھنا یہ بھی اہل کفر سے مشابہت ہے۔

موجودہ زمانہ میں جب سے جمہوریت آئی ہے اس نے زندگی کے ہر شعبہ میں مغربیت اور کفر کی چیزوں کو داخل کر دیا ہے طرز فکر بدل دیا کام کے طریقے بدل دیئے۔ جماعتوں میں صدارت کا انتخاب اور پھر صدر کا مقررہ مدت کے بعد معزول ہو جانا، جلسوں میں جھنڈیوں کا لگنا، بھوک ہڑتال، سیاہ جھنڈیوں سے اظہار بیزاری و تنفر، پرچم کشائی اور اسوقت مخصوص ترانے، جھنڈے کو سلامی، نقاب کشائی، افتتاحات، وحدت یوم، یعنی کسی کے پیدا ہونے یا مرنے یا کوئی ملکی یا تاریخی دن مثلاً یوم آزادی، یوم جمہوریت وغیرہ منانا، سپاسنامے وغیرہ ہزارہا چیزیں اس نئے دور کی پیداوار ہیں جن کو مغربیت نے جنم دیا ہے۔ مسائل کے حل میں اقوام عالم کی تقسیم جغرافیائی حدود سے کرنا اور وحدت کلمہ کی بنیاد پر کل مسلم اخوت کو نظر انداز کر دینا خالص مغربی فکر ہے۔

دروازہ بند کر دیا ہے)

پس اگر یہ کہا جائے کہ بعض دوسرے ایام کی بھی تو تخصیص ہے جیسے یوم اثنین (پیر کا دن) یوم عرفہ، یوم عاشورہ۔ تو ہم کہیں گے کہ یہ سنت ہے کیونکہ شارع علیہ السلام کی طرف سے تخصیص ہے لیکن اگر ہم منگل، بدھ، اتوار کی تخصیص کرلیں تو یہ مکروہ ہے اور اہل کفر سے مشابہت ہے کیونکہ وہ اپنے ایام کی بہت زیادہ تعظیم وتکریم کرتے ہیں۔

آخرت یاد دلانے والا دن

۳۲ ویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ دن مبدا و معاد کی یاد دلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے ہفتہ کے دنوں میں سے ایک دن ایسا ضرور مقرر کیا ہے کہ وہ اس دن جمع ہو کر عبادت کریں اور اپنی پیدائش اور موت کو یاد رکھیں۔ اس غرض کیلئے وہی دن سب سے زیادہ مناسب ہو سکتا تھا کہ جس میں اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کریگا اور وہ دن جمعہ ہی کا ہو سکتا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے ذخیرۂ آخرت بنایا ہے۔ یہ دن وہ ہے کہ جنتی اپنی منزلوں میں ہوں گے اور دوزخی دوزخ میں ہوں گے اور یہ نصف نہار کا وقت ہوگا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے بیان فرمایا ہے۔

لا ینتصف النہار یوم القیامۃ حتی	قیامت کے دن اسوقت تک نصف النہار
یقیل اھل الجنۃ فی منازلھم و	نہ ہوگا جب تک جنتی جنت میں اور دوزخی
اھل النار فی منازلھم	دوزخ میں نہ پہونچ جائیں۔

اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ثم ان مرجعھم لالی الجحیم	پھر ان کا ٹھکانا دوزخ کی طرف ہوگا۔[۱]

بہرحال دن سات ہیں (ان میں سے بعض کی تخصیص) اسی امت کے لئے ہے جن کے پاس کتاب ہے اور جن کو کوئی کتاب نہیں ملی انھوں نے اپنے ایام محض اپنی طرف سے اہل کتاب امت کی دیکھا دیکھی مقرر کرلئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے چھ دن میں پیدا کیا۔ اسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی معرفت اپنے بندوں کو بتلایا اور ان کے لئے ہفتہ میں ایک دن مقرر فرما دیا تاکہ وہ مبدا و معاد کو یاد کریں اسی وجہ سے حضور صلعم فجر یوم جمعہ میں سورۂ الم تنزیل اور سورۂ دہر کی قرأت فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہ دونوں سورتیں ان مضامین پر مشتمل ہیں یعنی ان میں مبدا و معاد، حشر و نشر کا ذکر دوزخ اور

---

[۱] علامہ نے اس جگہ مقیلہم کا لفظ آیت میں لکھا ہے حالانکہ صحیح قرأۃ مرجعھم ہے۔ علامہ نے جو قرأت نقل کی ہے وہ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت ہے جس کا مطلب وہی ہے جو علامہ نے بیان کیا ہے ہم نے عوام کی سہولت کیلئے اس جگہ اتنا تصرف کر دیا کہ مقیلہم کی جگہ مرجعھم لکھ دیا ہے تاکہ غلط فہمی نہ ہو۔ تفسیر مظہری ص ۱۱۹ ج ۸

جنت کا تذکرہ ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ اس سورت کو سجدہ کی وجہ سے پڑھا جاتا تھا۔ جو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ سجدہ کی وجہ سے پڑھا جاتا ہے اور وہ سجدہ والی کسی دوسری سورت کو پڑھ دیتے ہیں یہ ان کے علم کی کمی کا سبب ہے۔

اسی طرح سے حضور صلعم مجامع اور عید کے مواقع پر ایسی سورت پڑھا کرتے تھے کہ جس میں توحید، مبدا و معاد، انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور ان کی امتوں کے قصے ہوتے تھے کہ ان کو عمل کی وجہ سے کیا بدلہ ملا اور کفر کی وجہ سے وہ کیسے ہلاک ہوئے۔ اور جو انبیاء پر ایمان لائے ان کی نجات ہوئی چنانچہ آپ سورۂ ق، اور سورۂ اقتربت اور کبھی سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کو پڑھا کرتے تھے۔ کبھی آپ جمعہ میں سورۂ جمعہ پہلی رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ کیونکہ اس سورت میں اس نماز کا امر اور سعی الی الجمعۃ کا واجب ہونا۔ ترک علائق دنیا کا ذکر، اور ذکر اللہ کی کثرت کا فرمان موجود ہے تاکہ لوگ اس پر عمل کر کے فلاح دارین حاصل کر سکیں۔ کیونکہ ان چیزوں کو نظر انداز کرنے میں محرومی اور ہلاکت ہے۔

دوسری رکعت میں سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے۔ اور اس سے امت کو ڈرانا مقصود تھا تاکہ وہ نفاق میں مبتلا نہ ہوں اور مال اور اولاد کی وجہ سے جمعہ کی خیر و برکت سے محروم نہ رہ جائیں اسی طرح سے حضور صلعم کسی وفد کی آمد پر ان کو قرآن پاک سنایا کرتے تھے (تاکہ سن کر اس کے قلب میں لینت پیدا ہو اور وہ ہدایت پر آ جائیں) اسی وجہ سے آپ صلوٰۃ جہری میں قرأت طویل فرمایا کرتے تھے جیسا کہ آپ نے مغرب میں سورۂ اعراف کی قرأت کی اور فجر میں بقدر سو آیتوں کے قرأت فرمائی۔

اوصاف خطبات نبی صلعم

یہی حال آپ کے خطبہ کا تھا۔ اس میں آپ اصول ایمان کو بیان فرماتے تھے۔ مثلاً اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا۔ اور دوزخ و جنت کا ذکر اور ان چیزوں کا ذکر جو اس نے اپنے دوستوں کے لئے جنت میں مہیا کی ہیں۔ اور جو کچھ دوزخ میں اپنے دشمنوں کے لئے تیار کیا ہے۔ چنانچہ آپ کا خطبہ سن کر قلوب ایمان اور یقین اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سے لبریز ہو جاتے تھے۔ دوسروں کے خطبات کو یہ خصوصیات حاصل نہیں ہیں کیونکہ ان کے خطبات میں مخلوق سے متعلق امور مشترکہ ہوتے ہیں مثلاً حیات پر نوحہ و بکا اور گلہ و شکوہ، موت سے ڈرانا، یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے قلب میں ایمان باللہ اور اس کی معرفت اور توحید نہیں پیدا ہوتی۔ اور نہ نفوس میں اللہ کی محبت ہی بیدار ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سامعین خالی ہاتھ نکلتے ہیں۔ بجز اسکے کہ ان پر حسرت و یاس طاری ہوتی ہے (کہ جب وہ مر جائیں گے تو سب بیکار ہے) اس لئے وہ اپنے اموال کو تقسیم کر ڈالتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ان باتوں سے ایمان کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے اور کونسی توحید، معرفت اور علم نافع

حاصل ہوتا ہے ۔

جن لوگوں نے حضرات صحابہؓ اور خود حضور صلعم کے خطبات میں غور کیا ہے ۔ تو انکو ان خطبات میں ہدایت توحید، ذکر صفات باری، اصول ایمان، دعوت الی اللہ، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ملتا ہے اور اسکے عذاب کا حال معلوم ہوتا ہے جسکی وجہ سے اللہ کا خوف قلب میں پیدا ہوتا ہے اور شکر کی توفیق حاصل ہوتی ہے پس وہ اللہ کی عظمت کو یاد کرتے ہیں یہی وجہ تھی کہ سامعین اسوقت اس حالت میں لوٹتے تھے کہ انکو اللہ سے محبت ہوتی اور اللہ کو ان سے محبت ہوتی تھی ۔ اسکے بعد مرور ایام کی وجہ سے نبوت کے نور کی شعاعیں دھندلی ہوئیں تو شرعی اوامر کو رسومات کی صورت دیدی گئی جسکی وجہ سے انکے حقوق کی رعایت بھی نہیں ہوتی ۔ اس وجہ سے وہ مقاصد سے خالی ہیں ۔ لوگوں نے انکو اپنے تصورات کے ملمع سے زینت دیدی اور اصلیت بہت دور جا پڑے ۔ بہر حال خطبات میں سے اصلیت نکل گئی اور مقفّیٰ عبارت اور محسنات بدیعہ رہ گئیں ۔

حضور صلعم کی عادت شریفہ تھی کہ وہ ہمیشہ قرآن پاک خطبہ میں پیش کیا کرتے تھے خصوصاً سورہ ق کو چنانچہ ...... بنت الحارث کہتی ہیں کہ میں نے سورۂ ق کو حضور صلعم کے خطبہ ہی سے یاد کیا ہے (اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضور صلعم سورۂ ق کو اتنی کثرت سے خطبہ میں پڑھا کرتے تھے کہ یاد کرنے والے یاد کر لیتے تھے ورنہ ایک دو دفعہ سے سورت یاد نہیں ہوتی ۔

حصول ایمان کا طریقہ

ملہ ایمان اور یقین ایک کیفیت قلبی کا نام ہے بالفاظ دیگر انسان کے دل کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جوڑ پیدا ہو جانا معمولی درجہ کا جوڑ تو ہر مومن کو حاصل ہے ۔ اسی جوڑ کی وجہ سے مومن ارتکاب حرام سے گریز کرتا ہے اور طاعت کی طرف رغبت کرتا ہے ۔ یہی جوڑ جب اور زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے تو مختلف اعتبارات سے مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے مثلاً ہر وقت حضوری میں رہنا ۔ دل و دماغ میں ہر وقت ذکر خدا اور تصور خدا رہنا ملکہ یاد داشت، استغراق، فنا فی اللہ وغیرہ ناموں سے یاد کیا جاتا ہے یہی محبت خداوندی ہے کہ ہر وقت اسی کا دھیان رہے ۔ دل میں ایک سوزش اور اضطراب ہو بجز اسم خدا اور یاد خدا کے سکون نصیب نہ ہو سے

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ　　　سینہ میں اک آگ سی ہو ہر دم لگی ہوئی

اس کے حصول کا طریقہ زبان سے بکثرت ذکر کرتا ہے تاکہ اس کے اثرات قلب کی طرف منتقل ہوں ۔ اس کے بعد ضبط انفاس و مراقبہ کی منزل آتی ہے جہاں سے استغراق اور فنایت شروع ہو جاتی ہے ۔ کام آسان ہے تھوڑی سے مشق کی ضرورت ہے اسکے بعد سب کچھ حاصل ہو جائیگا ۔ اس کے لئے اہل اللہ کی صحبت اختیار کیجئے ۔ ذکر کثرت سے کیجئے ۔ یاد رکھئے ذکر کے ذریعہ رزائل دور ہوتے ہیں اور اس منزل سے گذر کر ذکر ہی سے سیر فی اللہ اور سیر باللہ حاصل ہوتی ہے کام آسان ہے جسکو اصطلاحوں نے مشکل بنا دیا ہے

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است　　　جز سرّ عشق ہرچہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیر او　　　علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

۲۴

چوبیسواں باب

خطبات نبی صلعم کا بیان

حضور صلعم کا ایک خطبہ

علی بن زید بن جدعان نے بیان کیا ہے (اگرچہ اس روایت میں ضعف ہے) کہ حضور صلعم نے ایک دن منبر پر ارشاد فرمایا:۔

یا ایھا الناس توبوا الی اللہ عزوجل قبل ان تموتوا وبادروا بالاعمال الصالحۃ وصلوا الذی بینکم وبین ربکم بکثرۃ ذکرکم لہ وکثرۃ الصدقۃ فی السر والعلانیۃ توجروا وتحمدوا وترزقوا واعلموا ان اللہ عزوجل قد فرض علیکم الجمعۃ فریضۃ مکتوبۃ فی مقامی ھذا اوشھری ھذا اوعامی ھذا الی یوم القیامۃ من وجد الیھا سبیلاً فمن ترکھا فی حیاتی او بعد مماتی جحوداً الیھا او استخفافاً بھا ولہ امام جائر او عادل فلا جمع اللہ شملہ ولا بارک لہ فی امرہ الا ولا صلوٰۃ لہ الا ولا وضوء لہ الا ولا صوم لہ الا ولا زکوٰۃ لہ الا ولا حج لہ الا ولا برکۃ لہ حتی یتوب فان تاب تاب اللہ علیہ

ترجمہ:۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ آؤ اس سے قبل کہ تمھیں موت آئے۔ اور نیک کاموں میں جلدی کرو اور کثرت ذکر خفیہ اور اعلانیہ صدقات کے ذریعہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان قرب پیدا کرو تمھیں اس کا اجر ملیگا اور تم قابل ستائش قرار پاؤ گے۔ تمھیں رزق دیا جائے گا۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر جمعہ فرض کیا ہے۔ لہٰذا جو آدمی اس فرض کی ادائیگی کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کو ادا کرے اور جس نے میری موجودگی میں یا میرے بعد اس سے انکار کیا یا اس کو کم درجہ کا سمجھا اور اس کو ترک کر دیا۔ اور اس کے اوپر کوئی امام عادل یا ظالم بھی ہوا تو یاد رہے نہ اس کی نماز قبول، نہ اس کا وضو معتبر، نہ اس کا روزہ قبول، نہ زکوٰۃ قبول، نہ حج قبول اور اس کے لئے کوئی برکت نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ اس جرم قبیح سے توبہ نہ کرلے اور جس نے توبہ کرلی اللہ تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرمائے گا۔

دوسرا خطبہ:۔ حضور صلعم کا دوسرا خطبہ یہ ہے جو محفوظ ہے:۔

الحمد للہ استعینہٗ واستغفرہٗ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ ارسلہ بالحق بشیراً ونذیراً بین یدیہ الساعۃ من یطیع اللہ ورسولہٗ فقد رشد ومن یعصہما فانہ لا یضر الا نفسہٗ ولا یضر اللہ شیئاً رواہ ابوداؤد

ترجمہ:۔ اللہ ہی کے لئے تعریف ہے میں اس سے مدد چاہتا ہوں اور اس سے مغفرت مانگتا ہوں اور شرارت نفس سے اس کی پناہ چاہتا ہوں۔ جس کو خدا ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی ساجھی یا شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلعم) اس کے بندے اور رسول ہیں جن کو حق کے ساتھ قیامت سے پہلے خوشخبری کے لئے اور ڈرانے کے لئے بھیجا ہے جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی اس نے اپنا ہی نقصان کیا اس نے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑا۔

حضور صلعم کے خطبہ کا انداز

حضور صلعم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی چشم مبارک سرخ ہو جاتیں آواز بلند ہوتی جاتی اور چہرے انور سے غصہ کے آثار ظاہر ہونے لگتے آپ درمیان کی انگشت اور پہلی انگشت میں فاصلہ کر کے بتلاتے کہ مجھ میں اور قیامت میں اسقدر فاصلہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا:۔

ان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد (صلعم) وشر الامور محدثاتہا وکل بدعۃ ضلالۃ اس کے بعد فرمایا انا اولی بکل مومن من نفسہ من ترک مالا فلاھلہ ومن دنیا او ضیاعاً فالیّ وعلیّ رواہ مسلم

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور صلعم جمعہ کے دن اولاً اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے تھے اس کے بعد آپ کی آواز بلند ہو جاتی اور فرماتے من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ الخ وخیر الحدیث کتاب اللہ الخ۔ نسائی کی روایت میں کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار ہے۔ آپ کی عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ حمد و ثنا اور تشہد کے بعد "امابعد" فرماتے۔ آپ ہمیشہ مختصر خطبہ دیتے اور طویل نماز پڑھتے تھے جس میں کثرت سے ذکر ہوتا۔ اور جامع کلمات بولتے تھے آپ نے ارشاد فرمایا آدمی کی فقاہت کی علامت یہ ہے کہ وہ نماز طویل کرے اور خطبہ مختصر دے۔

کیفیات خطبہ:۔ حضور صلعم اپنے خطبہ میں اسلام کے احکام اور شریعت کی باتیں تعلیم فرمایا کرتے تھے

اور بحالت خطبہ اگر کوئی امر ممنوع پیش آجاتا تو آپ اس سے روک بھی دیا کرتے تھے۔ مثلاً آپ نے ایک آنیوالے کو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا[۱]۔ ایسے ہی ایک آدمی لوگوں کی گردن پھلانگ کر داخل ہو رہا تھا تو اس کو اس سے منع کیا۔ آپ خطبہ کو قطع بھی کر دیتے تھے اگر کوئی ایسا امر پیش آجاتا تھا۔ اور اگر کوئی سوال کر لیتا تھا تو اس کا سوال بھی پورا فرما دیتے تھے اور پھر خطبہ دینا شروع کر دیتے تھے۔ کبھی آپ منبر سے نیچے بھی اتر آتے تھے اور پھر چڑھ جاتے تھے مثلاً ایک مرتبہ حضرت حسن رضؓ اور حضرت حسین رضؓ کو اٹھانے کے لئے اترے اور ان کو گود میں لیکر پھر منبر پر تشریف لے گئے۔ آپ بحالت خطبہ کسی کو بیٹھنے کا اور کسی کو نماز پڑھنے کا حسب ضرورت امر فرما دیتے تھے۔ آپ حضرات صحابہ رضؓ میں سے کسی کو فاقہ یا کسی مصیبت میں گرفتار پاتے تو لوگوں کو صدقہ کا امر فرما دیتے تھے[۲]۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت یا اس سے دعا کے وقت انگشت شہادت سے اشارہ فرمایا کرتے تھے۔ جب بارش نہ ہوتی تو اسی خطبہ میں بارش کے لئے بھی دعا فرماتے[۳]۔

جب تک لوگ جمع نہ ہو جاتے اس وقت تک آپ ٹھہرے رہتے جب دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں تو آپ اندر سے تنہا تشریف لاتے کہ نہ کوئی آپ کے آگے آواز لگاتا چلتا اور نہ پیچھے ہی کوئی بھیڑ ہوتی۔ جب آپ مسجد میں تشریف لاتے تو السلام علیکم کہتے، جب منبر پر تشریف لے جاتے تو بھی سلام کہتے[۴]۔ اور بیٹھ جاتے اور حضرت بلال رضؓ کو اذان کا امر فرماتے۔ جب موذن اذان سے فارغ ہو جاتا تب آپ خطبہ شروع فرماتے۔

آپ خطبہ دیتے ہوئے تلوار وغیرہ ہاتھ میں نہیں لیتے تھے بلکہ[۵] کمان یا لاٹھی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہو

---

[۱] اس میں حضرت سلیک غطفانی کے واقعہ کیطرف اشارہ ہے، حضرت جابر رضؓ فرماتے ہیں حضرت سلیک آئے حضور صلعم منبر پر تشریف فرما تھے آپ نے دریافت کیا تم نے دو رکعت پڑھ لیں۔ انھوں نے عرض کیا نہیں تب آپ نے فرمایا اٹھو! اور دو رکعت پڑھ لو۔ اس حدیث سے امام احمد وغیرہ حضرات نے استدلال کیا کہ تحیۃ المسجد بحالت خطبہ بھی جائز ہے حنفیہ اسکا انکار کرتے ہیں (اس حدیث کا جواب گذشتہ حاشیہ میں گذر چکا ہے) اس پر اجماع ہے کہ بحالت خطبہ نماز نہ پڑھنا چاہیئے عن ثعلبۃ بن ابی مالک ادرکت عمرؓ و عثمان و کان الامام اذا خرج ترکنا الصلوٰۃ الخ ھذا کالاجماع فتح الملہم صفحہ ۴۱۵ ج ۲

[۲] اسمیں بھی حضرت سلیک غطفانی رضؓ کے واقعہ کیطرف اشارہ ہے۔

[۳] مسلم شریف میں انس بن مالک کی روایت موجود ہے کہ ایک آدمی نے حضور صلعم سے عرض کیا تب آپ نے تین مرتبہ اللھم اغثنا خطبہ میں ہاتھ اٹھا کر کہا، اسیوجہ سے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ استسقا کی نماز موکدات میں سے نہیں ہے کیونکہ حضور صلعم نے اسکو ایک مرتبہ پڑھا ہے اور ایک مرتبہ صرف دعا ہی پر اکتفا کیا ہے یہی عمل حضرت عمر رضؓ کا منقول ہے بہر حال امام صاحب اسکو جائز کہتے ہیں مکروہ نہیں کتاب الحجہ صفحہ ۳۲۳ ج ۱

[۴] منبر پر بیٹھنے کے بعد خطیب کا سلام کرنا جائز نہیں ہے الرد المختار صفحہ ۵۹۹ ج ۱ کبیری میں مذکور ہے کہ منبر پر بیٹھنے کے بعد سلام نہ کرنا چاہیئے کیونکہ مسجد میں داخل ہونے کے وقت کا سلام کافی ہے ا ھ صفحہ ۵۲۱ علامہ نے جو حدیث نقل کی ہے وہ مرسل بھی ہے اور ضعیف بھی جیسا کہ گذشتہ حاشیہ میں مذکور ہو چکا ہے۔

[۵] حضرات حنفیہ اس نقطۂ نظر سے تو متفق نہیں ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور نہ وہ اسکا انکار کرتے ہیں کہ حضور صلعم نے قوس اور عصا پر سہارا لیکر خطبہ نہیں دیا بلکہ انکا فرمانا ہے کہ جو بلاد بزور شمشیر فتح ہوئے ہیں انمیں خطبہ تلوار پر ٹیک لگا کر دینا مناسب ہے اور جو صلح فتح ہوئے ہیں انمیں لاٹھی یا قوس پر ٹیک لگا کر خطبہ دینا مسنون ہے۔ واللہ اعلم، کبیری صفحہ ۵۲۱ ج ۱

جاتے تھے۔ یہ حالات اس وقت کے ہیں جب تک منبر نہیں بنا تھا۔ حالت جنگ میں آپ کمان اپنے پاس رکھتے اور اس پر ٹیک لگاتے اور جمعہ میں لاٹھی پر ٹیک لگاتے۔ یہ آپ سے ثابت نہیں کہ آپ نے تلوار پر ٹیک لگائی ہو۔ بعض جاہلوں نے یہ کہدیا ہے کہ آپ نے تلوار پر ہمیشہ ٹیک لگائی ہے کیونکہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دین تلوار سے قائم ہوا ہے یہ ان لوگوں کی جہالت کی دلیل ہے کیونکہ منبر بننے کے بعد یہ ثابت نہیں ہے۔

منبر شریف کا ذکر حضور صلعم کے منبر شریف کے تین درجے تھے اس سے قبل آپ کھجور کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب آپ نے اس سے ہٹ کر منبر پر خطبہ دینا چاہا تو لوگوں نے اس ستون سے بچوں کی طرح رونے کی آواز سنی۔ چنانچہ آپ منبر شریف سے نیچے اتر آئے اور اپنا دست مبارک اس پر رکھدیا حضرت انس رضہ فرماتے ہیں۔

حن لما فقد ما کان یسمع من	جب ستون نے وہ چیز اپنے قریب نہ پائی
الوحی الخ	تو رو دیا کیونکہ وہ وحی کے نزول کو سنا

کرتا تھا چنانچہ حضور صلعم نے نیچے اتر کر اس کو اپنے سینے سے لگا لیا[1]۔

یہ منبر بیچ مسجد میں نہیں رکھا گیا تھا بلکہ غربی جانب دیوار کے قریب رکھدیا گیا تھا۔ دیوار اور منبر کے درمیان بقدر بکری کے گزرنے کے جگہ تھی حضور صلعم جب جمعہ کے علاوہ منبر پر تشریف لے جاتے یا جمعہ کے دن خطبہ دیتے تو صحابہ رضہ منبر کے قریب ہو جاتے اور حضور صلعم ان کی طرف رخ انور کرکے بیٹھ جاتے۔

خطبہ کے وقت کلام آپ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے اور درمیان میں ایک جلسہ بھی فرماتے تھے پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جب دوسرے خطبہ سے فارغ ہوتے تو حضرت بلال رضہ اقامت کہتے۔ حضور صلعم خطبہ میں لوگوں کو قریب تر ہونے کو فرماتے اور خاموش رہنے کا حکم دیتے آپ نے ارشاد فرمایا

ان الرجل اذا قال لصاحبہ انصت	جس کسی نے اپنے قریبی آدمی کو خاموش رہنے
فقد لغا	کو (بحالت خطبہ کہا) اسنے فعل لغو کیا

آپ نے ارشاد فرمایا جس نے لغویت کا ارتکاب کیا اس کا جمعہ نہ ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا

من تکلم یوم الجمعة والامام	جس نے جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے وقت

---

[1] یہ معجزہ حضور صلعم کا کتنا بڑا ہے؟ ایک طرف حضرت ابن مریم علیہما السلام کا مردہ کو زندہ کرنا جب کہ جسم انسانی ایک مدت تک حیات سے متصف رہ چکا تھا۔ دوسری طرف غیر ذی روح کو حیات انسانی عطا کر دینا اللھم صلی علی سیدنا افضل الانبیاء وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

يخطب فهو كمثل الحمار يحمل اسفارا والذى يقول له انصت ليس له جمعة

کلام کیا وہ مثل گدھے کے ہے کہ بوجھ اٹھائے ہوتا ہے اور جس نے کسی کو یہ کہا کہ خاموش ہو جاؤ تو اسکا بھی جمعہ نہ ہوگا[1]

اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ ابی بن کعب نے ارشاد فرمایا کہ ایک جمعہ کو حضور صلعم نے سورہ تبارک الذی الخ پڑھی۔ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا...... حضرت ابو دردا یا حضرت ابو ذر رضی نے مجھ سے دریافت کیا۔ یہ سورت کب نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا مجھے اب تک پتہ نہیں کہ کب نازل ہوئی۔ بہرحال ارشارةً یہ سب کچھ سوال جواب ہو گئے، جب ہم واپس ہوئے تو میں نے ان سے شکایت کی کہ میں نے ایک بات دریافت کی تھی آپ نے اس کا جواب نہیں دیا۔ انھوں نے جواب دیا آج کی نماز ہی نہیں ہوئی ہم نے حضور صلعم سے جاکر یہی عرض کیا کہ یہ حضرات یوں کہہ رہے ہیں۔ فرمایا یہ صحیح کہتے ہیں۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

مسند امام احمد میں اس کی اصل موجود ہے وہ یہ کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا تین شخص جمعہ کیلئے آئے ایک لغویت میں مبتلا ہوا اس کا حصہ یہی تھا۔ ایک نے دعا مانگی۔ اللہ چاہے تو اس کو دے چاہے منع کر دے ایک آیا اور بلا کسی کی گردن کو پھلانگے ہوئے خاموش بیٹھ گیا۔ اس کے لئے یہ عمل آئندہ جمعہ اور مزید تین جمعوں تک کیلئے کفارہ ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها

جو آدمی ایک نیکی کرے اس کے لئے اس کا دس گنا ثواب ہے۔

اس روایت کو امام احمد ابو داؤد نے ذکر کیا ہے۔

سنن جمعہ

جب حضرت بلال رضہ اذان ختم کرتے تو حضور صلعم خطبہ شروع فرماتے اور پھر کوئی دو رکعت نہیں پڑھ سکتا تھا[2] اور اس وقت ایک ہی اذان دی جاتی تھی[3] کہا جاتا ہے جمعہ مثل عید کے ہے کہ اس کے قبل سنت نہیں ہیں اسی کے اوپر حضور صلعم کا یہ عمل دلالت کر رہا ہے کہ حضور صلعم اپنے دولتکدہ سے تشریف لاتے اور منبر پر تشریف لے جاتے، حضرت بلال رضہ اذان دیتے، اذان پوری ہونے کے بعد حضور صلعم خطبہ شروع فرماتے۔ یہ بعض لوگوں کی رائے ہے ان کا فرمانا ہے کہ یہ عمل بلا فصل تھا، اس سے معلوم ہوا کہ سنت نہیں پڑھتے تھے[4] جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت بلال رضہ کی اذان کے بعد لوگ

---

[1] یہاں فضیلت جمعہ کا انکار ہے یہ نہیں کہ نفس جمعہ ہی نہ ہوگا [2] یعنی اذان خطبہ اور خطبہ میں فصل نہیں ہوتا تھا [3] اذان اول حضرت عثمان غنی رضہ کے دور خلافت میں شروع ہوئی دوسری اذان خطبہ بدستور رہی۔ فقہاء کا ارشاد ہے خرید و فروخت کی حرمت کا حکم اذان اول ہی سے ہے اسی پر فتویٰ ہے [4] لیکن جب یہ ثابت ہے کہ حضور صلعم سنن رواتبہ دولتکدہ میں ادا فرماتے تھے (باقی آئندہ)

کھڑے ہو کر نماز دو رکعت ادا کرتے تھے وہ بہت جاہل ہیں۔

امام مالک اور امام احمد کا مشہور مسلک یہی ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور جن حضرت نے یہ فرمایا ہے کہ قبل جمعہ سنت ہیں۔ ان کا کہنا ہے یہ ظہر مقصورہ ہے اور اس کے لئے ظہر کے احکامات ہیں (مثلاً بعد زوال ہونا) یہ حجت نہایت کمزور ہے کیونکہ جمعہ مستقل نماز ہے اور چند چیزوں میں ظہر کے بالکل مخالف ہے مثلاً جہر، عدد، خطبہ، اور دوسری شرائط (یعنی ظہر کی نماز جہراً قرأت نہیں ہوتی نہ اس کے لئے جماعت شرط ہے جمعہ بلا جماعت کے نہ ہوگا اور دوشرائط مثلاً حاکم ہونا، شہر ہونا وغیرہ) صرف وقت میں اتفاق ہے۔ لہٰذا مسئلہ متنازعہ کو ان ہی امور پر قیاس کرنا چاہیئے جن میں اختلاف ہے نہ کہ ان میں کہ جن میں اتفاق ہے یہی اولیٰ ہے کیونکہ اسی پر سب کا اجماع ہے۔

جن لوگوں نے صلوٰۃ جمعہ کو ظہر پر قیاس کرتے ہوئے سنت بتلائی ہیں ان کا قیاس بھی فاسد ہے اس لئے کہ سنت وہ ہے کہ جو حضور صلعم سے قولاً یا فعلاً ثابت ہو یا خلفاء راشدین کی سنت ہو اور اس مسئلہ میں یہ بات نہیں ہے لہٰذا سنتوں کو بھی اس طرح قیاس کر کے نہیں ثابت کیا جا سکتا کیونکہ فعل نبی صلعم پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اور جب آپ نے قبل جمعہ سنت نہیں پڑھیں تو ترک کرنا سنت ہوا نہ کہ پڑھنا۔ اگر قیاس کرنا ہے تو پھر عید کے قبل یا عید کے بعد سنت ہونا چاہیئے۔ اسی وجہ سے آپ نے مزدلفہ میں رات گزارنے، رمی جمار طواف، نماز کسوف، نماز استسقا کے لئے غسل مسنون قرار نہیں دیا کیونکہ حضرات صحابہ رضؓ نے ان سب افعال کو کیا ہے مگر غسل نہیں کیا۔ [2]

بعض حضرات نے امام بخاری کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جو انھوں نے اپنی کتاب کے "باب

گذشتہ سے پیوستہ

اور آپ نے حضرات صحابہ رضؓ کو بھی فرائض کے علاوہ دیگر نمازوں کو گھر پر پڑھنے کے لئے فرمایا ہے تو سنن قبل جمعہ سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

سنت قبل جمعہ

[1] سنن قبل جمعہ کو بعض نے بدعت قرار دیا ہے اور بعض نے مستحب امام نووی نے مستحب بتلایا ہے حضرت امام ابو حنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے چنانچہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی قبلہا اربعًا — حضور صلعم جمعہ سے قبل چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔

اس حدیث پر بعض رواۃ کی وجہ سے کلام کیا گیا ہے لیکن علامہ زبیدی نے ابو الحسن الخلفی کے حوالہ سے اسکی سند کو جید قرار دیا ہے طبرانی نے بھی ایک حدیث روایت کی ہے کہ تم میں سے جمعہ کو جو پائے اس کو چار رکعت قبل جمعہ اور چار بعد جمعہ پڑھنا چاہیئے۔ اس حدیث پر امام بخاری نے اگرچہ جرح کی ہے لیکن ابن عدی نے فرمایا ہے لا باس بہ۔ اسی حدیث کو ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضؓ بھی جمعہ سے قبل چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں حضرات صحابہ رضؓ جمعہ سے قبل چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔ الخ فتح الملہم صفحہ ۳۹۹ [2] استدلال ناقص ہے اسلئے کہ نماز استسقا پانی کی قلت کیوجہ سے پڑھی جاتی ہے اسلئے بلا ضرورت غسل کیلئے پانی خرچ کرنا مناسب نہ تھا۔

الصلوٰۃ قبل الجمعۃ وبعدھا" میں بسند متصل حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور صلعم ظہر کی نماز سے قبل دو رکعت اور
کان یصلی قبل الظھر رکعتین و	بعد ظہر کے دو رکعت، مغرب کے بعد گھر میں
بعدھا رکعتاین وبعد المغرب	دو رکعت اور عشاء سے قبل دو رکعت
رکعتین فی بیتہ وقبل العشاء	پڑھا کرتے تھے حتیٰ کہ گھر واپس آجاتے اور
رکعتین وکان لا یصلی بعد الجمعۃ	پھر دو رکعت پڑھا کرتے تھے.
حتیٰ ینصرف فیصلی رکعتین	

اس حدیث سے بھی ان حضرات کا مقصود ثابت نہیں ہوتا. کیونکہ اس حدیث سے امام بخاری کی مراد جمعہ سے قبل والی سنتوں کا اثبات نہیں ہے. بلکہ امام بخاری کی مراد اسقدر ہے کہ آپ جمعہ سے قبل اور بعد نماز پڑھا کرتے تھے یا نہیں. اس لئے اس حدیث کو انھوں نے ذکر کیا ہے. مراد یہ ہے کہ حضور صلعم نے قبل جمعہ سنتیں نہیں پڑھیں بلکہ بعد جمعہ پڑھی ہیں. اسی طرح امام بخاری نے عید کے بارے میں بیان کیا ہے چنانچہ انھوں نے باب الصلوٰۃ قبل العید وبعدھا" میں بیان کیا ہے. فرماتے ہیں.

ابو العلا فرماتے ہیں کہ میں نے سعید سے حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت سنی ہے کہ حضور صلعم عید کی نماز سے قبل نماز مکروہ جانتے تھے[1]

اس کے بعد حضرت سعید بن جبیر کی روایت مفصلاً ذکر کی ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج	حضور صلعم عید الفطر کی نماز کیلئے تشریف
یوم الفطر صلی رکعتین لم یصلی	لائے اور آپ نے عید کی دو رکعت پڑھیں
قبلھا ولا بعدھا ومعہٗ بلال	ان سے قبل اور نہ بعد کوئی نماز نہیں پڑھی

اور آپ کے ساتھ حضرت بلال رضؓ تھے.

بہرحال امام بخاری نے عید کے لئے بھی وہی عنوان اختیار ہے جو جمعہ کے لئے اختیار کیا ہے اور عید کے بارے میں ایک ایسی حدیث ذکر کی ہے جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ عید کی نماز سے قبل اور بعد نماز جائز نہیں[2]

---

[1] یہی حنفیہ کا مسلک ہے. لیکن جمعہ کی نماز کو عید کی نماز پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ عیدین کی نماز اشراق کیوقت سے قبل زوال تک ادا ہوتی ہے اور جمعہ کی نماز بعد زوال. اگر عید کے دن صلوٰۃ قبل عید کی اجازت ہوتی تو وہ امور جو عید کی نماز کیلئے مسنون ہیں رہ جاتے یا عدم احتیاط کی بنا پر لوگ وقت مکروہ میں نماز ادا کرتے واللہ اعلم [2] اس مسئلہ میں اسقدر تفصیل اولیٰ ہے کہ عید کے دن عید کی نماز سے قبل کوئی نفل نماز نہ گھر پڑھنا جائز اور نہ عیدگاہ میں. اسی طرح عید کی نماز کے بعد عیدگاہ میں نفل نماز جائز نہیں البتہ گھر آکر نوافل پڑھے جاسکتے ہیں چنانچہ ابن ماجہ میں جناب رسول اللہ صلعم کے متعلق مروی ہے.

اذا رجع الی منزلہ صلی رکعتین. جب آپ عید کی نماز کے بعد کاشانہ نبوت میں تشریف لاتے تو دو رکعت ادا...

اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ جمعہ سے بھی یہی مراد ہے۔

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ جمعہ ظہر کا بدل ہے اور ظہر سے قبل اور بعد سنتیں ہیں لہٰذا جمعہ سے قبل اور بعد بھی سنتیں ہیں۔ بخاری کی اس حدیث کان لا یصلی بعد الجمعۃ حتی ینصرف سے یہ مراد لینا کہ اس سے مراد سنتوں کا مقام ہے۔ یعنی جمعہ کے بعد سنتیں ہیں۔ یہ قیاس غلط ہے کیونکہ امام بخاری نے باب التطوع بعد المکتوبہ، یعنی فرائض کے بعد نفل، کے باب میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ذکر کی ہے کہ

صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سجدتین قبل الظھر وسجدتین بعد الظھر وسجدتین بعد المغرب وسجدتین بعد العشاء وسجدتین بعد الجمعۃ[1]	میں نے حضور صلعم کے ساتھ دو رکعت قبل الظہر اور دو بعد میں اور دو بعد مغرب اور دو بعد عشا اور دو رکعت بعد جمعہ پڑھی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ رضؓ کے نزدیک جمعہ ایک مستقل نماز ہے ظہر کا بدل نہیں ہے ورنہ اس میں ظہر کے نام کے تحت ہی اس کا بھی ذکر آجاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ سے قبل سنتیں نہیں ہیں۔

بعض حضرات نے ابن ماجہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ جس میں حضرت ابوہریرہ رضؓ نے حضرت سلیک غطفانی کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ وہ حضور صلعم کے خطبہ کے وقت تشریف لائے تو حضور صلعم نے ان سے دریافت کیا

اصلیت رکعتین قبل ان تجی قال لا۔ قال فصلی رکعتین وتجوز فیھما	کیا تو نے یہاں آنے سے قبل دو رکعتیں پڑھی ہیں۔ عرض کیا نہیں۔ فرمایا دو مختصر رکعت پڑھلو۔

اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں[2]۔ علامہ ابن تیمیہ نے بیان فرمایا ہے کہ "قبل ان تجئ" سے یہ ظاہر ہے کہ دو رکعت سنت جمعہ سے قبل کی ہیں۔ ان کو تحیۃ المسجد کہا جا سکتا ہے۔ ابو العباس نے بیان فرمایا ہے یہ غلط ہے بلکہ بخاری و مسلم میں ایک حدیث معروف موجود ہے جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ

ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا۔ حضور صلعم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، آپ نے دریافت کیا کیا تم نے دو رکعت پڑھ لیں۔ عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی جمعہ

---

[1] مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد بھی چار رکعت ہیں اسی کو امام محمد نے اختیار کیا ہے لیکن حضرت علی رضؓ کی روایت کی وجہ سے امام ابو یوسف چھ رکعات کو فرماتے ہیں اس لئے بہتر یہ ہے کہ چار رکعت ایک دفعہ میں اور دو رکعت دوسرے سلام سے ادا کی جائیں۔ اھ کبیری صفحہ ۵۲۱ ج ۱۔

[2] اسی واقعہ کی طرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں اشارہ کیا ہے علامہ نے اس حدیث کے تمام رجال کو ثقہ بتلایا ہے لیکن اسکی سند میں ابن لہیعہ ہیں جو ضعیف ہیں۔ جہاں تک خطبہ کے وقت نماز کا تعلق ہے حضرات صحابہ رضؓ اور حضرات تابعین کی ایک بڑی جماعت اس کا انکار کرتی ہے۔ فتح الملہم صفحہ ۴۲۹ ج ۲

کے لئے آئے اور امام خطبہ دیتا ہو تو دو مختصر رکعتیں ضرور پڑھ لینا چاہیئے۔[۱]

یہ حدیث ابن ماجہ کی روایت سے زیادہ محفوظ ہے۔ اور ابن ماجہ کی روایت کے اکثر افراد ضعیف ہیں۔ ہمارے شیخ ابو الحجاج الحافظ المزنی نے بیان کیا ہے۔ اس روایت میں راویوں سے غلطی ہو گئی ہے اصل یوں ہے۔

اصلیت قبل ان تجلس — کیا تو نے بیٹھنے سے قبل نماز پڑھ لی ہے۔[۲]

کتاب ابن ماجہ[۳] اگرچہ کتب متداولہ میں سے ہے مگر مشائخ نے اس کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ بخاری و مسلم کو تمام مشائخ نے صحیح قرار دیا ہے اور ان کی احادیث پر اعتماد کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ بہت سے حضرات نے اس بارے میں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں کسی نے بھی جمعہ سے قبل یا بعد سنتوں کے متعلق اس حدیث کو ذکر نہیں کیا ہے انھوں نے اس حدیث کو تحیۃ المسجد کے مستحب ہونے کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔ جن حضرات نے امام کے خطبہ دینے کے وقت ان سنتوں یعنی تحیۃ المسجد کے استحباب سے انکار کیا ہے اور فرمایا ہے اگر یہ سنت جمعہ ہوتیں تو اس جگہ ان کا ذکر ہونا چاہیئے تھا اور ترجمۃ الباب بھی یہی ہونا چاہیئے تھا اور اس کی شہرت بھی ہونا چاہیئے تھی مگر ایسا نہیں ہے۔ پھر حضور صلعم نے ان دو رکعت یعنی تحیۃ المسجد کے لئے صرف آنے والے ہی کو امر فرمایا ہے اور اگر یہ سنت جمعہ تھیں تو پھر حاضرین کو بھی امر کیا جاتا۔[۴]

بعض حضرات نے سنت جمعہ کے بارے میں ابو داؤد کی حدیث سے استدلال کیا ہے حضرت نافع فرماتے ہیں۔

کان ابن عمر یطیل[۵] الصلوٰۃ قبل الجمعۃ	حضرت ابن عمر رض جمعہ سے قبل طویل نماز پڑھا
ویصلی بعدھا رکعتین فی بیتہٖ	کرتے تھے اور جمعہ کے بعد دو رکعت گھر پڑھا
وحدّث ان رسول اللہ صلی اللہ	کرتے تھے۔ بیان فرمایا کہ حضور صلعم ایسا ہی

[۱] اس حدیث کے بارے میں کلام گزر چکا ہے مزید یہ کہ علامہ عینی نے فرمایا ہے حضرات صحابہ رض میں سے عقبہ بن عامر، ثعلبہ بن مالک، عبد اللہ بن صفوان، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ہیں حضرت عقبہ بن عامر رض فرماتے ہیں۔

والصلوٰۃ والامام علی المنبر معصیۃ — امام منبر پر ہو تو نماز پڑھنا معصیت ہے۔

اسی طرح بکثرت آثار حضرات تابعین کے امام طحاوی نے نقل فرمائے ہیں انکی موجودگی میں جواز صلوٰۃ کا حکم نہیں دیا جا سکتا جہاں تک حدیث کا تعلق ہے اسمیں اضطراب بھی ہے اور اسکی تاویل بھی ممکن ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں فتح الملہم ص ۲۱۶ ج ۲۰

[۲] ایک اضطراب تو یہی ہے کہ ایک جگہ قبل ان تجئی ہے اور ایک جگہ قبل ان تجلس ہے۔ علامہ ابن تیمیہ نے مذکورہ مسئلہ میں اس اضطراب کو نظر انداز کر دیا ہے

[۳] عجالہ نافعہ میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کیا ہے اور صاحب جامع الاصول کی رائے کو تسلیم نہیں کیا۔ ص ۲

[۴] گزشتہ تصریحات میں علامہ کے استدلال کا جواب موجود ہے۔

[۵] یہ روایت نسائی میں بغیر لفظ یطیل کے موجود ہے و نیز حضرت ابن عمر رض کے عمل سے ثابت ہے کہ وہ پڑھا کرتے تھے و نیز اگر اس زیادتی کو صحیح مان لیا جائے تو نفس صلوٰۃ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

علیہ وسلم کان یفعل ذلک　　　کیا کرتے تھے۔

اس حدیث سے بھی سنت قبل جمعہ کا اثبات نہیں ہوتا اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلعم دو رکعت بعد جمعہ گھر پڑھا کرتے تھے[1] مسجد میں نہیں پڑھا کرتے تھے اور یہی افضل ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں موجود ہے حضرت ابن عمر فرماتے ہیں:۔

حضور صلعم جمعہ کے بعد دو رکعت گھر میں پڑھا کرتے تھے اور سنن میں حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ جب وہ مکہ میں تھے تو دو رکعت پڑھا کرتے تھے پھر آگے بڑھ کر دو رکعت پڑھتے تھے پھر آگے بڑھ کر چار رکعات پڑھتے اور مدینہ منورہ کے قیام کے زمانے میں جمعہ کی نماز مسجد میں پڑھتے اور اسکے بعد گھر جاکر دو رکعت نماز پڑھتے[2]

حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا حضور صلعم ایسا ہی کرتے تھے۔ رہا حضرت ابن عمرؓ کا جمعہ سے قبل طویل نماز پڑھنا۔ وہ نوافل تھے[3] یہی اولیٰ ہے کہ جب تک امام آئے نماز میں مشغول رہا جائے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ اور نبیشہ ہذلی کی حدیث میں گذر چکا ہے۔ حضرات صحابہ رضؓ کی سیرت مقدسہ بھی یہی تھی۔

ابن المنذر فرماتے ہیں حضرت ابن عمرؓ جمعہ سے قبل بارہ رکعات پڑھا کرتے تھے اور ابن عباسؓ کے بارے میں مروی ہے وہ آٹھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ نوافل تھے۔ اسی وجہ سے عدد رکعات میں اختلاف ہے، چنانچہ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں حضرت ابن مسعودؓ کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ سے قبل چار اور جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔ اسی کو ابن مبارک، امام ثوری، اسحاق بن ابراہیم نے اختیار کیا ہے۔

ابن ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عبداللہ کو دیکھا کہ جمعہ کے دن وہ نصف النہار سے قبل تک نماز پڑھتے رہتے جب نصف النہار کا وقت ہوتا تو نماز سے رک جاتے تھے، جب اذان ہو چکتی تو دو رکعت یا چار رکعت پڑھا کرتے تھے (یہاں تک گھر کا معمول تھا) اس کے بعد فریضہ جمعہ پڑھ کر مسجد میں بیٹھ جاتے اس کے بعد واپس تشریف لاتے اور دو رکعت اور بعض دفعہ چار رکعات پڑھتے۔ اس طرح چھ رکعات ادا فرماتے یہ بربنائے

---

[1] لیکن کیا یہ ثابت نہیں ہے کہ حضور صلعم فرائض کے علاوہ نمازیں گھر پڑھا کرتے تھے اور اسی کا امر اور اسکی فضیلت بیان فرماتے تھے۔

[2] اس روایت میں حضرت ابن عمرؓ کا قیام مکہ معظمہ کا عمل نقل کیا ہے اسی عمل کی بناء پر حضرت امام ابو یوسف نے جمعہ کی نماز کے بعد چھ رکعات کو مسنون قرار دیا ہے کیونکہ اس میں یہ بھی موجود ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل ذلک　　　حضور صلعم اسی طرح کیا کرتے تھے۔

علامہ ابن قیم نے یہ بات نظر انداز کر دی کہ حضرت ابن عمرؓ کی مکہ معظمہ میں مسافرانہ حیثیت تھی۔ اسی وجہ سے وہ وہاں چھ رکعات پڑھا کرتے تھے اور مدینہ منورہ گھر تھا اسوجہ سے انکو گھر پڑھا کرتے تھے اسلئے بعد جمعہ نماز سے انکار مشکل ہے۔

[3] نوافل کہدینے سے سنیت کا انکار کیسے ہو سکتا ہے؟ فرائض و واجبات کے علاوہ تمام نمازیں نوافل ہیں۔ جنکو حضور صلعم کی طرف انتساب کی وجہ سے سنت کہتے ہیں، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو فتح القدیر ص۲۵۶ ج ۱۔ بذل المجہود ص۱۹۸ ج ۲

حضرت علی رضؓ کی روایت کے ہیں [1]

بعض دفعہ ان چھ رکعات کے بعد مزید چھ رکعات یا کم یا کچھ زیادہ پڑھتے ۔ اسی روایت کو انکے شاگردوں نے اختیار کیا ہے کہ جمعہ سے قبل دو سنت یا چار سنتیں ہیں اس میں صراحت نہیں اور نہ ظاہر ہے کیونکہ امام احمدؒ وقت نہی (زوال) نماز نہیں پڑھتے جب سورج زائل ہو جاتا تو نوافل ضرور پڑھا کرتے تھے اور امام کے نکلنے تک پڑھا کرتے تھے ۔ بعض دفعہ چار رکعات پڑھ پاتے اور بعض دفعہ دو ہی رکعات پڑھ پاتے ۔

جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ جمعہ سے قبل سنتیں ہیں ان کے سامنے ابن ماجہ کی یہ روایت ہے جسکو انھوں نے عن حجاج بن ارطاۃ عن عطیہ العوفی عن ابن عباس اس طرح روایت کیا ہے ۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرکع قبل الجمعۃ اربعًا لا یفصل بینھما

حضور صلعم جمعہ سے قبل درمیان میں فصل کئے بغیر ایک ہی سلام سے چار رکعات ادا فرماتے ۔

اس روایت کو ابن ماجہ نے "باب الصلوٰۃ قبل الجمعۃ" میں ذکر کیا ہے جس میں چند خرابیاں ہیں ۔ ایک تو یہ ہے اس کی سند میں بقیہ بن الولید امام المدلسین ہے ۔ انھوں نے اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا بلکہ عنعنہ کرکے روایت بیان فرمادی ۔ ۲۔ اس کی سند میں مبشر بن عبید ہیں جو منکر ہیں ۔ ۳۔ حجاج بن ارطاۃ ضعیف بھی ہیں اور مدلس بھی ہیں ۔ ۴۔ عطیہ عوفی ان کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں ہشیم کو ان پر اعتراض ہے اور امام احمدؒ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے ۔ عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد محترم سے سنا ہے وہ فرماتے تھے حمص میں مبشر بن عبید ایک صاحب تھے میرا خیال یہ ہے کہ وہ کوفی تھے [3] ان سے بقیہ اور ابو مغیرہ نے روایات نقل کی ہیں جو موضوع ہیں اور غلط ہیں دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ متروک الحدیث ہیں ۔ اور ان کا کوئی متابع نہیں ہے امام بیہقی نے فرمایا ہے عطیہ عوفی قابل استناد نہیں ہیں اور مبشر بن عبید حمصی وضع حدیث کرتے ہیں اور حجاج بن ارطاۃ بھی قابل اعتبار نہیں ہیں ۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ حدیث تین ضعیف راویوں کے ضعف کی وجہ سے بالکل بدل گئی ہے ان حضرات کا حافظہ بھی ٹھیک نہیں ہے اور یہ محتاط بھی نہیں ہیں ۔ ان حضرات نے بیان کیا ہے ۔ قبل الجمعۃ اربعًا یعنی جمعہ سے قبل چار ۔ حالانکہ بعد الجمعۃ ہے اسی طرح یہ روایت صحیح بخاری کے موافق ہو جاتی ہے اس حدیث میں راویوں کو اسی طرح مغالطہ ہو گیا ہے جس طرح عبداللہ بن

---

[1] اسی کو حضرت امام ابو یوسف نے اختیار کیا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد چھ رکعات ہیں اور اسکی تائید حضرت ابن عمرؓ کے عمل سے بھی ہو رہی ہے ۔

[2] لیکن ابوالحسن خلفی نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے ۔ اس کے علاوہ ابن عدی اور ابن حبان نے بھی اپنی اپنی سنن میں اسکو نقل کیا ہے ۔

[3] کوفی کہہ کر علامہ نے حدیث کو کمزور کیا ہے کیونکہ بعض محدثین کے نزدیک اہل کوفہ کی حدیث معتبر نہیں حالانکہ بخاری شریف کے رجال میں اہل کوفہ بھی داخل ہیں ۔ عزیز الرحمٰن غفرلہ

عمر العمری کی روایت میں ہے۔

للفارس سهمين وللراجل سهماً — سوار کے دو حصے پیدل کا ایک حصہ ہے۔

امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ راوی نے نافع سے اس کو اس طرح روایت کر دیا للفرس سهمين گھوڑے کے دو حصے اور پیدل کا ایک حصہ ہے حالانکہ انھوں نے مذکورۃ الصدر بات فرمائی تھی۔ اس طرح ابن عمر العمری کی روایت اپنے بھائی عبیداللہ کی روایت کے مطابق ہو جائے گی (کیونکہ عبیداللہ نے فارس ذکر کیا ہے) اہل علم کا ارشاد ہے کہ حافظہ کے اعتبار سے عبیداللہ مقدم ہیں۔

میں کہتا ہوں (مذکورۃ الصدر حدیث قبل الجمعۃ اربعاً الخ) کی مثال ابن تیمیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی کی حدیث سے دی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رض کی حدیث میں ہے لا تزال جهنم يلقى فيها وهي تقول هل من مزيد حتى يضع ربه قدمه فيزوى بعضها الى بعض وتقول قط قط واما الجنة فينشئ الله لها خلقاً اخرين۔ اس روایت کو بعض راویوں نے بدل کر اما النار الخ کر دیا۔[۱]

میں کہتا ہوں اس کی واضح تر مثال حضرت عائشہ صدیقہ رض کی روایت ہے ان بلالاً يوذن بليل فكلوا واشربوا حتى يوذن ابن ام مكتوم۔ یہ روایت بخاری و مسلم میں موجود ہے اسکو بدل کر بعض راویوں نے یوں کر دیا ان ابن ام مكتوم يوذن بليل الخ[۲] پھر میرے نزدیک اس کی ایک مثال اور ہے (یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی نے بیان فرمائی ہے) اذا صلى احدكم فلا يبرك البعير وليضع يديه قبل ركبتيه[۳] میرا خیال یہ ہے کہ ان سے غلطی ہوئی ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ حضور صلعم نے کیا ارشاد فرمایا تھا۔ حضرت وائل بن حجر بیان فرماتے ہیں كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه۔ امام خطابی فرماتے ہیں حضرت ابو ہریرہ رض کی حدیث کے مقابلہ میں حضرت وائل بن حجر رض کی حدیث زیادہ صحیح ہے۔ بہر حال اس مسئلہ میں میں بہت دور چلا آیا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ حضور صلعم جمعہ کی نماز پڑھ کر دولت خانہ تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت سنت ادا کرتے اور یہی آپ نے امر فرمایا ہے کہ جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھی جائیں۔ ہمارے شیخ ابن تیمیہ نے بیان فرمایا ہے کہ حضور صلعم مسجد میں پڑھتے تو چار پڑھتے اور گھر میں پڑھتے تو دو رکعت

---

[۱] ان روایات کو ذکر کر کے علامہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح ان روایات میں تصرف ہو گیا اسی طرح ابن ماجہ کی روایت میں بعد الجمعۃ کے بجائے قبل الجمعۃ ہو گیا [۲] یہ حدیث کتاب الصوم میں مذکور ہے جس سے سحری کے وقت کی طرف اشارہ ہے کہ اسکا وقت طلوع صبح صادق تک رہتا ہے [۳] اس حدیث پر کلام سیرت خیر العباد کے حصہ اول میں ہو چکا ہے۔

پڑھتے تھے۔ میں کہتا ہوں احادیث میں بھی اسی طرح موجود ہے ابوداؤد نے ذکر کیا ہے۔

کان اذا صلی فی المسجد صلی اربعًا	جب آپ مسجد میں پڑھتے تو چار رکعات
واذا صلی فی بیتہٖ صلی رکعتین	پڑھتے اور جب گھر پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے تھے

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضور صلعم جمعہ کے بعد دو رکعت گھر میں
کان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین	پڑھا کرتے تھے۔
فی بیتہٖ	

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے:۔

اذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل	تم میں سے جب کوئی جمعہ پڑھے تو اسکے
بعدھا اربع رکعات	بعد چار رکعات پڑھے۔

واللہ اعلم۔

پچیسواں باب[۲۵]

صلوٰۃ عیدین

نماز عید کی جگہ

حضور صلعم عیدین کی نماز عید گاہ[۱] میں پڑھا کرتے تھے۔ یہ مدینہ منورہ کے باب شرقی پر تھی۔ اس جگہ آج کل حجاج کرام اپنی سواریاں ٹھہراتے ہیں اور پڑاؤ کرتے ہیں۔ حضور صلعم نے مسجد میں صرف ایک ہی مرتبہ نماز عید پڑھی ہے کیونکہ اس مرتبہ بارش ہوئی تھی۔ یہ حدیث سنن ابوداؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہے ویسے عام طور پر آپ کی عادت مبارکہ عید گاہ ہی میں نماز پڑھنے کی تھی۔

احسن لباس

حضور صلعم عیدین کی نماز کے لئے اچھا لباس پہنا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے دو سبز چادریں بھی زیب تن فرمائی ہیں۔ ایک مرتبہ سرخ چادر بھی اوڑھی۔ اور سرخ چادر گہری سرخ نہیں تھی جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے بلکہ یہ یمنی چادر تھی جس میں سرخ دھاریاں تھیں۔

حضور صلعم کی عادت شریفہ تھی کہ عید الفطر کی نماز کے لئے تشریف لے جانے سے قبل چھوہارے طاق تعداد میں نوش فرمایا کرتے تھے۔ اور عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے بلا کچھ کھائے تشریف لے جایا کرتے تھے اور واپس ہو کر اپنی قربانی کا گوشت تناول فرمایا کرتے تھے۔

---

[۱] غالباً اسی جگہ کیلئے علامہ سمہودی نے بیان کیا ہے کہ اس جگہ میں پہنچا تو میں نے اسجگہ پر غلاظت کا ڈھیر پایا چنانچہ میں نے شیخ الشہاب احمد النوسی سے ملکر اسجگہ مسجد تعمیر کروائی۔ علامہ سمہودی نے حضور صلعم کی عیدگاہ ہونکے بارے میں علامہ واقدی کے حوالے سے (خلاصۃ الوفاء ص ۱۰۸)

حضور صلعم کی عید گاہیں

حضور صلعم نے سب سے پہلی عید کی نماز ۲ھ میں پڑھی یہ نماز میدان میں پڑھی گئی اسی کے بارے میں ہے کہ آپ کے سامنے عنزہ لیکر چلا گیا جس کو سترہ کی جگہ استعمال کیا گیا تھا۔ ابن ابی شیبہ نے بروایت ابی ہریرہ رض ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلی عید اور بقرہ عید کی نماز فناء دار حکیم بن عداء میں پڑھی گئی۔ اسجگہ حضرت عثمان رض کے زمانہ میں مسجد بنا دی گئی تھی۔ یہ بھی روایت ہے کہ سب سے پہلے عید کی نماز حارۃ الدرس میں ابن ابی الجنوب کے گھر کے پاس پڑھی گئی اور دوسری عید کی نماز دار حکیم بن عداء میں پڑھی گئی۔ تیسری مرتبہ دار عبداللہ...... المزنی کے پاس پڑھی گئی چوتھی مرتبہ حناطین کے پاس پڑھی تھی۔ ابن ابی شیبہ نے ابراہیم بن امیۃ کی سند سے ذکر کیا ہے کہ حضور صلعم نے عید کی نماز دار الشفاء کے پاس پڑھی اس کے بعد حارۃ الدرس میں اس کے بعد دار حکیم بن عداء میں پڑھی۔ آج کل جس کو عیدگاہ کہتے ہیں اس جگہ آپ نے چند مرتبہ عید کی نماز پڑھی ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس جگہ اور مسجد نبوی کے درمیان ایک ہزار ذراع کا فاصلہ تھا (وفاء الوفا صفحہ ۴۲ج ۲) ان تمام مقامات کا پورا تعارف ایک عرب نوجوان مولف نے اپنی کتاب عمدۃ الاخبار فی مدینۃ المختار میں کرایا ہے۔

عید کی نماز کیلئے غسل

حضور صلعم عید کی نماز کیلئے غسل فرمایا کرتے تھے۔ اس بارے میں صحیح حدیث بھی موجود ہے اور دو حدیث ضعیف بھی ہیں۔ ایک حدیث حضرت ابن عباس رضہ کی جبارۃ بن مغلس کی سند سے اور دوسری حدیث الفاکہ بن سعد، یوسف بن سمتی کی سند سے ہے حضرت ابن عمر رضہ حضور صلعم کی سنت کے بہت زیادہ متبع تھے وہ فرماتے ہیں:۔

انہ کان یغتسل یوم العید قبل خروجہ — حضور صلعم عید کی نماز کیلئے تشریف لیجانے سے قبل غسل فرماتے تھے۔

حضور صلعم عید کی نماز کے لئے پیدل تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور آپ کے آگے (حضرت بلال رضہ) نیزہ لیکر چلا کرتے تھے[۱] جب عید گاہ میں پہونچتے تو (سترہ) کی جگہ نیزہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ اس وقت عیدگاہ صرف ایک میدان تھا نہ کوئی دیوار تھی اور نہ کوئی عمارت۔ عید کی نماز ذرا تاخیر سے پڑھی جاتی تھی اور بقرہ عید کی نماز جلدی۔ حضرت ابن عمر رضہ اتباع سنت میں بہت زیادہ حریص تھے وہ سورج طلوع ہونے کے بعد گھر سے باہر تشریف لاتے اور عیدگاہ تک تکبیر کہتے ہوئے تشریف لے جاتے۔

حضور صلعم عیدگاہ میں پہونچنے کے بعد بلا اذان اور اقامت کے عیدین کی نماز ادا فرماتے تھے اور تثویب کے کلمات الصلوٰۃ جامعۃ بھی نہیں کہے جاتے تھے۔ بہرحال آپ اور آپ کے صحابہ رضہ میں سے کوئی بھی عید کی نماز سے قبل اور نہ عید کی نماز کے بعد کوئی سی نماز نہیں پڑھتے تھے[۲]

عید کی نماز

حضور صلعم عید کی نماز خطبہ سے پہلے ادا فرمایا کرتے تھے۔ اور دو رکعت پڑھا کرتے تھے پہلی رکعت میں مسلسل سات تکبیر کہتے تھے[۳] اور ہر تکبیر کے بعد قدرے توقف فرماتے۔ آپ سے تکبیرات کے درمیان کچھ پڑھنا ثابت نہیں ہے لیکن حضرت ابن مسعود رضہ سے ثابت ہے کہ وہ تکبیرات کے درمیان اللہ کی حمد وثنا کیا کرتے تھے اور حضور صلعم پر درود شریف بھیجا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ ہر تکبیر میں رفع یدین فرمایا کرتے تھے تکبیرات سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلعم سورہ فاتحہ اور اس کے بعد سورۂ ق کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد اقتربت

---

[۱] یہ نیزہ آج تک محفوظ ہے ملاحظہ فرمایئے وفاء الوفا[۲] صلوٰۃ الجمعہ کے حاشیہ کے تحت اس پر کلام ہو چکا ہے۔

تکبیرات عیدین

[۳] اس مسئلہ میں دو جگہ اختلاف ہے اول تعداد تکبیرات میں دوسرے مقام تکبیرات میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ پہلی رکعت میں قبل قرأت تین تکبیر زائد اور دوسری رکعت میں بعد قرأت تین تکبیر زائد ہیں یہی عمل حضرت عبداللہ بن مسعود رضہ کا تھا جسکو امام ابو حنیفہ نے اختیار کیا ہے اسکے متعلق امام ترمذی نے بیان فرمایا ہے:۔

وقد روی عن غیر واحد من الصحابۃ نحو ھذا — ایک سے زیادہ صحابہ رضہ سے یہی مروی ہے۔

ابن مریم نے فرمایا ہے کہ اسکی سند انتہا درجہ کی صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ عبدالرزاق نے بھی اسکو صحیح سند سے (باقی صفحہ ۱۶۵ پر)

یا سورہ اعلیٰ یا سورہ غاشیہ کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ یہ قرأت صحیح روایات سے ثابت ہے۔ جب قرأت سے فارغ ہونے تو تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جاتے۔ سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد پانچ تکبیریں مسلسل ادا فرماتے اور اس کے بعد قرأت شروع فرماتے بہرحال دونوں رکعت کے شروع میں زائد تکبیرات کہتے تھے۔

حضور صلعم سے یہ بھی ثابت ہے کہ دوسری رکعت کی قرأت سے فارغ ہو کر تکبیرات کہتے لیکن یہ بات صحیح روایات سے ثابت نہیں ہے[۱]۔ اس روایت کو محمد بن معاویہ نیساپوری نے روایت کیا ہے جن کے متعلق بیہقی نے فرمایا ہے کہ ان کی بہت سے آدمیوں نے تکذیب کی ہے[۲]۔ امام ترمذی نے کثیر بن عبداللہ کی روایت نقل کی ہے :۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ	حضور صلعم نے عیدین کی پہلی رکعت میں
وسلم کبر فی العیدین فی الاولیٰ	سات تکبیریں قبل قرأت اور پانچ تکبیریں
سبعاً قبل القرأۃ وفی الثانیۃ	دوسری رکعت میں قبل قرأت ادا
خمساً قبل القرأۃ	فرمائی ہیں۔

امام ترمذی بیان فرماتے ہیں میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے بیان فرمایا اس حدیث سے زیادہ صحیح دوسری حدیث اس مسئلہ میں موجود نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد غالباً یہ ہے کہ عیدین کی دونوں رکعات میں بارہ تکبیریں ہیں سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعات میں اور نہ آپ نے عید کی نماز سے قبل کوئی نماز پڑھی اور نہ بعد میں۔

امام احمد فرماتے ہیں میں نے اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ میں کہتا ہوں امام احمد نے کثیر بن عبداللہ کی حدیث اپنی مسند میں نقل فرمائی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اس حدیث کے مرتبہ کی دوسری حدیث نہیں ہے امام ترمذی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اس حدیث کو کبھی صحیح کہتے ہیں اور کبھی حسن کہتے ہیں۔

خطبۂ عیدین

حضور صلعم عیدین کی نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے اور اگر جہاد پر کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو اس لشکر کو بھی اسی وقت رخصت فرماتے۔ اس جگہ کوئی منبر نہیں تھا اور کوئی منبر ہمراہ بھی نہیں لے جایا جاتا تھا بلکہ آپ زمین پر

گذشتہ سے پیوستہ روایت کی ہے۔ محمد بن سیرین نے حضرت انس رضہ سے بھی یہی روایت کیا ہے اھ حاشیہ کتاب الحجہ صفحہ ۳۰۵ ج ۱۔ حضرت امام شافعی نے حضرت ابن عباس رضہ کا قول اختیار کیا ہے لیکن عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت ابن عباس رضہ کا وہی عمل نقل کیا ہے جو حضرت ابن مسعود رضہ کا عمل تھا یہی مسلک حضرت ابوموسیٰ اشعری، حذیفہ بن یمان، عقبہ بن عامر، ابن زبیر رضہ، حسن بصری، ثوری، ابن سیرین وغیرہ رضی اللہ عنہم کا ہے البنایہ صفحہ ۱۰۲۶۔

[۱] ایضاً ۱۳ [۲] جرح مجمل ہے اس وجہ سے معتبر نہیں ہے۔

کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ حضرت جابر رضہ فرماتے ہیں میں حضور صلعم کے ساتھ عیدین کی نماز میں موجود تھا آپ نماز خطبہ سے پہلے ادا فرمایا کرتے تھے۔ نہ اذان ہوتی اور نہ اقامت۔ حضرت بلال رضہ سے سہارا لگا کر زمین پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ لوگوں کو نصیحت فرمانے کے بعد عورتوں کے اجتماع کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کو وعظ و نصیحت فرماتے۔

حضرت ابو سعید خدری رضہ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم عیدین کی نماز کے لئے عیدگاہ تشریف لاتے اور پہلے عید کی نماز ادا فرماتے اور پھر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ اور سواری پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اور لوگوں کو صدقہ کا حکم دیتے۔ اور عورتوں کو بھی صدقہ کا حکم فرماتے تھے۔ چنانچہ وہ بالیاں اور انگوٹھیاں صدقہ میں پیش کرتیں۔

ابن قیم فرماتے ہیں میری رائے یہ ہے کہ اس روایت میں راوی کو وہم ہو گیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یوم النحر میں خطبہ اونٹنی پر سوار ہو کر دیا ہے اور یہ واقعہ منیٰ کا ہے۔ بقی بن مخلد نے اس حدیث کو اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ اسی کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے مگر فرق اسقدر ہے کہ ابن ماجہ نے عن ابی کریب عن ابی سلمۃ عن داؤد روایت کیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ بخاری و مسلم کی حدیث بروایت حضرت ابن عباس رضہ ویسے ہی منقول ہے جیسا کہ حضرت جابر رضہ نے بیان فرمایا۔

شهدت صلوٰة الفطر مع نبی الله	میں حضور صلعم اور حضرت ابو بکر رضہ عمر رضہ
صلی الله علیه وسلم وابی بکر و	عثمان رضہ کے ہمراہ عید الفطر کی نماز میں شریک
عمر وعثمان رضی الله عنهم	رہا ہوں یہ سب حضرات خطبہ سے قبل ہی نماز
فکلهم یصلیها قبل الخطبة	ادا فرمایا کرتے تھے۔

پھر خطبہ دینے اس کے بعد نیچے اتر کر آتے۔ اس کے بعد دوسری جانب متوجہ ہوتے اور عورتوں کے اجتماع کیطرف آتے اور وہاں وعظ فرماتے اور حضرت بلال رضہ کے ساتھ ہوتے۔ وہاں آپ نے ارشاد فرمایا

یا ایها النبی اذا جاءك المومنات	اے نبی جب آپ کے پاس مومنہ عورتیں
یبایعنك علی ان لا یشرکن بالله	بیعت ہونے آئیں کہ وہ اللہ کا شریک

ل عید کے موقعہ پر عورتوں کا عیدگاہ میں آنا یہ حضور صلعم کے زمانہ تک تھا بعد میں عورتوں کے نکلنے پر پابندی لگادی گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں کہ اگر حضور صلعم آجکل کی عورتوں کی حالت دیکھتے تو انکو روک دیتے الحاشیہ مسند امام اعظم صفحہ ۱۶۶ علاوہ ازیں عورتوں پر عید کی نماز کیلئے نکلنا واجب بھی نہیں ہے تو پھر کیوں اجازت دیجائے جبکہ دوسری طرف فتنہ بھی موجود ہے حضرت عائشہ رضہ کی مذکورہ حدیث ابو داود میں موجود ہے۔ بخاری نے بھی ایک روایت تعلیقاً ذکر کی ہے اسکے علاوہ متعدد احادیث ممانعت کی موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ کتاب الحجہ صفحہ ۳۰۴ ج ۱

شیاء   نہ بنائیں گی الخ

بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضہ کی حدیث ہے کہ آپ نے پہلے عید کی نماز پڑھی پھر خطبہ دیا ، اس سے فارغ ہو کر آپ نیچے اترے اور عورتوں کے اجتماع کی طرف آئے الخ۔ ان دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا کرتے تھے یا سواری پر خطبہ دیا کرتے تھے ، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کچی اینٹوں اور مٹی سے منبر بنا دیا جاتا ہو گا لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ مسجد سے منبر نہیں لے جایا جاتا تھا البتہ یہ بدعت مروان بن حکم نے شروع کی تھی اسی وقت اس پر بند لگا دیا گیا تھا۔[۱] اور مٹی اور کچی اینٹوں کا منبر سب سے اول کثیر بن صلت نے مروان کی خلافت کے زمانے میں بنایا تھا۔ ایسے ہی بخاری و مسلم کی روایت میں موجود ہے ، حضور صلعم کے بارے میں جو منقول ہے اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ کوئی اونچی جگہ ہوگی (جس کو چبوتری کہا جاتا ہے) جس پر چڑھ کر آپ خطبہ دیا کرتے ہوں گے ۔

خطبہ کے افتتاحی الفاظ

حضور صلعم عیدین کا خطبہ مثل دوسرے خطبوں کے حمد سے شروع فرمایا کرتے تھے ، یہ آپ سے ثابت نہیں ہے کہ آپ نے عیدین کے خطبہ کی ابتدا تکبیر سے کی ہو البتہ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت سعد موذن النبی صلعم کی حدیث میں آپ کا عمل نقل کیا ہے ۔

یکثر التکبیر فی خطبتی العیدین   آپ عیدین کے خطبہ میں تکبیر زیادہ پڑھا کرتے تھے

اس سے افتتاح بالتکبیر ثابت نہیں البتہ یہ ثابت ہے تکبیرات زیادہ فرماتے تھے۔ لوگوں میں اختلاف ہے کہ عیدین کے خطبہ کی ابتدا تکبیر سے اور استسقا کے خطبہ کی ابتدا استغفار سے فرماتے اور یہ بھی ہے کہ حمد سے ابتدا فرماتے تھے ۔ ابن تیمیہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اسلئے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے ۔

جو کام بلا حمد کے شروع کیا جاوے وہ بے برکت ہے ۔

بہر حال آپ تمام خطبات کی ابتدا حمد سے فرمایا کرتے تھے۔[۲]

عیدین کا خطبہ سننا

حضور صلعم نے عیدین کا خطبہ سننے کا اختیار دیا ہے چاہے بیٹھ کر سن لیا جائے اور چاہے واپس ہو جائیں۔[۳] اگر جمعہ کے دن عید آجائے تو پہلے

---

[۱] حافظ ابن حجر بیان فرماتے ہیں حضور صلعم اونچی زمین پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے اس کو راوی نے منزل سے تعبیر کیا ہے ورنہ عیدین کا خطبہ آپ نے منبر پر نہیں دیا اور نہ آپ کے لئے وہاں کوئی منبر بنایا گیا الخ بذل المجہود صفحہ ۲۰۳ ج ۲ ، علاوہ ازیں ہمارے ابتدائی حاشیہ میں گذر چکا ہے کہ آپ نے عیدین کی نماز مختلف مواضع میں ادا کی ہے اسلئے عارضی طور پر بھی کسی جگہ منبر بنانے کی ضرورت پیش نہیں آئی [۲] پہلی جلد کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے عیدین کے خطبہ کی ابتداء تکبیر سے (باقی صفحہ ۱۶۸ پر)

عید کی نماز پڑھی جائے اور بعد میں جمعہ کی۔ حضور صلعم عیدین کی نماز پڑھنے کے لئے ایک راستے سے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے۔ غالباً اس میں یہ حکمت ہوگی تاکہ دونوں راستوں پر لوگ ملیں ان کو السلام علیکم کیا جائے یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں راستوں کی برکت حاصل ہو جائے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں راستوں کے باشندوں کی حاجت روائی ہو جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسلامی شوکت کا مظاہرہ ہو جائے اور منافقین اور کفار مسلمانوں کی کثرت سے مرعوب ہو جائیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں راستوں کے نشان قدم قیامت میں گواہی دیں۔ میں کہتا ہوں یہ سب وجوہات قرین قیاس ہیں اور ان سب کا پیش نظر ہونا اغلب ہے۔

تکبیرات تشریق

آپ سے منقول ہے کہ آپ یوم عرفہ کی فجر سے ایام تشریق کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد فرمایا کرتے تھے[1]

گذشتہ سے پیوستہ کرنا متوارث ہے اور یہی صحیح ہے۔

[2] حنفیہ کے نزدیک عیدین کا خطبہ شرائط عیدین میں سے نہیں ہے اسلئے اختیاری ہے لیکن خطبہ شروع ہونے کے بعد اس کا سننا واجب ہے اور یہی حکم تمام خطبات کا ہے۔

[1] تکبیرات تشریق کے متعلق نو اقوال ہیں علامہ نے مشہور اور مغنی یہ قول نقل کیا ہے یہی حنفیہ کا مسلک ہے امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے کہ فجر عرفہ سے لیکر یوم النحر کی عصر تک تکبیرات تشریق ہیں امام محمد اور امام ابو یوسف نے احتیاط بجانب کثرت کو اختیار کیا ہے یعنی ایام تشریق کی عصر تک۔ یہی قول حضرت عمر بن خطاب رضؓ حضرت علی رضؓ حضرت عبد اللہ بن عباس رضؓ کا ہے اسی کو امام ثوری، سفیان بن عیینہ امام شافعی نے اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے الخ البنایہ صفحہ ۱۰۳۶۔

چھبیسواں باب (۲۶)

صلوٰۃ کسوف کا بیان

صلوٰۃ کسوف اور سیرت النبیؐ

جب[1] سورج گرہن ہوا تو حضور صلعم خوف زدہ ہو کر جلدی سے مسجد کی طرف گئے۔ آپ کی رِدائے مبارک گھسٹ رہی تھی۔ یہ سورج گرہن دن کے اول حصہ میں اس وقت ہوا تھا کہ سورج بقدر دو نیزہ یا تین نیزہ بلند ہوا تھا۔ بہر حال آپ نے دو رکعت نماز پڑھی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی طویل سورت پڑھی۔ اور جہراً قرأت فرمائی[2]۔ پھر طویل رکوع کیا اور اس کے بعد سر اٹھایا پھر دیر تک قیام فرمایا اور یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا۔ راوی کا فرمانا ہے کہ آپ نے سمع اللہ لمن حمدہ و ربنا لک الحمد کہتے ہوئے سر اٹھایا تھا اور پھر قرأت شروع فرما دی تھی۔ اس کے بعد رکوع کیا اور یہ رکوع پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر رکوع سے سر اٹھایا اور پھر ...... سجدے کئے پھر ایسے ہی دوسری رکعت میں کیا لہٰذا ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے ہوئے اس طرح آپ نے دو رکعت چار رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ پوری فرمائیں[3]۔

عجائبات صلوٰۃ

اسی نماز میں آپ نے جنت اور دوزخ کا مشاہدہ فرمایا تھا اور آپ کو جنت کے انگور توڑنے کا خیال ہوا تھا تاکہ حضرات صحابہ رضؓ کو دکھائیں اور آپ نے اہل عذاب اور

صلوٰۃ کسوف

[1] سورج گرہن کب ہوا اس بارے میں مختلف اقوال ہیں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے شرح احیاء سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ میں ۱۰ھ میں پیش آیا۔ اسی سال حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلعم کا انتقال ہوا تھا۔ اوجز صفحہ ۲۰۰ ج ۲

[2] جہراً قرأت کرنے کا مسلک امام شافعی صاحب کا ہے اور یہی مسلک حضرات صاحبین کا ہے۔ انھوں نے نماز کسوف کو صلوٰۃ عیدین اور جمعہ پر قیاس کیا ہے اور مذکورہ روایت سے بھی ان کی تائید ہو رہی ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی تائید میں حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت ہے جس کو بیہقی اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے اور روایت سمرۃ بن جندب جس کو اصحاب سنن نے روایت کیا ہے۔ یہ وہ حدیثیں ہیں جن میں جہراً قرأت کا انکار ہے صاحب ہدایہ نے امام شافعی صاحب کو جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کی دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی حدیث ہے اور یہ ظاہر ہے کہ وہ اس بارے میں مردوں سے زیادہ واقف کار نہیں کیونکہ مردوں کی جماعت تو حضور صلعم کے قریب تھی اور عورتوں کی سب کے پیچھے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اگلے والوں کو علم نہ ہو اور پچھلے والوں کو معلوم ہو جائے اھ البنایہ صفحہ ۱۰۵ ج ۲۔

[3] حنفیہ کے نزدیک کسوف کی نماز بھی مثل اور نمازوں کے ایک رکوع والی ہے اور یہی مستحب ہے حضرت امام شافعی صاحبؒ نے جو صورت اختیار کی ہے وہ جواز کی ہے اھ صفحہ ۱۰۳ ج ۱ البنایہ۔

اس عورت کو بھی دوزخ میں دیکھا تھا کہ جس نے بلی پال رکھی تھی اور اس کو بھوکا مار دیا تھا۔ اور آپ نے عمرو بن مالک کو بھی دوزخ میں دیکھا جو اپنی آنتوں کو گھسیٹتا پھر رہا تھا یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے دین ابراہیمی کو مسخ کیا تھا۔[1] اور آپ نے دوزخ میں حاجیوں کے چور کو بھی دیکھا۔[2]

نماز کے بعد آپ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔

ان الشمس والقمر آیتان من	سورج اور چاند اللہ کی آیتوں میں سے دو
آیات اللہ لا ینخسفان لموت احد	نشانیاں ہیں یہ کسی کے مرنے یا جینے سے
ولا لحیاتہ فاذا رأیتم ذلک	گرہن نہیں ہوتے جب تم یہ دیکھو تو اللہ سے
فادعوا اللہ وکبروا وصلوا وتصدقوا	دعا مانگو، تکبیر کہو اور نماز پڑھو اور صدقہ دو
یا امۃ محمد واللہ ما احد اغیر	اے امت محمد۔ قسم خدا کی اللہ تعالیٰ سے زیادہ
من اللہ ان یزنی عبدہ او تزنی	کوئی غیرت دار نہیں ہے کہ اسکا کوئی بندہ یا
امتہ یا امۃ محمد	بندی زنا کرے اے امت محمد

قسم خدا کی جو میں جانتا ہوں اگر تمھیں معلوم ہو جائے تو روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔ اور میں نے (آج) اس جگہ ہر وہ چیز دیکھی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا تھا۔ پھر تم نے جب آگے بڑھتے دیکھا ہوگا تو میں جنت کے انگوروں کا خوشہ توڑنے کو آگے بڑھا تھا جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے دیکھا ہوگا تو میں نے دوزخ کو دیکھا تھا کہ اس کی لپٹیں آپس میں ایک دوسرے سے لپٹ رہی تھیں۔ ایک روایت میں یوں بھی ہے۔

ورأیت النار فلم ار کالیوم منظراً	میں نے آج دوزخ کو دیکھا اس سے زیادہ خوفناک
قط افظع منہا	منظر اس کا کبھی نہیں دیکھا۔

میں نے دوزخیوں میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا۔ صحابہؓ نے دریافت کیا حضورؐ! اس کیا وجہ؟ ارشاد فرمایا ان کے کفر کی وجہ سے۔ عرض کیا۔ کیا وہ اللہ کا کفر کرتی ہیں؟ فرمایا اپنے خاوند کے احسانات کا انکار کرتی ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی مدت العمر ان کے ساتھ احسان کرے اور وہ گھڑی بھر کے لئے کوئی چیز مرضی کے خلاف پائیں تو عمر بھر کے احسانات کا انکار کر دیتی ہیں۔ میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ تم لوگوں کی قبور میں فتنۂ دجال کی سی یا اس سے قریب جیسی آزمائش ہوگی چنانچہ تم میں سے ہر ایک سے یہ پوچھا جائے گا۔

---

[1] حضرت اسماعیل علیہ السلام کے وصال کے بعد اس نے دین ابراہیمی کو بدل دیا تھا بت پرستی شروع کرا دی تھی قریش اور جہلائے عرب میں جس قدر مراسم تھے ان سب کا موجد یہی ہے اس کی کنیت ابو ثمامہ ہے۔ فتح الملہم صفحہ ۴۵۶ ج ۲

[2] مسلم شریف کی روایت میں اس کو صاحب محجن کے لقب سے ذکر فرمایا ہے اس سے زیادہ اس کی تفصیل نہیں ملی کہ یہ کون تھا۔

قبر میں سوالات

ما علمك بهذا الرجل [1] اس شخص کے بارے میں تم کیا علم رکھتے ہو۔

لہٰذا مومن (راوی کو شک ہے کہ آپ نے لفظ مومن فرمایا یا موقن فرمایا) کہے گا "یہ محمد رسول اللہ صلعم ہیں جو ہمارے پاس بینات اور ہدایت لیکر آئے۔ ہم نے ان کی دعوت کو قبول کیا اور ہم نے ان کی اتباع کی اور ہم ان پر ایمان لائے۔ چنانچہ اس سے کہا جائے گا آرام سے سو جا معلوم ہو گیا تو مومن ہے۔

رہا منافق کا معاملہ (راوی کو شک ہے کہ منافق فرمایا یا مرتاب فرمایا) وہ اس سوال کے جواب میں کہے گا میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں کو ان کے بارے میں کچھ کہتے سنا تھا وہی میں نے کہا ہوگا اب یاد نہیں کہ کیا کہا تھا [2]

امام احمد بن حنبل نے دوسری سند سے اس واقعہ کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ حضور صلعم نے جب نماز سے سلام پھیرا تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانی عبدہٗ ورسولہ

---

[1] الرجل سے مراد آنحضور صلعم ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں حضور صلعم کا اسم گرامی صراحۃً مذکور ہے۔ لانے والوں سے مراد دو فرشتے ہیں منکر و نکیر ہوں گے لیکن فقہا نے بیان کیا ہے یہ عذاب کے فرشتوں کا نام ہے بلکہ یہاں لانے والے دوسرے دو فرشتے ہوں گے جن کو بشر اور بشیر کہا جاتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضور صلعم کی شبیہ دکھائی جائے گی؟ بعض نے کہا ہٰذا سے مراد دنیا کی زندگی کی طرف اشارہ ہے یعنی جو پیغمبر تمہارے درمیان تھا جس کی تم امت میں ہو اس کے متعلق کیا کہتے ہو۔ فتح الملہم ص۶۲۳ ج ۱۔ لیکن خیال ادھر جاتا ہے کہ قبر کی حالت کو دنیا کی حالت پر قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ وہ عالم ایسا ہے کہ وہاں جسمیت مغلوب ہے اور حجابات صرف جسمیت کیلئے ہیں کیا بعید ہے کہ اس مردے اور حضور صلعم کے درمیان تمام حجابات مرتفع ہو جائیں جبکہ اس دنیا میں بھی اہل اللہ حضور صلعم کے حضور میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم

قبر میں سوال نکیرین

[2] اس میں اختلاف ہے کہ قبر میں سوال کافروں سے بھی ہوگا یا نہیں؟ یا صرف مسلمانوں و منافقوں ہی سے ہوگا۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ کافروں سے نہیں ہوگا یہی قول حافظ ابن عبدالبر کا ہے انکی دلیل عبید بن عمیر کی حدیث ہے جس میں انما یفتن رجلان مومن و منافق یعنی صرف مومن اور منافق کی جانچ ہوگی۔ یہ حدیث موقوف ہے لیکن وہ احادیث جن سے یہ ثابت ہے کہ کافروں کی جانچ ہوگی وہ صحیح ہیں اور انکی اسناد بھی بکثرت ہیں پھر ان کی تائید میں قرآن پاک کی آیت بھی موجود ہے ارشاد ربانی ہے:-

یثبت اللہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا والاٰخرۃ ویضل اللہ الظٰلمین

حضرت انس رضہ کی روایت ہے جو بخاری شریف میں موجود ہے اس سے بھی یہی ثابت ہے کہ کافر کی بھی جانچ ہوگی۔ فتح الملہم ص۶۲۳ ج ۲۔ علامہ ابن عابدین نے حافظ ابن عبدالبر کے قول کو ترجیح دی ہے اور حافظ ابن حجر نے حافظ جلال الدین کے قول کو قول اول کی تائید میں پیش کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ قبر میں صرف مکلف سے سوال ہوگا اور آٹھ آدمیوں سے سوال نہ ہوگا:-

(۱) شہید (۲) مرابط (۳) مرض طاعون میں جو مر جائے (۴) زمانہ طاعون میں جو مر جائے (۵) نابالغ بچے (۶) صدیق (۷) شب جمعہ یا یوم جمعہ کو مرنے والا (۸) ہر شب میں سورہ ملک کو پڑھنے والا۔ بعض حضرات نے سورہ سجدہ کی تلاوت کرنے والا اور مرض الموت میں سورہ اخلاص پڑھنے والا بھی انھیں میں شامل کیا ہے ا ھ۔ رد المختار ص۶۲۹ ج ۱

فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا۔

لوگو! میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تبلیغ کے بارے میں کوئی کوتاہی کی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی پیغام میں نے تمہیں نہیں پہونچایا؟ ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہونچایا اور امت کو نصیحت کی اور اپنے حق کو ادا کر دیا۔

اس کے بعد حضور صلعم نے فرمایا اما بعد!

فان رجالاً یزعمون ان کسوف هذه[1] الشمس وکسوف هذا القمر وزوال هذه النجوم عن مطالعها لموت رجال عظماً من اهل الارض وانهم قد کذبوا!

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سورج اور چاند گرہن اور ان ستاروں کا اپنی جگہ سے گر پڑنا زمین کے کسی بڑے آدمی کے انتقال کی وجہ سے ہوتا ہے بلا شبہ وہ جھوٹے ہیں

لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جس سے عبرت مقصود ہے۔ جو ایسی بات کہے اس پر توبہ لازم ہے۔

فتنہ دجال کا ذکر

قسم خدا کی میں نے نماز پڑھتے وقت تمہاری دنیا و آخرت کی بہت سی چیزیں دیکھی ہیں (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور فرمایا) قیامت اس وقت تک نہ ہوگی جبتک تیس ۳۰ کذاب نمودار نہ ہو جائیں۔ ان سب جھوٹوں کے آخر میں کانا دجال ہوگا جس کی بائیں آنکھ بالکل بیٹھی ہوئی ہوگی جیسا کہ ابو تحیٰی[2] کی آنکھ ہے جب وہ خروج کرے گا اسی وقت اپنے کو خدا کہہ بیٹھے گا پس جو اس پر ایمان لائے گا اور اسکی اتباع کرے گا اس کے گذشتہ نیک اعمال اس کے کام نہ آئیں گے اور جس نے اسکی تکذیب کی اس پر اسکے گذشتہ برے اعمال کی وجہ سے عذاب نہ ہوگا[3] وہ عنقریب تمام زمین پر غالب آجائے گا۔ صرف حرم پاک[4] اور بیت المقدس محفوظ رہیں گے۔ تمام مومنین سمٹ کر بیت المقدس میں جمع ہو جائیں گے اس وقت شدید زلزلے آئیں گے اسکے بعد اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا۔ اس وقت دیوار حرم یا فرمایا ہر ایک درخت

---

[1] کسوف اور خسوف دونوں ایک ہی معنی میں مستعمل ہوتے ہیں [2] قبیلہ انصار کے ایک بوڑھے شخص کا نام ہے۔

[3] اس شخص کے بارے میں جو دجال کی تکذیب کرے گا مسلم شریف کی روایت میں ہے هذا اعظم الناس شهادة عند رب العالمین۔ یہ آدمی شہادت کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے۔

[4] حرم پاک سے مراد بروایت مسلم شریف مکہ اور مدینہ ہیں۔ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ دجال مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اس وقت مدینہ منورہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دروازے پر دو فرشتے متعین ہوں گے جو دجال کو مدینہ میں گھسنے نہیں دیں گے۔

کی جڑ سے یہ آواز آئے گی:۔

اے مومن۔ یہ یہودی ہے یا یہ کافر ہے۔ آ اور اس کو قتل کر دے۔

آپ نے ارشاد فرمایا یہ حالت (فتنہ دجال) کی اس وقت تک پیش نہ آئے گی تاوقتیکہ تم ایسے شکوک میں مبتلا نہ ہو جاؤ جن سے پہاڑ بھی لرز اٹھیں گے[1] اس کے بعد (یعنی فتنہ دجال کے بعد) قبض عام ہو جائے گا یعنی قیامت قائم ہو جائے گی۔

دوسری روایات

صفت صلوٰۃ کسوف کے متعلق حضور صلعم کی یہ صحیح روایت ہے اس کے علاوہ آپ کے بارے میں یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے ہر رکعت میں تین رکوع کئے اور یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر رکعت میں چار رکوع کئے اور یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر رکعت میں ایک رکوع کیا لیکن ائمہ کبار جیسے امام بخاری، امام شافعی، امام احمد ان روایات کو صحیح قرار نہیں دیتے ہیں۔

امام شافعی صاحب فرماتے ہیں ان سے کسی نے سوال کیا کہ بعض حضرات نے روایت کیا ہے کہ حضور صلعم نے ہر رکعت میں تین رکوع کئے ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا کیا آپ کا یہی خیال ہے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ آپ نے اس روایت کو کیوں نہیں اختیار کیا جبکہ اس روایت میں آپ کی روایت پر کچھ زیادتی بھی ہے (ثقہ کی زیادتی معتبر ہے اور اسکو قبول کر لینا چاہیئے) امام شافعی نے جواب دیا یہ حدیث من وجہ منقطع ہے اور ہم اس کو غلط سمجھتے ہیں۔

امام بیہقی فرماتے ہیں منقطع سے مراد یہ ہے کہ "عبید بن عمیر نے اتنا کہہ کر بس کیا ہے حدثنی من اصدق" عطا کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ راوی یزید ہیں اس حدیث میں ہے۔

فرکع فی کل رکعۃ ثلاث رکوعات	کہ آپ نے ہر رکعت میں تین رکوع اور
واربع سجدات	چار سجدے کئے

قتادہ کہتے ہیں کہ ان سے عطا نے اور ان سے عبید بن عمیر نے اور ان سے حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے بیان فرمایا کہ اس نماز میں چھ رکوع اور چار سجدے تھے۔ عطا نے اسی روایت کو حضرت عائشہ رضہ کی طرف اٹکل سے منسوب کر دیا ہے۔ اور یہ حضرت عائشہ رضہ سے صحیح طور پر کس طرح منسوب ہو سکتی ہے جبکہ انھوں نے عروۃ اور عمرۃ کے ذریعہ اس روایت کے خلاف بیان فرمایا ہے علاوہ ازیں عروۃ اور عمرۃ دونوں حضرت عائشہ رضہ سے بمقابلہ عبید بن عمیر زیادہ نزدیک ہیں۔ پھر وہ تنہا ہیں اور یہ دو ہیں اس لئے ان کی روایت کو قبول کرنا اولیٰ ہے۔

---

[1] یعنی ایسے شکوک جن سے خدا تعالیٰ کا انکار لازم آتا ہو۔

میرا خیال یہ ہے کہ امام شافعی صاحب نے جس روایت کو غلط قرار دیا ہے وہ روایت حضرت جابر رضؓ والی ہے جس میں ہے کہ حضور صلعم نے جب سورج گرہن ہوا تو نماز پڑھی یہ دن وہ تھا کہ جس دن صاحبزادہ محترم جناب ابراہیم کا انتقال ہوا تھا اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ موت ابراہیم کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ تب حضور صلعم کھڑے ہوئے اور آپ نے چھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ نماز پڑھی۔

امام بیہقی فرماتے ہیں حضرت جابرؓ والی روایت اور حضرت ابی زبیر والی روایت دونوں میں ایک ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے کیونکہ یہ اسی دن کا واقعہ ہے جس دن حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی تھی اس کے بعد عبدالملک بن ابی سلیمان عن عطاء عن جابر اور ہشام الدستوائی عن ابی الزبیر عن جابر کے درمیان تعداد رکوع میں اختلاف ہو گیا ہے ہمارے نزدیک روایت ہشام دو رکوع والی اولیٰ ہے[۱] کیونکہ ابوزبیر عبدالملک سے زیادہ حافظ ہیں پھر ان کی روایت رکوع میں روایت عروۃ اور عمرۃ عن عائشہ رضؓ کے موافق ہے اور کثیر کی ابن عباس سے روایت، عطا بن یسار کی ابن عباس سے روایت اور ابو سلمہ کی ابن عمر سے روایت اور پھر یحییٰ بن سلیم وغیرہ کی روایت موجود ہیں لیکن عبدالملک بن ابی سلیمان کو روایت عطا میں اختلاف ہو گیا ہے چنانچہ انھوں نے کہہ دیا کہ اس روایت کو ابن جریج اور قتادہ نے عطا سے بروایت عبید بن عمیر روایت کیا ہے کہ اس نماز میں چھ رکوع تھے اور چار سجدے تھے۔ لہٰذا ہشام کی ابوزبیر عن جابر سے روایت اس میں اختلاف نہیں ہے۔ پھر اس روایت کے بہت سے حضرات موافق ہیں۔ لہٰذا یہ روایت عطا کی روایت سے بہتر ہے جبکہ اس کی سند بھی ایک ہی ہے اور وہ منفرد بھی ہیں علاوہ ازیں اس کو عبدالملک بن سلیمان روایت کر رہے ہیں جن سے ایک دوسری جگہ غلطی ہو گئی ہے۔

اس کے بعد حبیب بن ابی ثابت کی عن طاؤس عن ابن عباس رضؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ روایت اس طرح ہے:۔

انہ صلی فی الکسوف فقرأ ثم رکع ثم قرأ ثم رکع والاخری مثلھا	آپ نے سورج گرہن میں نماز پڑھی پہلے قرأت کی پھر رکوع کیا پھر قرأت کی پھر رکوع کیا اور دوسری رکعت بھی ایسے ہی پڑھی۔

اس روایت کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ یہ روایت وہ ہے کہ جس کے راوی صرف حبیب بن ابی ثابت ہیں لیکن وہ ثقہ ہیں اور مدلس بھی ہیں اس روایت میں انھوں نے اپنی سماعت طاؤس سے

---

[۱] لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ دو رکوع کی زیادتی کو تین رکوع والی زیادتی کے مقابلہ میں کیوں ترجیح دی گئی جب دو راوی مختلف ہیں تو ایک کو اولیٰ اور ایک کو غیر اولیٰ کہنا بلا دلیل جائز نہیں ہے۔ زیادہ حافظ کہنا کوئی دلیل نہیں بلکہ دوسرے کی تضعیف دلیل بن سکتی ہے۔ عزیز الرحمٰن غفرلہ

منقول نہیں کی۔ اس حدیث کو رفع کرنے اور متن میں سلیمان احول نے مخالفت کی ہے انھوں نے عن طاؤس عن ابن عباس روایت کیا ہے، اس میں انھوں نے تین رکوع کا تذکرہ کیا ہے۔ بہرحال ایک جماعت نے حضرت ابن عباس رضؓ سے تین رکوع کا فعل نقل کیا ہے اور عطا وغیرہ نے حضور صلعم سے دو رکوع کا عمل نقل کیا ہے۔

ان تینوں روایت سے امام بخاری نے اعراض کیا ہے اور اپنی جامع میں ان کو نقل نہیں کیا ہے کیونکہ یہ روایات اس حدیث کے خلاف ہیں جس کے راوی بھی ثقہ ہیں اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ چنانچہ امام بخاری کی رائے امام ترمذی نے نقل کی ہے کہ صلوٰۃ کسوف میں صحیح ترین روایت چار رکوع اور چار سجدوں والی ہے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ سے ہر رکعت میں چار رکوع نقل کئے ہیں اور اس کی سند ضعیف ہے۔ اور ابی بن کعب نے پانچ رکوع نقل کئے ہیں لیکن شیخین نے اس روایت کو نہیں لیا۔ بہرحال اہل حدیث کی جماعت کا فرمانا ہے کہ یہ سب روایات صحیح ہیں ممکن ہے کہ حضور صلعم نے ایسا چند مرتبہ کیا ہو۔ لہٰذا سب جائز ہیں۔ اسی کو اسحاق بن راہویہ، محمد بن اسحاق، ابن خزیمہ، ابوبکر بن اسحاق، ابوسلیمان خطابی، ابن منذر نے اختیار کیا ہے۔[1]

لیکن امام بخاری اور امام شافعی صاحب نے جن روایات کو ترجیح دی ہے وہی مسلک اولیٰ ہے۔ میں کہتا ہوں امام احمد سے بھی یہی مروی ہے انھوں نے حضرت عائشہ رضؓ کو اختیار کیا ہے جس میں ہے کہ ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے تھے۔ مروزی کی روایت بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ میری رائے صلوٰۃ کسوف کے بارے میں یہ ہے کہ ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے تھے۔ اس معاملہ میں میں حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث کو اختیار کرتا ہوں اسی کو ابوبکر اور قدیم محدثین نے اختیار کیا ہے اسی کو ہمارے شیخ ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے اور وہ دو رکوع والی حدیث کے علاوہ سب کو ضعیف کہتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ یہ واقعہ صرف ایک ہی دفعہ ہوا ہے اور یہ دن وہ ہے کہ جس دن حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی تھی۔ جہاں تک حضور صلعم کی سیرت کا تعلق ہے اس سے ذکر، صلوٰۃ، استغفار کا ثبوت ہے غلاموں کو آزاد کرنے اور صدقہ کرنے کا امر بھی آپ نے فرمایا تھا۔ واللہ اعلم

---

[1] لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ ہوا ہے اس لئے اس کو مرارًا کہنا غلط ہے۔

تنقید و تبصرہ

[2] علامہ نے صلوٰۃ کسوف میں دو رکوع کے اثبات میں پورا زور صرف کر دیا ہے اور علامہ ابن تیمیہ کے حوالہ سے دیگر تمام روایات کو ضعیف قرار دیدیا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک یہ تمام حدیثیں صحیح ہیں (۱) حضرت سمرۃ بن جندب والی حدیث جسکو احمد بن یونس نے روایت کیا ہے نسائی، ابن ماجہ، ترمذی میں موجود ہے ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے اسی حدیث کو ابن شیبہ اور طحاوی نے بھی نقل کیا ہے دوسری حدیث ابن عمر کی شمائل ترمذی، ابوداؤد، نسائی میں موجود ہے جس پر علامہ نے عطا بن السائب کی وجہ سے اعتراض کیا ہے لیکن حاکم نے (باقی ص ۱۷۶ پر)

ستائیسواں باب

صلوٰۃ استسقا کا بیان

استسقا میں عادت شریفہ یہ ثابت ہے کہ حضور صلعم نے بارش کو چند طرح طلب کیا ہے ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ جمعہ کا دن تھا اور آپ منبر پر تشریف فرما تھے کہ اثنائے خطبہ میں آپ نے فرمایا:۔

اللّٰھم اغثنا، اللّٰھم اغثنا، اللّٰھم اسقنا اللّٰھم اسقنا

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ ایک دن جہاں عید کی نماز ہوتی ہے سب چلیں۔ چنانچہ جب سورج طلوع ہوگیا تو آپ بھی نہایت متواضع ہو کر تشریف لے گئے۔ جب آپ عیدگاہ پہونچے

گذشتہ سے پیوستہ فرمایا ہے حدیث عطا ابن السائب صحیح ہے اور شیخین نے ابن السائب کی وجہ سے اس حدیث کی تخریج نہیں کی۔ لیکن یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ امام بخاری نے انھیں عطا بن سائب کی دو حدیثیں اپنی کتاب جامع صحیح میں نقل کی ہیں ع۳ تیسری حدیث حنفیہ کے نزدیک ابی قلابہ کی عن نعمان بن بشیر ہے جس میں ہے کہ جس طرح تم فرائض پڑھتے ہو ایسے ہی اسے بھی پڑھو۔ اس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت شیخین کی شرائط کے مطابق ہے اس کو ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ اس روایت کو بیہقی نے اگرچہ مرسل کہا ہے لیکن ابن حزم نے کہا ہے کہ ابو قلابہ کا نعمان سے سماع ثابت ہے۔ ابن عبد البر نے بھی اس کی تصدیق کی ہے ع۴ چوتھی حدیث عن قبیصہ الہلالی کی ہے جس کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے اس کو نسائی، حاکم نے بھی نقل کیا ہے اور شیخین کی شرائط کے مطابق قرار دیا ہے۔

اب علامہ کے پاس دو روایت ہیں ایک حضرت ابن عباس رضؓ کی اور دوسری حضرت عائشہ صدیقہ کی اور انھیں میں اضطراب ہے پھر یہ دونوں حضرات پچھلی صفوف میں تھے ان کو اگلی صفوف کا کیا حال معلوم اور مذکورہ روایت والے سب اگلی صفوف میں تھے جنھوں نے صرف ایک ہی رکوع کو نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ کثرت رکوع کا مقتضی ہے کہ اسی قدر سورتوں کی قرأت کی گئی ہو لیکن بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ قرأت صرف دو سورتوں کی کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت ابن عباس رضؓ نے جب ایک مرتبہ بصرہ میں نماز کسوف پڑھائی تو اس میں ایک ہی رکوع کیا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ راوی جب اپنی روایت کے خلاف عمل کرے تو وہ مقبول روایت نہیں ہے ا ھ۔ البنایہ صفحہ ۱۰۳۶، او جز صفحہ ۳۰ ج ۲

تو منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس مرتبہ جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ یہ ہے:۔

الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن	تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کی ہیں جو
الرحیم مالک یوم الدین لا الٰہ	رحمٰن و رحیم ہے اور مالک ہے یوم جزا کا اسکے
الا اللہ یفعل ما یرید اللھم انت	سوا کوئی معبود نہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے
اللہ لا الٰہ الا انت تفعل ما ترید	اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو جو
اللھم لا الٰہ الا انت انت الغنی	چاہتا ہے کرتا ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود
ونحن الفقراء انزل علینا الغیث	نہیں۔ تو غنی ہے اور ہم محتاج ہیں ہمارے
واجعل ما انزلتہ قوۃ وبلاغا	اوپر بارش نازل فرما اور جو بھی تو نازل فرمائے
الی حین	اسکو ایک مدت کیلئے معیشت اور گذران کا سبب بنا

اس کے بعد آپ نے ہاتھ بلند فرمائے اور خوب گڑگڑا کر دعا کی۔ اس کے بعد لوگوں کی طرف سے پشت کر کے قبلہ رخ ہو کر جو چادر اوڑھے ہوئے تھے اس کی تقلیب فرمائی یعنی اس کو لوٹ کر اوڑھا اس طرح پر کہ دائیں حصہ کو بائیں طرف اور بائیں حصہ کو داہنی طرف اور اوپر کا رخ نیچے اور نیچے کا اوپر اور آپ کی چادر سیاہ اون کی تھی۔ آپ نے دعا قبلہ رخ ہو کر مانگی تھی اور تمام حاضرین نے بھی قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی تھی۔

صلوٰۃ استسقا اس کے بعد آپ منبر سے نیچے تشریف لائے اور لوگوں کو دو رکعت نماز عید کی طرح بلا اذان اور اقامت کے پڑھائی۔ ان دونوں رکعتوں میں آپ نے جہراً قرأت فرمائی تھی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ غاشیہ کی قرأت فرمائی تھی۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مسجد نبوی میں منبر پر کھڑے ہو کر آپ نے بارش کے لئے دعا فرمائی۔ اس مرتبہ آپ نے استسقا کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ آپ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے بارش کیلئے دعا فرمائی اس مرتبہ کی دعا کے الفاظ یہ ہیں:۔

اللھم اسقنا غیثاً مغیثاً مریعاً طبقاً عاجلاً غیر رائث نافعاً غیر ضار

پانچواں طریقہ یہ تھا کہ آپ زوراء کے پاس زیتون کے پتھروں کے نزدیک تشریف لے گئے یہ جگہ باب المسجد جس کو آج کل باب السلام کہا جاتا ہے سے بقدر ایک پتھر پھینکنے کی دوری پر تھی (اور یہاں

ا؎ یہ گذر چکا ہے کہ عیدگاہ میں کوئی منبر بنا ہوا نہیں تھا۔ علماء بھی اس کا انکار کر چکے ہیں لیکن یہاں پھر ذکر کر دیا غالباً منبر سے مراد اونچی جگہ ہوگی۔

آپ نے بارش کے لئے دعا کی ،

پانچویں صورت یہ بھی ہوئی ہے کہ آپ بعض غزوات میں تھے کہ مشرکین نے سبقت کرکے پانی پر قبضہ کرلیا[1] جس کی وجہ سے مسلمان پیاس سے پریشان ہوگئے اور انھوں نے حضور صلعم سے اس کی شکایت کی ۔ بعض منافقین نے یہ کہنا شروع کردیا ۔

لو کان نبیاً لاستسقی لقومه کما استسقی موسیٰ لقومه

اگر آپ نبی ہوتے تو اپنی قوم کے لئے پانی نازل کراتے جیسا کہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی اتروایا تھا

یہ خبر حضور صلعم کو بھی ہوگئی تو فرمایا "کیا انھوں نے ایسا کہا ہے" اگر ایسا ہے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بھی بارش نازل فرمائے گا ۔ اس کے بعد آپ نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے ہی تھے کہ خوب زور سے بارش ہوئی اور نالے وغیرہ سب بھر گئے ۔ لوگوں نے پانی پیا بھی اور برتنوں میں بھرا ۔ حضور صلعم سے استسقا کی یہ دعا بھی منقول ہے ۔

اللهم اسق عبادك وبهائمك وانشر رحمتك واحي بلدك الميت

اللهم اسقنا غيثاً مغيثاً مريئاً مريعاً نافعاً غير ضار عاجلاً غير آجل

جتنی مرتبہ بھی حضور صلعم نے بارش کے لئے دعا کی ہے بارش ہوئی ہے ۔ ایک مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ حضرت ابو البابہؓ نے بارش کیلئے عرض کیا حضورؐ! کھجوریں خراب ہو رہی ہیں ۔ تب آپ نے دعا کی ۔

اے اللہ اس وقت تک بارش فرما جب تک ابو البابہ ننگا کھڑا ہو۔[2]

چنانچہ بے حد بارش ہوئی ۔ لوگوں نے ابو البابہ سے جاکر کہا جب تک آپ اپنے کھجوروں کے باغ میں ننگے نہ کھڑے ہوں گے اس وقت تک بارش بند نہ ہوگی کیونکہ حضور صلعم نے فرمادیا ہے ۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور بارش بند ہوگئی ۔ جب زیادہ بارش ہوتی تو صحابہؓ حضور صلعم سے عرض کرتے آپ بارش بند ہونے کی دعا کرتے ۔ چنانچہ بادل چھٹ جاتے ۔ آپ فرماتے

اے اللہ ہمارے ارد گرد ہو اور ہمارے اوپر نہ ہو ٹیلوں، پہاڑوں اور وادیوں کے علاقہ میں درختوں کی جڑوں میں ہو ۔

جب حضور صلعم بادل دیکھتے تو فرماتے ،

---

[1] غزوہ بدر میں بھی یہی ہوا تھا کہ مشرکین مکہ نے پانی پر قبضہ کرلیا تھا اور مسلمان ریتیلے حصہ میں رہ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے بارش برسائی جس سے وہ میدان بھی چلنے کے قابل ہوگیا اور مسلمان بھی پانی سے سیراب ہوئے ۔

[2] قدیم عرب کا طریقہ تھا کہ جب کسی کو مدد کیلئے پکارتے تو ننگے ہوکر پکارتے تھے ۔

اللّٰھم صیّبا نافعًا — اے اللہ یہ بارش بھرپور نافع ہو

اور جسم مبارک سے کپڑا اتار دیتے تھے تاکہ بارش کے قطرات جسم پر پڑیں۔ حضرات صحابہ رضؓ نے دریافت کیا تو فرمایا "یہ بارش اپنے رب کے یہاں سے نئی نئی آئی ہے"

امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک معتبر شخص نے مجھے بواسطہ بریدبن الہاد خبردی ہے کہ جب بارش ہوتی تو حضور صلعم صحابہ رضؓ کو لیکر بارش میں نکلتے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے۔ امام شافعی صاحب نے اسی طرح ایک حدیث منقطع اور نقل کی ہے کہ حضرت عمر رضؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

حضور صلعم جب بادل یا ہوا دیکھتے تو آپ کے چہرہ انور کی حالت تبدیل ہو جاتی۔ اور آپ پریشان ہو جاتے۔ جب بارش ہونے لگتی تو خوش ہو جاتے۔ آپ اس وجہ سے پریشان ہوتے کہ کہیں اس میں عذاب الٰہی نہ ہو۔ امام شافعی صاحب نے حضرت سالم کی ان کے والد سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم بارش کے لئے یہ دعا کیا کرتے تھے۔

اللّٰھم اسقنا غیثا مغیثا مریعًا غدقًا مجللا عاما طبقا سحا دائما اللّٰھم اسقنا الغیث ولا تجعلنا من القانطین اللّٰھم ان العباد والبلاد والبھائم والخلق من البلاء و الجھد و الضنک ما لا نشکوا الا الیک اللّٰھم انبت لنا الزرع وادرلنا الضرع واسقنا من برکات السماء و انبت لنا من برکات الارض اللّٰھم ارفع عنا الجھد والجوع والعری و اکشف عنا من البلاء ما لا یکشف غیرک اللّٰھم انا نستغفرک انک کنت غفارًا فارسل السماء علینا مدرارًا

اے اللہ ہمیں سیراب کر ایسے مینہ سے جو فریاد رسی کرے۔ ارزانی لائے۔ کثیر ہو، بھرپور ہو، تمام ہو۔ گھنا ہو، خوب دائمی ہو۔ اے اللہ ہمیں مینہ سے سیراب کر مایوس نہ فرما۔ انسان، چوپائے شہر اور مخلوق دکھ اور تنگی میں مبتلا ہیں۔ پس ہم تیرے سامنے فریاد کرتے ہیں۔ اے اللہ ہمارے لئے کھیتی اگا۔ اور ہمارے لئے دودھ چلا۔ اور ہمیں آسمانی برکات سے پلا اور زمین کی برکات ہمارے لئے پیدا کر۔ اے اللہ ہم سے دکھ، بھوک، عریانی اٹھالے۔ ہماری تکلیف دور کر دے جو تیرے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اے اللہ ہم تجھ سے بخشش چاہتے ہیں بیشک تو ہی بخشنے والا ہے۔ ہم پر آسمان سے بارش خوب برسا۔

لہ یہ حدیث منقطع ہے امام شافعی صاحب نے صحت حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ امام یہی دعا پڑھے۔ امام شافعی صاحب فرماتے ہیں مجھے یہ روایت پہونچی ہے کہ حضور صلعم استسقا کی دعا ہاتھ اٹھا کر مانگا کرتے تھے۔ اور یہ بھی روایت پہونچی ہے کہ آپ پہلی بارش میں خوب بھیگتے تھے۔ اور یہ بھی روایت پہونچی ہے کہ بعض صحابہ رضو کا یہ عمل بھی تھا کہ جب بارش ہوتی تو یہ دعا پڑھتے۔

یفتح اللہ للناس رحمۃ فلا	اللہ نے اپنی رحمت کا دروازہ کھولدیا ہے
ممسلک لہا	اب اسکو کوئی نہیں روک سکتا

امام شافعی صاحب فرماتے ہیں مجھ سے اس شخص نے کہا ہے کہ جس کو میں متہم نہیں کرتا کہ عمر بن عبد العزیز نے مکحول سے اور انھوں نے جناب رسول اللہ صلعم سے روایت کی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا، فوجوں کے ملنے کے وقت، اقامت صلوٰۃ کے وقت، بارش کے وقت دعا قبول ہوتی ہے" مجھے بہت سے حضرات نے ان اوقات میں قبولیت دعا کی خبر دی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں، ہم نے حضرت سہل بن سعد کی روایت نقل کی ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔

لا یرد الدعا عند النداء وعند	اذان، خوف، بارش کے وقت کی دعا رد
الباس وتحت المطر	نہیں کی جاتی

حضرت ابو امامہ رضو نے روایت کیا ہے کہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا کہ چار جگہوں میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے۔ صفوف کے ملنے کے وقت، بارش کے وقت، اقامت صلوٰۃ کے وقت، بیت اللہ کو دیکھنے کے وقت[1]۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب

[1] امام ابو حنیفہ صلوٰۃ استسقا کی سنیت کے قائل نہیں ہیں، امام محمد اور اہل مدینہ سنیت کے قائل ہیں۔ علامہ ابن قیم نے اوپر چند صورتیں ذکر کی ہیں جن سے بخوبی ثابت ہو کہ حضور صلعم نے صلوٰۃ استسقا پر مداومت نہیں فرمائی بلکہ بعض دفعہ پڑھی اور بعض دفعہ صرف دعا ہی پر اکتفا کیا۔ یہی حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ اصل کے اعتبار سے استسقا دعا ہی کا نام ہے لیکن اگر دعا کے ساتھ نماز بھی شامل کر لی جائے تو جائز ہے۔ امام ابو حنیفہ کے پاس جہاں اور بہت سے دلائل ہیں وہاں ان کا یہ بھی فرمانا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضو کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا تھا وہ منبر پر تشریف لے گئے اور دعا کی۔ لوگوں نے عرض کیا آپ نے ہمارے لئے استسقا نہیں کیا فرمایا میں نے دعا تو کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل	اپنے اللہ سے مغفرت چاہو وہ غفار ہے وہ تمہارے
السماء علیکم مدرارا	اوپر آسمان سے پانی کے ریلے نازل فرمائے گا۔

بہر حال حنفیہ صلوٰۃ استسقا کا انکار نہیں کرتے۔ رد المحتار میں ہے الصلوٰۃ بالجماعۃ جائزۃ لا مکروھۃ۔ اھ حاشیہ کتاب الحجہ صفحہ ۳۳۲ ج ۱

اٹھائیسواں باب

حضور صلعم کے اسفار اور عبادت

سفر کا طریقہ حضور صلعم نے چار قسم کے سفر کئے ہیں سفر ہجرت، سفر جہاد، اور اکثر یہی اسفار ہوتے تھے (یعنی سفر جہاد) سفر عمرہ اور سفر حج۔

حضور صلعم جب سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی[1] فرماتے تھے جس کا نام قرعہ میں آجاتا انھیں کو ہمراہ لے جاتے اور سفر حج میں آپ نے اپنی تمام ازواج کو ساتھ رکھا ہے۔ جب سفر کرنا ہوتا تو دن کے اول حصہ میں نکلتے اور عام طور سے جمعرات کے دن سفر فرماتے اور اپنی امت کیلئے دعا فرماتے۔ اور جب بھی کوئی سریہ یا لشکر بھیجتے تو اس کو بھی اول وقت روانہ فرماتے۔

سفر کرنے والے مسافروں کو جب وہ تین ہوتے تو ان میں سے ایک کو امیر بنانے کا امر فرماتے۔ تنہا سفر کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے[2] آپ نے ارشاد فرمایا

الراکب شیطان والرکبان شیطانان والثلاثة رکب	تنہا مسافر بھی شیطان اور دو بھی شیطان اور تین جماعت ہیں۔[3]

جب آپ سفر کے لئے اٹھتے تو فرماتے :-

سفر کی دعائیں

اللھم الیک توجھت وبک اعتصمت اللھم اکفنی ما اھمنی ومالا اھتم بہ، اللھم زودنی التقوی واغفر لی ذنبی ووجھنی للخیر اینما توجھت	اے اللہ میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور آپ ہی سے اعتصام کرتا ہوں جس کا میں نے ارادہ کیا ہے اور جس کا ارادہ نہیں کیا اس میں میری کفایت فرما اور تقویٰ کا توشہ مرحمت فرما اور میرے گناہوں کو معاف فرما، جدھر کا بھی میں ارادہ کروں ادھر ہی سے میرے لئے خیر بھیج

---

[1] حنفیہ کے نزدیک قرعہ اندازی مستحب ہے ویسے بلا قرعہ کے بھی ہمراہ لے جانے کا اختیار ہے۔

[2] غالباً خطرات سفر کی وجہ سے اور جماعت کی نماز کی ادائیگی کی وجہ سے

[3] ہجرت کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا اور دو کا حکم بھی جماعت ہی کا ہوگیا نور الانوار مبحث عام۔

جب آپ کے لئے سواری کا جانور پیش کیا جاتا تو جب آپ اس کی رکاب میں قدم رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب سواری پر بیٹھ جاتے تو فرماتے الحمد للہ الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون پھر تین مرتبہ الحمد للہ اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے پھر:۔

سبحانک اللہ اللھم انی ظلمت نفسی فاغفرلی انہ لا یغفر الذنوب الا انت پڑھتے۔ اور یہ بھی کہتے اللھم انا نسئلک فی سفرنا ھذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی اللھم ھون علینا سفرنا واطو عنا بعدہ اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللھم انی اعوذ بک من عناء السفر وسوء المنظر فی الاھل والمال

اور آپ جب واپس تشریف لاتے تو یہی کلمات فرماتے اور اتنی زیادتی اور فرماتے

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون

آپ اور آپ کے اصحاب جب کسی بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب نیچے اترتے تو تسبیح کرتے تھے جب آپ کسی بستی میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللھم رب السموٰت السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین اسئلک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا واعوذ بک شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا

آپ سے اس موقعہ پر یہ دعا بھی منقول ہے

اللھم انی اسئلک من خیر ھذہ القریۃ وخیر ما جمعت فیھا واعوذ بک شرھا وشر ما جمعت فیھا اللھم ارزقنا جناھا واعذنا من وباھا وحببنا الی اھلھا وحبب صالحی اھلھا الینا

قصر صلوٰۃ اور آپ چار رکعت والی نمازوں میں قصر فرمایا کرتے تھے چنانچہ آپ جب سے مدینہ منورہ سے نکلتے اور جب تک واپس تشریف لاتے دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ آپ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ نے چار رکعت والی نمازوں کو پورا پڑھا ہو۔ البتہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی یہ حدیث ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقصر فی السفر ویتم ویفطر ویصوم	حضور صلعم سفر میں قصر بھی کیا کرتے تھے اور اتمام بھی اور افطار بھی کر لیتے تھے اور روزہ بھی رکھ لیتے تھے

یہ حدیث صحیح نہیں ہے میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ یہ حضور صلعم پر جھوٹ بولا گیا ہے اور آپ سے یہ جو مروی ہے یقصر و تتم اس میں پہلا لفظ یا کے ساتھ اور دوسرا لفظ تا کے ساتھ ہے اسی طرح یفطر و تصوم میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ عزیمت پر عمل فرماتے تھے، ہمارے شیخ علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا ہے یہ باطل ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ حضور صلعم اور تمام حضرات صحابہ رضہ کے خلاف کیسے فرما سکتی ہیں اور کیوں خلاف عمل کر سکتی ہیں بلکہ آپ سے صحیح طور پر تو یہ مروی ہے۔

ان الله فرض الصلوٰۃ رکعتین	اللہ تعالیٰ نے دو دو رکعت فرض کیں
فلما هاجر رسول الله صلی الله	جب آپ نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی
علیه وسلم الی المدینة زید فی	تو حضر کی نماز میں زیادتی کر دی گئی اور سفر
صلوٰۃ الحضر واقرت صلوٰۃ السفر	میں نماز بدستور رہی

حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کے بارے میں اس ارشاد کی موجودگی میں یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے حضور صلعم کے عمل کے خلاف کیا ہوگا جبکہ اور حضرات صحابہ رضہ بھی موجود تھے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے حضور صلعم کے وصال کے بعد اتمام کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضہ فرماتے ہیں۔

انها تاولت كما تاول عثمان وان	حضرت عائشہ رضہ نے ایسے ہی تاویل فرمائی
النبی صلی الله علیه وسلم کان یقصر	جیسا کہ حضرت عثمان رضہ نے تاویل کر لی تھی
دائما	کہ حضور صلعم ہمیشہ قصر ہی کیا کرتے تھے

اس حدیث اور پہلی حدیث، دونوں حدیثوں کو مرکب کر کے بعض راویوں نے یوں بیان کر دیا یقصر و تتم۔ یعنی حضور صلعم قصر فرماتے اور حضرت عائشہ رضہ اتمام فرماتیں یہ ان راویوں کی غلطی ہے۔

تاویل احادیث

حضرت عائشہ صدیقہ رضہ نے قصر کے متعلق جو تاویل کی ہے اس میں اختلاف ہے کہا گیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ قصر خوف کے ساتھ مشروط ہے۔ جب سفر میں خوف نہ رہا تو قصر بھی نہ رہا، یہ تاویل صحیح نہیں ہے اس لئے کہ حضور صلعم نے حالت امن میں بھی سفر فرمایا ہے اور قصر کیا ہے چنانچہ آیۃ خوف کے پیش نظر حضرت عمر رضہ کو اشکال ہوا تو انھوں نے حضور صلعم سے دریافت کیا تو حضور صلعم نے ارشاد فرمایا

ان هذا صدقة من الله و	یہ اللہ کی طرف سے صدقہ ہے جس کو امت
شرع شرعة للامة	کے لئے مشروع کر دیا ہے

یہ بیان شافی ہے کہ آیت مبارکہ میں مفہوم مخالف مراد نہیں ہے، اور قصر صلوٰۃ کی صورت میں "جناح" گناہ کا

حکم مرتفع ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آیۃ مبارکہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قصر سے مراد قصر ارکان ہو یعنی ارکان میں تخفیف کردی جائے، اور قصر عدد بھی ہو سکتا ہے کہ تعداد رکعات، کم کردی جائیں کیونکہ آیۃ مبارکہ میں دو چیزیں مذکور ہیں یعنی سفر اور خوف۔ بدیں وجہ جب دونوں عذر موجود ہوں یعنی خوف بھی ہو اور سفر بھی اس وقت صلوٰۃ کی صورت میں ارکان اور تعداد رکعات دونوں میں تخفیف کردی جائے گی۔ اور جب دونوں صورتوں میں کوئی سی صورت بھی نہ ہو تو مامون اور مقیم کی حالت پیدا ہو جائے گی اس وقت اتمام کیا جائے گا، اور جب دو سبب میں سے ایک ہو تو (اسی کے مطابق عمل ہوگا) اگر خوف بحالت اقامت ہے تو صرف ارکان میں تخفیف کردی جائے گی، یہ بھی ایک قسم کا قصر ہے اگرچہ اس کو قصر مطلق نہیں کہا جاسکتا اور اگر سفر ہو اور حالت امن کی ہو تو تعداد میں قصر ہوگا اور ارکان پورے ادا ہوں گے۔ اس کو صلوٰۃ امن کہا جاتا ہے، اس میں بھی ایک قسم کا قصر ہے اگرچہ قصر مطلق نہیں ہے، نقصان تعداد کی وجہ سے اس کو صلوٰۃ مقصورہ کہہ سکتے ہیں اور اتمام ارکان کی وجہ سے صلوٰۃ تامہ کہہ سکتے ہیں، بایں ہمہ یہ اس مفہوم میں داخل نہیں ہے جو مفہوم آیۃ مبارکہ میں مذکور ہے۔

بہر حال قصر رکنی مراد لینا یہ بہت سے فقہاء کرام کی اصطلاح ہے اور قصر عددی مراد لینا یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ اور حضرت ابن عباس رضؓ کا مسلک ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ نے گذشتہ حدیث (فرضت الصلوٰۃ رکعتین رکعتین الخ) میں بیان فرمایا ہے جس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک مسافر پر دو ہی رکعت فرض ہیں جس میں قصر کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اور حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں:-

فرض اللّٰہ الصلوٰۃ علی لسان نبیکم	اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے ذریعہ حضر میں
فی الحضر اربعا و فی السفر رکعتین	چار، سفر میں دو رکعت فرض کی ہیں اور حالت
و فی الخوف رکعۃ	خوف میں ایک رکعت[1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی حدیث پر شیخین کا اتفاق ہے اور حضرت ابن عباس رضؓ کی حدیث صرف مسلم شریف میں موجود ہے بخاری میں نہیں ہے[2]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

صلوٰۃ السفر رکعتان والجمعۃ رکعتان	سفر کی، جمعہ کی، عید کی دو دو رکعت ہیں
والعید رکعتان تمام غیر قصر علی	یہی اتمام ہے قصر نہیں ہے یہی حضور صلی اللہ
لسان محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم	علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ نقصان میں ہے
وقد خاب من افتری	جس نے جھوٹ کہا۔

---

[1] اس کی صورت یہ ہے کہ قرأت مذیادہ طول نہ کی جائے اور اگر شدت خوف ہے تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھی جاسکتی ہے انشاء اللہ اس کی تفصیل دوسری جگہ آئیگی [2] حضرت ابن عباس رضؓ کا یہ اثر بالاجماع متروک ہے۔ تفسیر مظہری ص ۲۱۶ ج ۲

اور یہ بھی حضرت عمر رضؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے حضور صلعم سے سوال کیا تھا کہ ہم حالت امن میں کیوں قصر کریں ؟ تب حضور صلعم نے ارشاد فرمایا تھا

صدقة تصدق بها الله علیکم	یہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا ہے لہٰذا
فاقبلوا صدقته	اس کے صدقہ کو قبول کرو

حضرت عمر رضؓ کی ان دونوں حدیثوں میں تناقض نہیں ہے اس لئے کہ جب حضور صلعم نے ان کو جواب دیدیا کہ یہ صدقہ ہے اور دین میں یسر ہے تو حضرت عمر رضؓ جان گئے تھے کہ آیت مبارکہ میں قصر عددی مراد نہیں ہے جیسا کہ بہت سے لوگوں نے سمجھ لیا تھا۔ لہٰذا حضرت عمر رضؓ نے ارشاد فرمایا تھا صلوٰۃ السفر رکعتان الخ لہٰذا آیت مبارکہ میں قصر عدد پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیۃ مبارکہ میں قصر کو مباح قرار دینا بھی مناسب نہیں کیونکہ نفی جناح ہے[۱] اس سے یہ سمجھ لینا کہ نمازی کو قصر کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے غلط ہے[۲] کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسفار میں چار رکعت والی نمازوں میں دو ہی پڑھی ہیں حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو دو رکعت پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

حضرت ابن مسعود رضؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعات پڑھی ہیں تو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو دو رکعت پڑھی ہیں اور حضرت عمر رضؓ کے ہمراہ بھی منیٰ میں دو دو رکعت پڑھی ہیں، کاش! مجھے ان چار رکعتوں میں دو مقبول رکعتیں معلوم ہو جائیں۔[۳]

حضرت عثمان رضؓ کے عمل کی تاویل

حضرت ابن مسعود رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کے عمل پر استرجاع نہیں کیا بلکہ اس وجہ سے استرجاع کیا کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے خلفا کے عمل کا مشاہدہ کیا تھا کہ انھوں نے سفر میں دو رکعت ہی پڑھی تھیں (حضرت عثمان رضؓ کا یہ عمل بظاہر ان کے خلاف تھا) حضرت ابن عمر رضؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضؓ، حضرت عمر رضؓ، حضرت عثمان رضؓ (ان کی خلافت کا ابتدائی زمانہ مراد ہے) کے ساتھ رہا یہ حضرات سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ البتہ حضرت عثمان رضؓ

---

[۱] بعض حضرات نے فرمایا ہے قصر مباح ہے کیونکہ آیۃ مبارکہ میں ہے لیس علیکم جناح یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ نماز میں قصر کرو [۲] حنفیہ کا مسلک یہی ہے۔

[۳] غالباً اشارہ اس طرف ہے کہ چار تو کیا ہوتیں دو بھی نہ ہوں گی۔

اپنی خلافت کے آخری دور میں اتمام فرمایا کرتے تھے۔ میں نے اس بات کو ہمیشہ منکر سمجھا ہے۔

اور حضرت عثمان رضؓ کے عمل کی تاویل کی جاتی ہے چونکہ اس سال بہت سے اہل عرب حج کرنے آئے تھے ان کو یہ بتلانے کے لئے کہ فرض نماز چار رکعات ہیں تاکہ ان کو صرف دو ہی کی فرضیت کا یقین نہ ہو جائے لیکن یہ دلیل تو اس وجہ سے بیکار ہوگئی کہ یہی صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کی تھی۔ اس وقت لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے لیکن اس کے باوجود ان کو چار رکعات نہیں پڑھائی گئیں۔

۲:۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضؓ لوگوں کے امام تھے اور امام جس جگہ ہوتا ہے وہ اسکی عملداری اور محل ولایت میں ہوتا ہے گویا وہی اس کا وطن ہے۔ یہ دلیل بھی اس سے ٹوٹ جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مطلقاً امام الخلائق تھے اس لئے وہ اس کے زیادہ مستحق تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے یہاں چار رکعات نہیں پڑھیں۔

۳:۔ تیسری تاویل یہ ہے کہ منٰی تعمیرات ہو جانے کی وجہ سے وہ قریہ ہوگیا تھا کیوں کہ حضرت عثمان غنی رضؓ کے زمانہ میں وہاں کافی لوگ آباد ہوگئے تھے۔ یہ بات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی بلکہ یہ جگہ ایک میدان تھی اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تھا حضور! آپ کے لئے گرمی سردی سے بچنے کے لئے یہاں ایک جگہ (گھر) بنائے دیتے ہیں؟ ارشاد فرمایا نہیں! کیونکہ منٰی اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ ہے جو یہاں پہلے آگیا اس کی وہی جگہ ہے۔ اس ارشاد کی موجودگی میں حضرت عثمان غنی رضؓ نے تاویل کرلی ہوگی کہ قصر تو حالت سفر میں ہے۔ یہ دلیل بھی اس وجہ سے ختم ہو جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں دس دن مقیم رہے اور آپ وہاں برابر قصر فرماتے رہے۔

۴:۔ چوتھی تاویل یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضؓ یہاں تین دن مقیم رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

یقیم المهاجر بعد قضاء نسکه ثلاثا	مہاجر ادائے نسک کے بعد تین دن مقیم رہے۔

اس حدیث میں مقیم کہا ہے مسافر نہیں کہا۔ اس تاویل کو اس طرح رد کیا ہے کہ یہاں اقامت سے مراد اثنائے سفر والی اقامت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مکہ معظمہ میں دس دن تک مقیم رہے تب بھی قصر کرتے رہے۔ اور منٰی میں بھی آپ رمی جمار کے لئے تین دن مقیم رہے اور قصر کرتے رہے۔

۵:۔ پانچویں تاویل یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضؓ نے منٰی میں رہنے اور اس کو وطن بنانے کا عزم کرلیا تھا اور وہ اس جگہ کو دار الخلافہ بنانے کا قصد کر چکے تھے۔ اس وجہ سے وہ اتمام کرتے تھے اسکے

بعد انھوں نے مدینہ منورہ واپس ہونا مناسب سمجھا اس لئے واپس ہو گئے۔ یہ دلیل بھی مضبوط نہیں ہے کیونکہ حضرت عثمان غنی رضہ مہاجرین اولین میں سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو مکہ میں مقیم ہونے سے منع فرمادیا ہے البتہ منیٰ میں تین دن ٹھہرنے کی اجازت دی ہے اور چونکہ ان حضرات نے مکہ کو اللہ کے لئے چھوڑا تھا اس لئے اب اس سے رجوع جائز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصدق کو اپنا صدقہ کیا ہوا مال خریدنے سے منع فرمایا ہے حضرت عمر رضہ سے آپ نے ارشاد فرمایا

ولا تشترها ولا تعد فی صدقتك	اس صدقہ کو نہ خرید اور اس میں نہ لوٹ [1]

اس حدیث میں صدقہ کو قیمۃً خریدنے پر بھی عائد قرار دیا ہے۔

۶۔ چھٹی تاویل یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضہ نے منیٰ میں گھر بار بنا لیا تھا اور یہاں ان کے بیوی بچے رہنے لگے تھے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ مسافر جس جگہ نکاح کرلے یا اس کی بیوی جس جگہ رہتی ہو (یعنی سسرال) تو اس کو وہاں اتمام کرنا چاہیئے۔ اس بارے میں حضرت عکرمہ رضہ کی سند سے ایک حدیث مرفوع بھی ہے۔

صلی عثمان باھل منی اربعا وقال	حضرت عثمان رضہ نے جب اہل منیٰ کو چار رکعات
یا ایھا الناس لما قدمت تاھلت	پڑھائیں تو فرمایا۔ لوگو! میں نے یہاں کی
بھا وانی سمعت رسول اللہ صلے	سکونت اختیار کرلی ہے میں نے حضور صلی
اللہ علیہ وسلم اذا تاھل الرجل	اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو کسی شہر کی سکونت
بلدۃ فانہ یصلی بھا صلوٰۃ مقیم	اختیار کرلے تو وہ وہاں مقیم جیسی نماز پڑھے۔

اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور حمیدی نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے۔ امام بیہقی نے اس کو منقطع کہا ہے اور عکرمہ بن ابراہیم کو ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے فرمایا ہے کہ ضعف کا سبب تو ممکن ہے لیکن بخاری نے بھی اس کو اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے اور کوئی جرح نہیں کی ہے حالانکہ ان کی عادت ہے کہ جرح اور مجروح کو ذکر کر دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباس رضہ اور امام احمد کا فرمانا ہے کہ مسافر

صدقہ خریدنا

[1] علامہ کا یہ قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ ہجرت کرنیکے بعد واپس آکر پھر وہیں کی سکونت اختیار کرلینا بالاجماع جائز نہیں ہے۔ البنایہ ص۹۶ اور مصدق اپنا صدقہ کیا ہوا مال خریدلے اسمیں اختلاف ہے بعض حضرات نے اسکو حرام قرار دیا ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے اسمیں کراہت تنزیہ ہے کیونکہ یہ قبیح لغیرہ ہے کیونکہ ایسا ہوتا ہے کہ فقیر اسی کے ہاتھ فروخت کرنے میں چشم پوشی کریگا لہٰذا بقدر رعایت ثمن یہ مالک عائد صدقہ ہوا ویسے اصولاً یہ بیع جائز ہے کیونکہ مال کے عیوض مال کی خریداری ہے لیکن اصلاح نفس کیلئے یہ ضروری ہے اسمیں احتیاط سے کام لیا جائے۔ اس حدیث میں آپ نے حضرت عمر رضہ سے اس وقت یہ فرمایا تھا جب انھوں نے ایک گھوڑا صدقہ کردیا تھا بعد میں اسکو خریدنا چاہا تو حضور صلعم نے انکو منع فرما دیا۔ بذل ص۲۷ ج ۳

جہاں نکاح کرے اسکو وہاں سسرال ہیں اتمام کرنا چاہیئے یہی قول امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا ہے۔ اور یہ تاویل بہت عمدہ ہے۔

تاویل عمل عائشہ رضؓ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے عمل کی تاویل میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ چوں کہ ام المومنین تھیں جہاں اتر گئیں وہی ان کا گھر ہو گیا۔ یہ عذر بھی غلط ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ابو المومنین تھے۔ کیونکہ ابوۃ سے امومۃ پیدا ہوتی ہے یعنی اگر باپ ہو گا تو ماں ہو گی۔ بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سبب سے کبھی اتمام نہیں کیا۔ ہشام بن عروۃ نے اپنے والد کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

انہا کانت تصلی فی السفر اربعًا فقلت لہا لو صلیت رکعتین فقالت یا ابن اختی انہ لا یشق علیّ

حضرت عائشہ رضؓ نے سفر میں چار رکعت پڑھیں تو میں نے کہا اگر آپ دو پڑھتیں تو اچھا تھا۔ فرمایا۔ بھانجے! یہ مجھ پر دشوار نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی فرماتے ہیں اگر مسافر پر دو رکعت فرض ہوتیں تو حضرت عائشہ رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ اتمام نہ فرماتے اور نہ حضرت ابن مسعود رضؓ ہی اتمام فرماتے[۲] اور یہ جائز نہیں ہے کہ مسافر اگر مقیم کے

سسرال میں قصر [۱] حضرت عثمان غنی رضؓ کے عمل کی تاویل کی بنا پر یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ سسرال میں نماز قصر پڑھی جائے یا اتمام کیا جائے۔ متعدد احادیث کی وجہ سے فقہا رنے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضؓ کی تاویل قابل حجت نہیں ہے۔ ہمارے عرف کی بنا پر سسرال کی دو حیثیت ہیں اول یہ کہ شادی کے بعد دولہن کو دولہا کے یہاں رخصت کر کے لائے، دوسرے یہ کہ خاوند شادی کرنے کے بعد سسرال ہی میں رہنے لگے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ عورت اپنے ماں باپ کے یہاں رہی اور وہیں اسکے بچے وغیرہ ہوئے خاوند وہیں مصارف برداشت کرتا رہا اور آتا جاتا رہا۔ گویا خاوند نے اس طرح اپنے دو وطن بنالئے ایک قدیم اور دوسرا یہ جدید اور دونوں جگہ متاہل رہا۔ پہلی صورت میں عورت جب والدین کے گھر آئے گی تو اتمام کرے گی اس لئے کہ یہ بھی اس کا وطن اصلی ہے فتاوی دار العلوم صہ ۴۵۹ ج ۴۔ دوسری اور تیسری صورت میں خاوند دونوں جگہ اتمام کرے گا اور پہلی صورت میں اتمام نہیں کرے گا الوطن الاصلی ھو موطن ولادتہ او تاھلہ او توطنہ یبطلہ بمثلہ اذا لحربیق بالاول اھل فلو بقی لم یبطل بل یتم فیھما ای بمجرد الدخول وان لم ینوا قامۃ اھ۔ در مختار رد المحتار صہ ۳۲ ج ۱۔

[۲] یہ غالباً ناسخین کی غلطی ہے کیونکہ ابھی چند سطر پہلے حضرت ابن مسعود رضؓ کے استرجاع کے بارے میں گذر چکا ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان غنی رضؓ کے عمل کو سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا تھا اس جگہ شاید حضرت ابن عباس رضؓ کا اثر ہو مگر وہ بالاجماع متروک ہے۔ تفسیر مظہری صہ ۲۱۴ ج ۲۔ اسی کے ساتھ حضرت ابن عباس رضؓ کا ایک دوسرا اثر ہے جس میں ہے سفر میں چار رکعات پڑھنا ایسا ہی ہے جیسا حضر میں دو رکعات پڑھنا یعنی یہ جائز نہیں ہے ا ھ۔ اوجز صہ ۶۸ ج ۱۔

پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو اتمام کرے۔[1] حضرت عائشہ رضہ نے یہی فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر بھی کیا ہے اور اتمام بھی کیا ہے۔ ابراہیم بن محمد نے عن طلحہ ابن عمر عن عطاء ابن ابی رباح عن عائشہ رضہ روایت کیا ہے

کل ذلک فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم قصر الصلوٰۃ فی السفر واتم — حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کچھ کیا ہے سفر میں قصر بھی کیا اور اتمام بھی

بیہقی کہتے ہیں مغیرہ بن زیاد نے بھی ایسے ہی روایت کیا ہے اور اس میں سب سے زیادہ صحیح سند کی حدیث وہ ہے جو ہم سے ابوبکر الحارثی نے حضرت عائشہ رضہ سے نقل فرمائی ہے (یہ حدیث اوپر گذر چکی ہے) دار قطنی نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے پھر انھوں نے ابوبکر نیشاپوری کی سند سے روایت بیان فرمائی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کیا۔ جب میں مکہ میں داخل ہوئی تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں نے قصر بھی کیا اور اتمام بھی، روزہ بھی رکھا اور افطار بھی۔ فرمایا

احسنت یا عائشۃ — عائشہ تم نے اچھا کیا

میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سنا ہے۔ فرماتے تھے کہ یہ حدیث عائشہ پر جھوٹ ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ ہرگز ایسا نہیں کرسکتیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ رضہ کو قصر کرتا دیکھیں اور خود تنہا اتمام کریں حالانکہ انھوں نے ہی ارشاد فرمایا ہے فرضت الصلوٰۃ رکعتین الخ پس یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ کے فرض اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف کرتی ہوں۔

زہری کہتے ہیں میں نے عروہ رضہ سے کہا کیا حضرت عائشہ رضہ واقعی اتمام کرتی تھیں؟ فرمایا انھوں نے ویسی ہی تاویل کرلی تھی جیسی حضرت عثمان رضہ نے کی تھی۔ جب ہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فعل کی تحسین فرمادی اور ان کو اسی پر باقی رکھا۔ میں کہتا ہوں۔ اس صورت میں اس کو تاویل نہ کہنا چاہیئے کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق کردی تو وہ تاویل نہ رہی۔

حضرت ابن عمر رضہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق رضہ اور حضرت عمر رضہ میں سے کسی نے بھی حالت سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ تو کیا حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے یہ گمان ممکن ہے کہ وہ ان حضرات کی مخالفت کرتی ہوں گی؟ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد انھوں نے اتمام کیا ہے اور حضرت عثمان رضہ نے بھی اتمام کیا ہے اور دونوں نے تاویل سے کام لیا ہے

---

[1] حنفیہ کا مسلک یہی ہے کہ اگر مسافر کسی مقیم کے پیچھے نماز پڑھے تو اسکو اتمام کرنا چاہیئے۔

اور دلیل ان کی روایت بن سکتی ہے ان کی تاویل نہیں۔[1]

امیہ بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے سوال کیا ہم نے قرآن پاک میں صلوٰۃ حضر اور صلوٰۃ خوف کا ذکر تو پایا ہے۔ صلوٰۃ سفر کا ذکر نہیں پایا؟ فرمایا بھائی! اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہم کچھ نہیں جانتے وہ جیسا کرتے تھے ویسے ہی ہم بھی کرتے ہیں۔[2] حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف نکلے آپ جب تک مدینہ طیبہ واپس آئے دو دو رکعت ہی پڑھتے رہے ایسے ہی حضرت ابن عمر رضؓ کا مذکورہ ارشاد ہے اور یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔

سفر اور سنت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ آپ بحالت سفر صرف فرض پڑھنے پر ہی اکتفا فرماتے تھے۔ آپ سے ثابت نہیں ہے کہ آپ نے فرائض سے قبل یا بعد میں سنتیں پڑھی ہوں، ہاں وتر اور سنت فجر ضرور پڑھتے تھے[3] آپ نے ان کو سفر حضر کسی حالت میں نہیں چھوڑا۔ حضرت ابن عمر رضؓ فرماتے ہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا۔ آپ نے سفر میں کبھی نفلی نماز نہیں پڑھی اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

قد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ	تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں اسوۂ حسنہ ہے۔

اور تسبیح (جس کا ترجمہ نفلی نماز کیا گیا ہے) سے مراد سنت ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ سواری پر بھی نماز پڑھا کرتے تھے (اور وہ نفلی نماز ہوتی تھی) چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضؓ کی

---

[1] مطلب یہ ہے کہ صحابی رضؓ ایک طرف تو حدیث بیان فرمائے دوسری طرف اسکی تاویل پیش کرے تو اس حالت میں اسکی روایت کو حجۃ قرار دیا جائے گا نہ کہ تاویل کو۔

قرآن اور صلوٰۃ سفر [2] قرآن پاک میں موجود ہے اذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ الایہ جب تم سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کرو۔ اس حکم میں شک اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ آگے چل کر ان خفتم اگر تمہیں خوف ہو کی قید ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ قصر خوف کے ساتھ مخصوص ہے لیکن آیۃ مبارکہ میں یہ قید احترازی نہیں ہے جس سے یہ شک پیدا ہو۔ علاوہ ازیں حضور صلعم نے حجۃ الوداع کے موقعہ اور دوسرے بعض مواقع میں بحالت امن قصر کیا ہے اسکے علاوہ حضرت ابن عمر رضؓ، حضرت عمر بن خطاب رضؓ، حضرت ابن مسعود رضؓ، حضرت ابوہریرہ رضؓ اور دوسرے جلیل القدر صحابہ رضؓ کی صحیح احادیث موجود ہیں جن سے قصر کا اثبات ہو رہا۔ علامہ ابوبکر جصاص نے بیان فرمایا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام احکامات نص قرآنی ہی سے ثابت ہوں بلکہ بعض سنت سے بھی ثابت ہوتے ہیں الخ۔ اوجز المسالک صہ ۲ ج ۱

[3] سفر کی دو حالت ہیں، ایک حالت امن اور قرار دوم حالت خوف اور فرار یعنی چلنے کی حالت یا سفر کی جلدی۔ حنفیہ کے نزدیک پہلی صورت میں سنتیں ادا کر لینی چاہیئے اور دوسری صورت میں ترک کر دینا چاہیئے۔ لیکن وتر واجب ہیں اور صبح کی سنت تمام سنتوں میں سب سے زیادہ موکد ہیں اسلئے ان کو ہر حال میں ادا کرنا پڑیگا الخ۔ رد المحتار باب صلوٰۃ المسافر صہ ۷۴۲ ج ۱

روایت ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی فی السفر علی راحلتہ حیث توجھت یومی ایماءً صلوٰۃ اللیل الا الفرائض ویوتر علی راحلتہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر اشارے سے اور جدھر بھی سواری کا رخ ہوتا حالت سفر میں رات کی نماز فرائض کے علاوہ پڑھا کرتے تھے اور وتر بھی سواری پر پڑھا کرتے تھے[1]

امام شافعی صاحب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ قصر کرنے کے باوجود صلوٰۃ لیل (تہجد) پڑھا کرتے تھے۔ صحیحین میں عامر بن ربیعہ رضؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے نفل حالت سفر میں سواری پر پڑھتے دیکھا ہے اور یہ تہجد کی نماز تھی[2]۔

امام احمد سے سفر میں نفلی نماز پڑھنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔ امام حسن سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضؓ فرائض سے پہلے اور بعد میں حالت سفر میں بھی نماز پڑھا کرتے تھے[3] یہی حضرت عمر رضؓ، حضرت علی رضؓ، حضرت ابن مسعود رضؓ، حضرت جابر رضؓ حضرت انس رضؓ، حضرت ابو ذر رضؓ سے مروی ہے۔ لیکن حضرت ابن عمر رضؓ فرائض سے پہلے اور بعد میں نماز نہیں پڑھتے تھے البتہ نماز تہجد اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ظاہر ہے کہ وہ مقصورہ فرائض کے پہلے اور بعد میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اور ان سے پہلے نفل پڑھنے سے منع بھی نہیں فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ مطلق نفل تھے نہ کہ سنت راتبہ۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سفر میں مسافر پر چار رکعت میں تخفیف کر کے دو رکعت فرض کی گئی ہیں لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فرائض میں تو تخفیف کر دی جائے اور سنت کو بدستور رہنے دیا جائے۔ اگر یہی بات تھی تو اتمام کرانا افضل تھا۔ اسی وجہ سے حضرت ابن عمر رضؓ نے فرمایا ہے۔

لو کنت مسبحاً لا تممت — اگر میں نفل پڑھوں تو میرے لئے اتمام کرنا بہتر ہے

لیکن (اس سے بھی گریز نہیں کیا جا سکتا) کہ آپ نے فتح مکہ کے دن مسافر ہونے کے باوجود آٹھ رکعات چاشت کی نماز پڑھی تھی۔ اور ابو داؤد میں براء بن عازب کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ

---

[1] سواری پر نماز کا بیان آئندہ سطور میں آتا ہے [2] اس حدیث سے شوافع نے وتر کی سنت ہونے پر استدلال کیا ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک فرائض اور واجب سواری پر جائز نہیں ہیں الا یہ کہ کوئی عذر ہو چنانچہ احادیث میں موجود ہے کہ آپ صبح کی سنت اور وتر پڑھنے کے لئے سواری سے اترتے تھے اس سے وتر کا واجب ہونا ثابت ہے [3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اہتمام کی وجہ سے اہل دل بھی تہجد کی نماز کا اہتمام بہر صورت اور بہر حال کرتے ہیں۔

[4] موطا امام مالک میں حضرت ابن عمر رضؓ کا عمل منقول ہے کہ وہ فرائض کے بعد نوافل نہیں پڑھتے تھے اسکے متعلق تفصیل گذر چکی ہے نفس جواز سے کسی کو انکار نہیں ہے اسی پر ابن عربی نے اجماع نقل کیا ہے اھ۔ اوجز صفحہ ۸ ج ۲

وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفر کئے ہیں۔ آپ نے زوال شمس کے (فوراً بعد) کی دو رکعت کو ترک نہیں کیا[۱]۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے میں نے امام بخاری سے دریافت کیا تو انھوں نے اس حدیث (حدیث لیث بن سعد) کی واقفیت سے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اور اس حدیث کے راوی ابی بسرۃ کے نام سے بھی عدم واقفیت کا اظہار کیا۔ بسرۃ۔ با کے ضمہ اور سین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ کی بھی ایک حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر سے قبل کی چار رکعات اور بعد کی دو رکعت کو کبھی نہیں چھوڑا۔ اس روایت کو امام بخاری نے روایت کیا ہے لیکن اس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ سفر میں بھی معمول تھا یا نہیں۔ غالباً حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے آپ کی اکثری حالت کو بیان کیا ہے علاوہ ازیں مردوں کو عورتوں کے مقابلہ میں سفر کی حالت کا زیادہ علم ہوتا ہے اور یہ حضرت ابن عمر رضؓ کی حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے اور یہی حضرت ابن عمر رضؓ کا عمل تھا۔

سواری پر نماز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی حالت میں سواری پر جدھر بھی اس کا رخ ہوتا نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور اشارہ سے رکوع سجدہ ادا فرمایا کرتے تھے۔ امام احمد اور ابو داؤد نے حضرت انس رضؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ آپ تکبیر تحریمہ کے وقت اونٹنی کا منہ قبلہ رخ کر لیا کرتے تھے[۲]۔ پھر اس کے بعد بقیہ نماز جدھر بھی اس کا رخ ہوتا پڑھ لیا کرتے تھے۔

اس حدیث میں کلام ہے کیونکہ حضرات صحابہ رضؓ نے آپ کا سواری پر نماز پڑھنا اول تا آخر ذکر کیا ہے اور اس میں مذکور ہے جدھر بھی سواری کا رخ ہوتا اسی رخ پر نماز پڑھ لیتے تھے کسی نے بھی تکبیر تحریمہ کو مستثنیٰ نہیں کیا۔ مثلاً حضرت عامر بن ربیعہ رضؓ، حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ، حضرت جابر رضؓ وغیرہ حضرات ان حضرات کی احادیث حضرت انس رضؓ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی اور حمار[۳] پر بھی نماز پڑھی ہے (اگر یہ صحیح ہے) امام مسلم نے اپنی صحیح

۱؎ حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں یہی فرمایا ہے اور یہ حضور صلعم کے خصائص میں سے بھی ہے واللہ اعلم

سواری پر نماز

۲؎ جمہور علماء اور امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہی ہے کہ سواری پر نوافل پڑھنے کیلئے قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں ہے صاحب ہدایہ نے یہی بیان کیا ہے اور دلائل بھی ذکر کئے ہیں حافظ عینی نے متعدد احادیث اسی کی تائید میں ذکر کی ہیں۔ فرائض اور سنت فجر اور وتر کیلئے سواری سے اتر کر ان کو ادا کرنا چاہیئے اھ او جز ص ۲ ج ۲

۳؎ اگر یہ صحیح ہے ۔ غالباً علامہ نے دو چیزوں کی طرف اشارہ کیا ۱ یہ کہ لفظ حمار کے بارے میں محدثین میں اختلاف ہے دار قطنی نووی، امام بخاری اس لفظ کا انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ علی حمار کی جگہ علی دابتہ ہے لیکن حضرت انس رضؓ کی روایت جو نسائی نے نقل کی ہے اس میں علی حمار ہی ہے ۲ دوسری چیز یہ ہے کہ حمار پر نماز جائز نہیں ہے کیونکہ وہ بعض کے نزدیک نجس ہے لیکن حافظ عینی نے بیان فرمایا ہے یہ غلط ہے بلکہ حضور صلعم کے عمل سے یہ ثابت ہے البتہ یہ شرط ہے کہ سوار کے (باقی صفحہ ۱۹۳ پر)

میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش اور کیچڑ کی وجہ سے انکو سواریوں پر ہی نماز پڑھائی ہے (اگر یہ حدیث صحیح ہے) اس کو امام احمد، امام ترمذی، امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

ھو واصحابہ علی راحلتہ والسماء	آپ اور آپ کے صحابہؓ سواریوں پر تھے
من فوقھم والبلۃ من اسفل	آسمان سے بارش ہو رہی تھی اور زمین میں
منھم الخ	کیچڑ تھی۔

نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے موذن کو حکم دیا۔ اس نے اذان اور اقامت کہی آپ اپنی سواری پر بیٹھے ہی بیٹھے آگے ہوئے اور لوگوں کو نماز اشارے سے پڑھائی۔ آپ نے سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ گہرا کیا۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے کیونکہ اس میں عمر بن الرباح منفرد ہیں۔ حضرت انس رضی نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فعل نقل کیا ہے۔

دو نمازوں کو جمع کرنا

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ زوال شمس سے قبل جب کوچ فرماتے تو ظہر کی نماز عصر کی نماز (نماز سے ذرا قبل اس قدر کہ ظہر کا وقت قضا نہ ہو جائے) موخر کرتے۔ اور پھر اتر کر پہلے ظہر کی نماز (اس کے آخر وقت میں) اور عصر کی نماز (ابتدائی وقت میں) ادا فرماتے۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ زوال ہو چکا ہے تو پھر ظہر کی نماز پڑھ کر کوچ فرماتے۔

جب آپ کو سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز اس حد تک موخر فرماتے کہ عشا اور مغرب دونوں نمازوں کو اپنے اپنے وقت میں جمع کرکے پڑھ سکیں۔ چنانچہ آپ کے متعلق غزوہ تبوک کے موقعہ کا واقعہ روایت کیا گیا ہے۔

کان اذا زاغت الشمس قبل ان	جب کوچ کرنے سے قبل زوال شمس ہو جاتا
یرتحل جمع بین الظھر والعصر	تو آپ ظہر اور عصر دونوں نمازوں کو جمع

کرکے پڑھتے (یعنی جمع تقدیم فرماتے اس طرح کہ عصر کی نماز بھی ظہر ہی کے وقت میں پڑھ لیتے) اور اگر کوچ فرما دیتے تو پھر ظہر کی نماز تاخیر کرکے عصر کی نماز کے ساتھ ادا فرماتے۔ اور ایسا ہی مغرب اور عشا میں کرتے تھے۔

لیکن اس حدیث میں اختلاف ہے۔ بعض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور بعض نے حسن اور بعض نے

گذشتہ سے پیوستہ جوتوں وغیرہ میں نجاست نہ ہو اور جانور پر اگر نجاست لگی ہے تو اس سے جسم مس نہ ہونا چاہیئے۔ یہ بھی غلط ہے کہ حمار کا پسینہ نجس ہے بلکہ اختلاف آثار کی بنا پر اس کو مشکوک کہا جا سکتا ہے۔ اوجز المسالک صد ۸۲ ج ۲

اس کو موضوع قرار دیا ہے (جیسے حاکم) حالانکہ اس کے اسناد شیخین کی شرط کے موافق ہیں لیکن حاکم نے ایک عجیب علت بیان فرمائی ہے۔

حدثنا ابوبکر بن محمد بن احمد بن بالویہ حدثنا موسیٰ بن ھارون حدثنا قتیبہ بن سعید حدثنا اللیث بن سعد عن یزید بن ابی حبیب عن ابی الطفیل عن معاذ بن جبل۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک میں تھے۔ آپ زوال شمس سے قبل کوچ فرماتے تو ظہر کو اس وقت تک موخر کرتے کہ عصر کا وقت ہو جاتا اور پھر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے اور جب بعد زوال کے سفر کرتے تو ظہر اور عصر دونوں کو جمع کرتے اس کے بعد کوچ فرماتے۔ اور جب آپ مغرب سے قبل کوچ فرماتے تو مغرب کو عشا کے ساتھ موخر کر کے پڑھتے تھے اور جب مغرب کے بعد سفر کرتے تو عشا کو ذرا جلدی مغرب کے ساتھ پڑھ لیتے تھے۔

مذکورہ حدیث پر جرح

امام حاکم نے فرمایا ہے اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں لیکن یہ حدیث متن اور سند کے اعتبار سے شاذ ہے اس کے علاوہ مجھے کوئی علت معلوم نہیں جس کو میں بیان کر سکوں۔ البتہ اگر یہ حدیث عن اللیث عن ابی الزبیر عن ابی الطفیل ہوتی تو ہم اس کی علت بتلاتے اور اگر عن ابی یزید عن ابی الطفیل ہوتی تب بھی ہم اس کی علت بتلاتے۔ جب یہ دونوں بھی نہیں ہیں تو یہ حدیث معلول نہیں ہے۔ اس کے بعد ہم نے پھر غور کیا تو عن یزید بن ابی حبیب عن ابی الطفیل کی کوئی روایت نہیں پائی جاتی اور نہ اس سند اور متن کے ساتھ ابوطفیل کے کسی شاگرد نے اس کو روایت کیا اور نہ معاذ بن جبلؓ سے بجز ابوالطفیل کے کسی نے روایت کیا اسلئے ہم نے اس کو شاذ کہدیا۔

ابوعباس ثقفی نے بیان فرمایا ہے کہ ہم سے قتیبہ بن سعید نے فرمایا کہ یہ حدیث امام احمد بن حنبل علی بن مدینی یحییٰ بن معین، ابوبکر بن ابی شیبہ ابی خیثمہ نے نقل کی ہے اور اسی طرح بہت سے ائمہ حدیث نے اس حدیث کو قتیبہ سے تعجب کے ساتھ سنا اس کے باوجود کسی نے بھی اس حدیث میں کوئی علت نہیں بیان فرمائی۔ اس کے باوجود ہم نے اس حدیث کو موضوع پایا اور قتیبہ بلاشک ثقہ ہیں۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کے موضوع ہونے کا معاملہ قابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کو ابوداؤد نے عن یزید بن خالد بن عبداللہ بن موھب الرملی بواسطہ مفضل بن فضالہ روایت کیا ہے اس طرح مفضل قتیبہ کے متابع ہیں اگرچہ قتیبہ مفضل سے زیادہ عالم ہیں اس صورت میں قتیبہ

کے اوپر سے تفرد کا الزام ہٹ جاتا ہے علاوہ ازیں قتیبہ نے سمعت (میں نے سنا) کہہ کر حدیث روایت کی ہے۔ اور ان کی سماعت پر جرح نہیں کی جاسکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حفظ اور تقویٰ کا بہت بڑا مقام عطا کیا ہے۔

اس حدیث کو اسحاق بن راہویہ نے شبابہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور شبابہ بن سوار ثقہ ہیں اور ان کی حدیث سے استدلال کرنا مسلّم ہے۔ امام مسلم نے بھی اس کو اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔ ان سب باتوں کو بھی اگر نظر انداز کر دیا جائے تب بھی اس حدیث سے حضرت معاذ بن جبل رضؓ والی روایت کو تقویت پہونچتی ہے اور اس کی اصل بخاری و مسلم میں موجود ہے لیکن اس میں جمع تقدیم کا ذکر نہیں ہے۔

ابو داؤد فرماتے ہیں ہشام نے اس روایت کو عن عروۃ عن حسین بن عبد اللہ عن کریب عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثل حدیث مفضل روایت کیا ہے یعنی جمع تقدیم میں وہ حدیث معاذ کے مطابق ہے اگرچہ اس کے راوی حسین بن عبد اللہ بن عبید اللہ بن عباس عن کریب عن ابن عباس ہیں جس میں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں (کسی منزل پر مقیم ہوتے) اور زوال شمس ہوتا تو ظہر اور عصر کو زوال کے وقت جمع کر لیتے اور جب زوال شمس سے قبل سفر کرتے تو ظہر کو موخر کر دیتے اور عصر اور ظہر کو جمع کر کے پڑھتے۔ راوی نے کہا ہے میرا خیال ہے کہ اس جگہ مغرب اور عشا کا لفظ ہے۔

اسی کے مثل امام شافعی صاحب نے حدیث ابن ابی یحیی روایت کی ہے بیہقی نے کہا ہے اسی طرح ہشام بن عروۃ جیسے اکابر نے روایت کی ہے۔ اور عبد الرزاق نے بھی عن ابن جریج عن حسین عن عکرمہ و عن کریب اور ان دونوں نے حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت کیا ہے۔

اور ایوب نے عن ابی قلابہ عن ابن عباس رضؓ روایت کیا ہے اور فرمایا مجھے اس حدیث کا مرفوع ہونا ہی معلوم ہے۔ اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے کہ ہم سے اسماعیل بن ابی ادریس نے بیان کیا ہے اور ان سے میرے بھائی نے بروایت سلیمان بن مالک عن ہشام بن عروۃ عن کریب عن ابن عباس روایت کیا ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تو زوال سے قبل ہی کوچ فرما دیتے اور پھر اترتے اور ظہر و عصر دونوں کو جمع فرماتے۔ اور پھر چل دیتے۔ اور مغرب کے وقت میں مغرب اور عشا کو جمع فرماتے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا ہے جمع تقدیم کے لئے تو عرفات میں۔ ظہر و عصر کی نماز کو ظہر کے وقت میں، جمع

کرنے کا ثبوت ہے کیونکہ وقوف کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے تاکہ دعا کے لئے کافی وقت مل جائے اور بیچ میں صلوٰۃ عصر آنے کی وجہ سے انقطاع نہ ہو جائے اس جگہ بلا مشقت جمع بین صلوٰتین کیا ہے۔ لہٰذا مشقت کی صورت میں بطریق اولیٰ جائز ہے۔ امام شافعی صاحب فرماتے ہیں زیادہ مناسب یہ ہے کہ حصول دعا کے مقصد کے تحت عرفات میں بھی ظہر کو عصر کے وقت پڑھا جائے۔ اور ایسے ہی مزدلفہ میں مغرب کو عشا کے وقت پڑھا جائے۔

حالت نزول میں جمع

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ نہیں تھی کہ نزول (بحالت سفر) دو نمازوں کو جمع فرمائیں جیسا کہ بہت سے حضرات کرتے ہیں۔ آپ تو جمع اس وقت فرماتے تھے جب آپ کو جلدی ہوتی تھی۔ جیسا کہ قصۂ تبوک کے سلسلہ میں گذر چکا ہے۔ حالت نزول میں عرفات (اور ایسے ہی مزدلفہ) آپ سے جمع کرنا ثابت..... ہے۔ اور وہ بھی دعا کی غرض سے جیسا کہ ہمارے شیخ اور امام شافعی صاحب اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے۔ اور اس کو اتمام نسک قرار دیا ہے یعنی ان کے نزدیک یہ بھی مناسک میں سے ہے۔ امام مالک اور امام احمد اس جمع کو بھی سفر کی وجہ سے قرار دیتے ہیں ان حضرات میں اختلاف ہو گیا ہے۔ چنانچہ امام شافعی صاحب اور امام احمد ایک روایت میں یہ فرماتے ہیں کہ سفر طویل کی صورت میں جمع بین صلوٰتین عرفات میں جائز ہے چنانچہ وہ اہل مکہ کے لئے یہ جمع جائز قرار نہیں دیتے۔ اور امام مالک اور امام احمد اپنی دوسری روایت میں اہل مکہ کے لئے بھی اس کو جائز قرار دیتے ہیں چنانچہ ہمارے شیخ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ابوالخطاب کا عبادات میں یہی مسلک ہے۔ ہمارے شیخ ابن تیمیہ نے قصر اور جمع صلوٰۃ کو مطلقاً رکھا ہے خواہ سفر کم ہو یا زیادہ اور یہی کثیر اسلاف کا مسلک ہے اور امام مالک اور ابوالخطاب نے عرفات میں قصر اور جمع صرف مکہ والوں کے لئے مخصوص قرار دیا ہے (باوجودیکہ مسافت سفر نہیں ہے اس کے علاوہ وہ مسافت سفر کی قید لگاتے ہیں) حالانکہ قصر کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مدت منقول نہیں ہے بلکہ مطلق سفر مراد ہے جیسا کہ تیمم کے لئے مطلق سفر مراد ہے اور وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو یا تین دن کی تحدید ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

امام اعظم کا مذہب

[1] جمع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت جمع تقدیم کی اور ایک صورت جمع تاخیر کی جمع تقدیم عرفات میں ہے اور جمع تاخیر مزدلفہ میں ہے اور یہ نص سے ثابت ہے۔ دوسرے اوقات کی تقدیم و تاخیر کو ان پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اسلئے کہ نماز کو اسکے وقت میں پڑھنا نص قرآنی سے ثابت ہے

ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتا — نماز مومنین پر اسکے وقت ہی میں پڑھنا فرض ہے

البتہ اگر کوئی عذر ہے جیسے مریض یا مسافر۔ اس کیلئے یہ سہولت ہے کہ ایک نماز اسکے آخر وقت میں اور دوسری کو اس کے شروع وقت میں ادا کرلیں۔ یہ صورۃً تو جمع ہے لیکن حقیقۃً جمع نہیں ہے کیونکہ ہر نماز اپنے وقت پر ادا ہو رہی ہے اس کے لئے وقت گذار کر جمع بین الصلوٰتین عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶

حافظ بدر الدین عینی ؒ نے اس جگہ تفصیل سے کلام کیا ہے جس کا خلاصہ درج کیا جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں بعض علمائے کرام نے ظاہر حدیث کو اختیار کیا ہے چنانچہ وہ ظہر اور عصر، مغرب اور عشا کو سفر میں جمع کر کے پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعی، امام احمدؒ اسحاق کا یہی مسلک ہے۔ ابن بطال نے اس کو جمہور کا مسلک قرار دیا ہے۔ علامہ زین الدین۔۔۔ نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں چھ اقوال ہیں ۱ ایک وہ جو ابن بطال نے بیان فرمایا ہے ۲ دوسرا قول یہ ہے کہ جب چلنے میں جلدی ہو تب جمع بین الصلوٰتین جائز ہے اس کو حضرت اسامہ بن زید رضؓ، معاذ بن جبل رضؓ وغیرہ حضرات نے روایت کیا ہے اور بہت سے تابعین نے اسی کو اختیار کیا ہے ۳ تیسرا قول یہ ہے کہ جب سفر کا ارادہ ہو تب جمع جائز ہے اس کو حبیب مالکی نے اختیار کیا ہے اور یہی قول امام شافعی صاحب کا ہے ۴ چوتھا قول یہ ہے کہ جمع بین الصلوٰتین مکروہ ہے یہ قول ابن عربی کا ہے ۵ پانچواں قول یہ ہے کہ جمع تاخیر جائز ہے جمع تقدیم جائز نہیں ہے یہ قول ابن حزم کا ہے ۶ چھٹا قول یہ ہے کہ عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ جمع جائز نہیں ہے یہ قول امام صاحبؒ، ابن سیرینؒ، ابراہیم نخعی، اسود کا ہے یہی قول ابن مسعود رضؓ اور حضرت سعد بن وقاص رضؓ کا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کا ایک اثر اپنی مصنف میں نقل کیا ہے کہ:-

الجمع بین الصلوٰتین من غیر عذرٍ من الکبائر	دو نمازیں بلا عذر کے جمع کر کے پڑھنا کبیرہ گناہ ہیں

لیکن چونکہ احادیث موجود ہیں اس لئے ان کی تاویل وہ کی جائے گی جو کہ ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں اس طرح آیۃ مبارکہ اور تمام احادیث میں موافقت ہو جاتی ہے اور یہی مستحسن ہے۔

جناب ابو قتادہ عدوی نے حضرت عمر رضؓ کا ایک مکتوب روایت کیا ہے جو انھوں نے اپنے بعض عمال کی طرف بھیجا تھا۔ اس میں تین چیزیں کبیرہ گناہ میں شمار کرائیں تھیں جن میں سے ایک جمع بین الصلوٰتین بھی ہے۔ امام بخاری و مسلم نے حضرت ابن مسعود رضؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ:-

ما رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ لغیر وقتہا الا بجمع فاجمع بین المغرب والعشاء بجمع وصلی صلوٰۃ الصبح فی الغد قبل وقتہا	میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز خلاف وقت پڑھتے نہیں دیکھا۔ البتہ مزدلفہ میں تو مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا ہے اور وہاں صبح کی نماز معمول سے پہلے یعنی صبح صادق ہوتی ہی پڑھی ہے۔

(فتح الملہم جلد دوم)

اس روایت میں حضرت ابن مسعود رضؓ نے جمع تاخیر کا مزدلفہ میں ذکر کیا ہے۔ عرفات کے بارے میں ذکر نہیں کیا۔۔۔۔ علامہ ابن عابدین نے بیان فرمایا ہے۔

لا یجوز الجمع فی غیر عرفۃ ومزدلفۃ لان اوقات الصلوٰۃ قد ثبتت بلا خلاف	عرفہ اور مزدلفہ کیلئے علاوہ جمع صلوٰتین جائز نہیں ہے کیونکہ اوقات صلوٰۃ بلا اختلاف ثابت ہیں۔

جہاں تک عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلوٰتین کا معاملہ ہے وہ بعض مصالح کی بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے اس لئے ان ہی شرائط کے ساتھ ان ہی دو مقام پر جمع کیا جائے گا اس کے خلاف نہیں۔ ملا علی قاری نے شرح مناسک میں تحریر فرمایا ہے۔

اعلم ان هذا الجمع للنسك عندنا فيستوي فيه المسافر والمقيم خلافاً للشافعي ومن تبعه في تخصيصه بالمسافر (۹۶)

یہ جمع نسک کی وجہ سے ہے اس میں مسافر اور مقیم دونوں برابر ہیں امام شافعی اور ان کے تبعین اس کے خلاف ہیں وہ صرف مسافر ہی کیلئے اسکو کہتے ہیں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ مزدلفہ و عرفات میں جہاں مسافر تھے وہاں اہل مکہ بھی تھے سب ہی نے جمع کیا ہے یہ ثابت نہیں ہے کہ اہل مکہ جمع بین الصلوٰتین میں شریک نہ تھے۔

صاحب البدائع حنفی نے اس میں اتنی معقول بات کہی ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے علامہ ابن قیم اور علامہ ابن تیمیہ کے مذکورہ بالا دلائل زیادہ وزنی نہیں معلوم ہوتے ہیں۔

ان هذه الصلوٰة عرفت موقتة باوقاتها بالدلائل المقطوع بها من الكتاب والسنة المتواترة والاجماع فلا يجوز تغييرها عن اوقاتها بضرب من الاستدلال او بخبر الواحد مع ان الاستدلال فاسد لان السفر والمطر لا اثر لهما في اباحة تفويت الصلوٰة عن وقتها الا ترى انه لا يجوز الجمع بين الفجر والظهر (الی اخرہ)

نماز پنجگانہ اپنے اوقات مقررہ کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت متواترہ اور اجماع جیسے قطعی دلائل سے متعارف ہیں لہٰذا ان کو اپنے اوقات سے کسی قسم کی دلیل یا خبر واحد کے ذریعہ ہٹانا جائز نہیں ہے جبکہ یہ دونوں دلیلیں فاسد بھی ہیں۔ اسلئے کہ سفر اور بارش وغیرہ اعذار کو تفویت وقت میں کوئی دخل نہیں ہے یہ بھی تو دیکھئے کہ فجر اور ظہر اور ایسے ہی عصر و مغرب کو کسی بھی عذر سے جمع کرنا جائز نہیں ہے (آخر کیوں؟) رہا عرفات میں جمع کا معاملہ وہ عذر وقوف کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ وقوف اور نماز میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ہی منقول ہے اور اسی پر اجماع ہے۔ اسلئے انکے خلاف اب کسی بھی دلیل کو قابل اعتنا قرار نہ دیا جائے گا۔ واللہ اعلم (فتح الملہم ص۲۶۱ ج ۲)

مطبوعات مدنی دار التالیف بجنور (یوپی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

۱۔ تذکرہ شیخ الہندؒ حضرت شیخ الہندؒ وہ انقلابی مردِ مومن ہیں کہ ان جیسی صفات اور کمالات کے حامل تاریخ ہند میں گنے چنے افراد ہی ملیں گے۔ ان کا زہد و تقویٰ، ان کا سلوک و تصوف، ان کی ریاضت و عبادت اور ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے آج بھی لوگ مستفیض ہو رہے ہیں۔ انھوں نے ہندوستان آزاد کرانے اور یہاں خلافت اسلامیہ کے زندہ کرنے کیلئے کیا کچھ نہیں کیا۔ ان کی تحریک ریشمی خطوط نے پایۂ تخت لندن میں لرزہ پیدا کر دیا تھا۔ انھوں نے یاغستان میں انگریزوں سے اتنی زبردست جنگ کرائی کہ سرحد کے علاقہ میں ایک چپہ زمین ایسا نہیں تھا کہ جہاں انگریز کی لاش نہ ملتی ہو۔ لیکن ان کی پوری تحریک اپنوں کی سازش کا شکار ہوگئی۔ وہ کیسے گرفتار ہوئے، کس نے ان کو گرفتار کرایا۔ یہ سب چیزیں اس کتاب میں موجود ہیں حضرت شیخ الہندؒ کیا چاہتے تھے؟ دار العلوم کا بانی کون ہے۔ ہندوستان کی پہلا جلاوطن حکومت، حضرت شیخ الہندؒ کے بیانات، خطبات اور مکتوبات۔ ان کا نظریہ سیاست اور ان کے نظریہ کے خلاف چلنے کی وجہ سے جو تباہی آئی اسکی داستان سینکڑوں قدیم اخبارات، رسائل، مکتوبات، مخطوطات کا ایک عظیم الشان خزانہ تاریخ و سیاست میں ایک نیا موڑ پیدا کرنیوالی کتاب، کتاب کے شروع میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کا ایک مضمون بطور پیش لفظ ہے جس پر پوری کتاب کی بنیاد قائم ہے۔ ڈسٹ کور حسین اور تاریخی۔ قیمت مجلد ساڑھے چار روپے

۲۔ حیات امام اعظم ابو حنیفہؒ امام اعظم ابو حنیفہ کی اردو، فارسی، عربی میں ہزارہا سوانح حیات موجود ہیں لیکن ہندوستان کے بلند پایہ اور مشہور علماء کا ارشاد ہے کہ اس جیسی کتاب ابتک وجود میں نہیں آسکی۔ بلاشک یہ کتاب تحقیق اور ریسرچ میں ایک بے مثال کتاب ہے مصنف نے جس مسئلہ اور رخ پر بھی بحث کی ہے قلم توڑ دیا ہے۔ آجکل ممالک غیر میں اسکی مانگ بڑھی ہوئی ہے۔ عرب، عدن امریکہ وغیرہ ملکوں کو یہ کتاب جاچکی ہے سب جگہ کے حضرات نے اسکو بیحد پسند کیا ہے۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔

۳۔ محبت والے ایک مختصر اور دلچسپ رسالہ جس میں اتباع سنت اور حضور صلعم سے محبت کرنیوالوں کے پر کشش واقعات درج ہیں۔ عبارت اتنی صاف اور سادہ کہ عورتیں، لڑکے اور معمولی لکھے پڑھے حضرات بلا تکلف پڑھتے ہیں۔ ہر واقعہ تحقیق اور حوالہ کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ بھی اس کو پڑھ کر بہت خوش ہوں گے۔ قیمت ایک روپیہ ۵۰ پیسے

۴۔ تعلیم الانبیاء اس کتاب کا نام "وصایا" ہے۔ وصایا کیا ہے قرآن پاک، احادیث، سیرت اور تاریخی کتابوں سے ان زریں نصیحتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام، حضرات صحابہ رضؓ، اور تابعین نے اپنی تجرباتی زندگی کی روشنی میں فرمائیں تھیں عجیب و غریب کتاب ہے حسین ڈسٹ کور، قیمت مجلد دو روپے ۲۵ پیسے